تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد نہم (9)

سورہ المائدہ آیت ۳۲ تا ۱۲۰

سورہ الانعام آیت ۱ تا ۲۱

تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد نہم (9)

سورہ المائدہ آیت ۳۲ تا ۱۲۰

سورہ الانعام آیت ۱ تا ۲۱

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب========= تفسیر الفرقان

نام مصنف========= محمد طاہر بھٹی چک قاسمکا

جلد نمبر=========نہم(9)

صفحات ========= ۵۰۲

قیمت ========= 0

ڈاکٹر اسلامی ریسرچ اسکالر محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

موبائل نمبر

03477172726 , 03030144460

ایڈریس

چک قاسمکا تحصیل وضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail:Tahirbhatti697@gmail.com

فہرست

عنوانات	نمبر شمار
آیات سابقہ سے مناسبت	18
حضرت عثمان غنیؓ کا فتنے سے بچنا	22
شان نزول: (آیت) "انما جزآءالذین یحاربون اللہ"	25
حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا نظریہ	26
حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	26
حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	29
گرفتاری سے قبل توبہ	33
وسیلہ بہ معنی ذریعہ تقرب	35
انبیاء (علیہم السلام) کے وسیلہ سے دعا کے متعلق احادیث	35
آیات سابقہ سے مناسبت	45
سرقہ کا لغوی معنی	46
شان نزول: (آیت) "والسارق والسارقۃ"	46

چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت	47
حد سرقہ کے نصاب میں امام شافعیؒ کا نظریہ	48
حد سرقہ کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ	49
حد سرقہ کے نصاب میں امام احمد بن حنبلؒ کا نظریہ	50
حد سرقہ کے نصاب میں امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ	53
چور کے ہاتھ کاٹنے کا ذکر	55
آیات سابقہ سے مناسبت	58
شان نزول: (آیت) "یایھا الرسول لایحزنک الذین"	59
نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہودی زانیوں کو رجم کرانا	62
سحت کا معنی اور اس کا حکم	65
اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ	68
موجودہ توراۃ میں آیت رجم	73
علماء وصوفیا کا توراۃ کے مطابق فیصلے	78
قصاص کے حکم کا شان نزول	83

ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مذاہب فقہاء	84
اعضاء کے قصاص کی کیفیت میں مذاہب اربعہ	85
بدلہ نہ لینے کی فضلیت	87
شانِ نزول: (آیت) "وانزلنا الیک الکتب"	97
شان نزول: (آیت) "۔وان احکم بینہم بما انزل اللہ"	100
شان نزول: (آیت) "افحکم الجاھلیۃ یبغون"	104
شان نزول: (آیت) "۔یایھا الذین امنوا لاتتخذوا الیہود والنصری"	106
کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں قرآن مجید کی آیات	107
کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث اور آثار	108
شان نزول: (آیت) "،من یرتد منکم عن دینہ"	118
عہد رسالت اور بعد کے مرتدین کا بیان	118
اللہ کی محبوب قوم کی مصداق میں متعدد اقوال	121
حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر دلائل	122
حضرت ابوبکرؓ کے فضائل	127

شان نزول: (آیت) "انما ولیکم اللہ ورسولہ"	131
حضرت علیؓ کی سخاوت	134
شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا لاتتخذوا"	136
ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذاہب	137
مناسبت اور شان نزول	140
ابتداء اذان کی کیفیت	141
کلمات اذان میں مذاہب ائمہ	144
حضرت ابو محذورہؓ کی روایت کا محمل	146
کلمات اقامت میں مذاہب ائمہ	148
اذان کا جواب	149
دعا بعد الاذان	150
اذان کی فضیلت میں احادیث	151
شان نزول: (آیت) "قل یاھل الکتب ھل تنقمون"	153
شان نزول: (آیت) "واذا جآءوکم قالوا امنا"	162

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت	164
نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث	165
نہی عن المنکر بھی علما ہی کی ذمہ داری ہے	169
شان نزول: (آیت) "وقالت الیہود ید اللہ"	172
شان نزول: (آیت) "یا یہا الرسول بلغ ما انزل الیک"	187
تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث	189
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پہریداری	191
منجانب اللہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت	194
شان نزول: (آیت) "قل یا ھل الکتب لستم"	196
چار قوموں کو ایمان اور عمل صالح کی ترغیب اور آخرت میں نجات کا وعدہ	198
اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیاز کا مدار عمل صالح پر ہے	199
ایمان بالرسالہ کے بغیر نجات نہیں	200
فتنہ کے معنی	207
بنو اسرائیل کا ہدایت سے دوبار اندھا اور بہرا ہونا	207

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد	213
متقدمین اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد	216
نصاری تین خدا مانتے ہیں	217
حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے خدا نہ ہونے پر دلائل	219
حضرت مریم کے نبیہ نہ ہونے پر دلائل	223
حضرت عیسیٰ ؑ کی عبادت گزاری سے ان کے خدا نہ ہونے پر استدلال	225
تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان	232
دین پر قائم رہنے کی تاکید	237
شان نزول: (آیت) "ولتجدن اقربہم"	245
نجاشی کا اسلام لانا	245
مسلمانوں کا حبشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ کا ان کو واپس بلانے کی سعی کرنا	246
حضرت جعفرؓ کا نجاشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرانا	248
کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا	250
شان نزول: (آیت) "واذا سمعوا"	254

ایمان کا بدلہ	257
شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا"	261
حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت	263
عبادات اور معاملات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث	263
مناسبت اور شان نزول	272
یمین کا لغوی اور اصطلاحی معنی	272
قسم کھانے کا جواز اور مشروعیت	273
اپنا حق ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے متعلق فقہاء کے نظریات	277
قسم کھانے کا طریقہ	279
غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی تحقیق	279
یمین لغو کی تعریف	281
یمین منعقدہ کی تعریف	283
یمین غموس کی تعریف	284
کفارہ قسم کی مشروعیت	285

کفارہ قسم کے احکام میں مذاہب ائمہ	286
شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر	289
شراب کی تحریم کے متعلق احادیث	291
خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء	293
خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا	294
انگریزی دواؤں اور پرفیوم کا شرعی حکم	297
شراب نوشی پر وعید کی احادیث	298
خمر کی حد کا بیان	300
بھنگ اور افیون کا شرعی حکم	301
سکون آور دواؤں کا شرعی حکم	301
جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان	302
کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر	303
چوسر اور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء	304
انصاب اور ازلام کی تفسیر	306

شان نزول: (آیت) "لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح"	312
تحریم خمر کی تاریخ	313
اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات	314
شان نزول اور مناسبت	317
خشکی کے جانوروں کے قتل کی ممانعت سے پانچ فاسق جانوروں کا استثناء	320
تین صورتوں میں محرم کے لیے شکاری جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت	321
شکار کی تعریف	323
شکار پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضمان کے لزوم میں مذہب ائمہ	323
سمندری شکار کی تعریف اور اس میں مذاہب ائمہ	327
شکار کا گوشت محرم کے لیے ناجائز ہونے کے متعلق احادیث	329
محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب ائمہ	330
دور جاہلیت میں حرم میں احترام	338
شان نزول: (آیت) "قل لا یستوی الخبیث"	342
شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیآء"	344

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کرنے کے متعلق احادیث	345
آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات	348
آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت کے محامل	350
آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث	353
کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے پچھلی امتوں کا ہلاک ہونا	355
البحیرہ: کا معنی	358
السائبہ کا معنی	358
الوصیلہ کا معنی	359
الحامی کا معنی	360
بحیرہ اور سائبہ وغیرھما کے متعلق احادیث	361
بحیرہ وغیرہ کی تحریم کا خلاف عقل ہونا	363
مناسبت اور شان نزول	366
نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ضرور ہونا	367
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے متعلق احادیث	367

شان نزول: (آیت) "یا یہا الذین امنوا شہادۃ"	372
سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنانے کے متعلق احادیث	373
سفر میں وصیت کرنے اور غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے جواز پر امام احمدؒ کے دلائل	375
سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے عدم جواز پر جمہور فقہاء کے دلائل	376
اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے جواز پر امام ابو حنیفہؒ کے دلائل	378
ناگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا جواز	380
شک اور شبہ کی بناء پر ملزم یا مہتمم کو قید میں رکھنے کا جواز	381
مجرموں کو قید میں رکھنے کا جواز	382
نادہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق احادیث	384
نادھندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ	385
گواہ بنانے کے لیے بعد از نماز وقت کی خصوصیت	386
قسم دلانے اور گواہ بنانے میں مقام کی خصوصیت میں مذاہب	388

آیات سابقہ سے مناسبت	392
آیات سابقہ سے ارتباط	399
روح القدس کا معنی	400
حیات مسیح اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل	400
کتاب، حکمت اور توراۃ اور انجیل کا معنی	401
حضرت عیسیٰؑ کا پرندے بنانا، بیماروں کو شفا دینا اور دیگر معجزات	402
مناسبت اور شان نزول	406
نزول مائدہ کے فرمائشی معجزہ کی توجیہات	407
آسمانی دسترخوان کا نزول	409
عام آدمی کی نظر اور نبی کی نظر	417
اول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی	418
بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خوان	419
دسترخوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم	427
غیر اللہ کو پوجنے والوں سے باز پرس ہوگی	431

سچ بولنے کا فائدہ صرف آخرت میں کیوں ہوگا؟	436
اللہ کی عظمت و جبروت کے ذکر پر سورت کا اختتام	437
سورہ انعام	439
وجہ تسمیہ:	439
سورہ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث	439
سورہ الانعام سے مدنی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث	440
سورہ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث	441
مضامین کا خلاصہ	443
حمد، مدح اور شکر کا فرق	447
کتاب اللہ کا مذاق اڑانا بدترین گناہ ہے	454
ربط آیات اور خلاصہ مضمون	458
قرن کی تحقیق	459
ربط آیات اور شان نزول	463
کفار کے مطالبہ کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فرشتے کو نہ بھیجنے کی حکمت	465

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی سزا	466
اس سے پہلے دیگر کافر قوموں نے بھی اپنے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا	467
فرشتے کو مطالبہ پر اتارتے تو کام تمام ہو جاتا	469
الوہیت، رسالت اور قیامت پر دلیل	473
اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث	474
رات اور دن میں جو کچھ سکونت پذیر ہے	482
حقیقی حاجت روا کارساز اور مستعان صرف اللہ تعالیٰ ہے	487
شان نزول: (آیت) "قل ای شیء اکبر"	494
اہل کتاب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچاننا	498
کفار کے اخروی نقصان کا معنی	500
یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے بہتانوں کی تفصیل	501

﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ ﴾

”اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے ایک جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کیا یا زمین میں فساد پھیلایا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اسے بچایا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچایا اور بلاشبہ ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آئے، پھر بیشک ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں البتہ ضرور حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قابیل اور ہابیل کے قصہ میں اور بنو اسرائیل پر قصاص کے وجوب میں کیا مناسبت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قابیل اور ہابیل کے قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ قتل کے فعل میں اللہ

تعالیٰ کی شدید نافرمانی اور اس کی ناراضگی ہے۔ نیز اس قصہ سے معلوم ہوا کہ قتل کرنے والا دوزخی ہے۔ نقصان اٹھانے والا ہے اور پچھتانے والا ہے' تو چونکہ قتل کرنا ان خرابیوں کا سبب ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر قتل میں قصاص (بدلہ لینے) کو واجب کر دیا' تا کہ لوگ قتل کرنے سے باز رہیں۔

اس آیت پر دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل سے پہلی امتوں پر بھی قتل کرنا حرام تھا اور ان پر قصاص واجب تھا۔ پھر اس آیت میں بنو اسرائیل کا خصوصیت سے کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں ان کے انبیاء (علیہم السلام) زبانی وجوب قصاص کا ذکر فرماتے تھے اور بنو اسرائیل میں سب سے پہلے اس حکم کو کتاب میں نازل کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قابیل نے ہابیل کو حسد کی وجہ سے قتل کیا تھا اور بنو اسرائیل میں بھی حسد بہت زیادہ تھا' اور انھوں نے بیشتر قتل حسد کی بناء پر کیے تھے جب انھوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا انکار کیا' اور دو مرتبہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ ایک مرتبہ مدینہ میں جب آپ بنو قینقاع کے پاس ایک مسلمان کی دیت وصول کرنے کے سلسلہ میں گئے تھے' اور دوسری مرتبہ خیبر میں جب ایک یہودی بڑھیا نے آپ کو زہر آلود گوشت کھانے کے لیے دیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عموماً قتل کا سبب قساوت قلبی' یعنی سنگ دلی اور عدوان اور سرکشی ہوتا ہے اور بنو اسرائیل میں یہ سبب بہ درجہ اتم موجود تھا' حتیٰ کہ انھوں نے متعدد انبیاء (علیہم السلام) کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

کسی کو ناحق قتل کرنا اللہ کی نگاہ میں جرم عظیم ہے اور اس کی وجہ سے شر و فساد کا جو خطرناک دروازہ کھل جاتا ہے، اس کو بند کرنا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم جاری کر دیا کہ جو کوئی کسی کو ناحق قتل کر دے گا، یا زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے ایسا کرے گا تو گویا وہ

تمام نوع انسان کے قتل کا مرتکب ہوگا اور جو عفو و درگزر یا کسی اور طریقہ سے کسی کی زندگی کی بقا کا سبب بنے گا، تو وہ گویا تمام لوگوں کی زندگی کا سبب بنے گا۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو ہماری مسجدوں میں سے کسی مسجد سے، یا بازاروں میں سے کسی بازار سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہو تو اسے اچھی طرح سنبھال کر رکھے، یا اس کا (دھار والا) اگلا حصہ مضبوطی سے تھامے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سے کوئی تکلیف پہنچ جائے۔"[1]

فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا : ارشاد فرمایا : (وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ)[البقرة:۱۷۹] "اور تمہارے لیے بدلہ لینے میں ایک طرح کی زندگی ہے اے عقلوں والو! تاکہ تم بچ جاؤ۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص بھی مظلوم قتل ہوتا ہے، تو اس کے خون کا گناہ آدم کے پہلے بیٹے پر بھی لاد دیا جاتا ہے، کیونکہ وہی وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو جاری کیا۔"[2]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔" صحابہؓ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! جب وہ مظلوم ہو اور ہم اس کی مدد کریں (یہ تو سمجھ میں آ گیا لیکن) اس کی مدد اس حالت میں کیسے کریں کہ جب وہ ظالم ہو؟ رسول اللہ (صلی اللہ

۱۔[بخاری، کتاب الصلوۃ، باب المرور فی المسجد:۴۵۲۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب أمر من مر بسلاح فی مسجد أو سوق:۲۶۱۵/۱۲۴]

۲۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریتہ:۳۳۳۵۔ مسلم، کتاب القسامۃ، باب بیان إثم من سن القتل:۱۶۷۷]

علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو۔"[1]

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ: یعنی حرام امور کا علم ہونے کے باوجود ان کا ارتکاب کرتے تھے۔ یہود مدینہ کا بھی یہی حال تھا کہ زمانہ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے خاندانوں کے ساتھ ان کی لڑائیاں جاری رہتی تھیں اور جب حالت جنگ ختم ہوجاتی تو اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرتے تھے اور جسے چاہتے قتل کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ) [البقرة: ۸۴، ۸۵] "اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ تم اپنے خون نہیں بہاؤ گے اور نہ اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نکالو گے، پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود شہادت دیتے ہو۔ پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنے آپ کو قتل کرتے ہو اور اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ان کے خلاف ایک دوسرے کی مدد گناہ اور زیادتی کے ساتھ کرتے ہو، اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو ان کا فدیہ دیتے ہو، حالانکہ اصل یہ ہے کہ ان کا نکالنا تم پر حرام ہے،

---

[1] [بخاری، کتاب المظالم، باب أعن أخاک ظالمًا أو مظلومًا: ۲۴۴۴۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب نصر الأخ ظالمًا أو مظلومًا: ۲۵۸۴]

پھر کیا تم کتاب کے بعض پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تو اس شخص کی جزا جو تم میں سے یہ کرے اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور اللہ ہرگز اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔"

امام ابن جریرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا کہ اس آدم کے بیٹے کی وجہ سے جس نے اپنے بھائی کو ناحق قتل کر دیا۔

امام ابن جریرؒ نے ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ میں سے کچھ لوگوں سے روایت کیا کہ لفظ آیت من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا یعنی ناحق قتل کرنے کا گناہ اتنا ہے گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔ پھر فرمایا لفظ آیت ومن احیاھا یعنی جس نے اس کو ہلاک ہونے سے بچایا لفظ آیت فکانما قتل الناس جمیعا بچنے والے کے نزدیک اس نے گویا سب انسانوں کو بچا لیا۔

امام ابن جریرؒ نے ابن ابی حاتمؒ سے اور ابن منذرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فکانما قتل الناس جمیعا جس نے ایک جان کو ہلاک کیا گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور فرمایا لفظ آیت ومن احیاھا (اور) جو اس کے قتل کرنے سے سلامت رہا۔ (گویا اس نے ہمارے لوگوں کو زندہ کر دیا)۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا اس کا زندہ کرنا یہ ہے کہ وہ کسی جان کا قتل نہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا جس نے کسی نبی کو یا عادل امام کو قتل کیا گویا اس نے سارے لوگوں کو قتل کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کا فتنے سے بچنا

امام ابن سعدؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا یوم الدار میں میں نے کہا میں آیا ہوں تا کہ میں آپ کی مدد کروں۔ انھوں نے فرمایا اے ابو ہریرہ! کیا تجھ کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ سارے لوگوں کو قتل کر دے۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا اگر تو نے ایک آدمی کو قتل کیا گویا تو نے سب لوگوں کو قتل کیا پس تو چلا جا۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فکانما قتل الناس جمیعا یعنی یہ (آیت) اس طرح ہے جو سورہ المائدہ میں ہے (اور وہ یہ ہے) لفظ آیت ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدالہ عذابا عظیما (النساء آیت ۹۳) پھر فرمایا اگر وہ سب لوگوں کو قتل کرتا تو اس طرح کے عذاب پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

امام عبد بن حمید اور ابن منذرؒ نے حسنؒ سے روایت کیا انھوں نے لفظ آیت من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا کے بارے میں فرمایا یعنی گناہ میں (یعنی اس میں اتنا گناہ ہے گویا اس نے سارے رنگوں کو قتل کیا) (پھر فرمایا) لفظ آیت ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا یعنی اجر میں (گویا اس کو سب لوگوں کے زندہ کرنے کا اجر ملے گا۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا تو انھوں نے لفظ آیت ومن احیاھا کے بارے میں فرمایا یعنی جس نے اس کو بچایا غرق سے یا جلنے سے یا گرنے سے یا ہلاک ہونے سے (گویا اس نے سارے انسانوں کو بچایا۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ومن احیاھا سے مراد ہے کہ جس شخص کا کوئی گہرا دوست قتل کر دیا گیا پھر اس (قاتل کو) معاف کر دیا۔ گویا اس نے سب لوگوں کو

زندہ کیا۔

امام ابن جریرؒ نے حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ ان سے اس آیات کے بارے میں پوچھا گیا کیا (یہ حکم) ہمارے لیے بھی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کے لیے تھا؟ انھوں نے فرمایا ہاں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے گویا مقتول کے پاس اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک شخص کو زندہ کیا اور اسے ہلاکت سے بچایا تو اس نے بچائے گئے شخص کے نزدیک تمام لوگوں کو زندہ کیا۔ [1]

مجاہدؒ نے کہا: اس کا معنی ہے جس نے مومن نفس کو جان بوجھ کر قتل کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا جہنم بنائی ہے اور اس پر غضب کیا ہے اور اس پر لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔

اگر وہ تمام لوگوں کو قتل کرتا تو اس پر زیادہ نہ کیا جاتا اور جس نے قتل نہیں کیا اس سے تمام لوگ زندہ ہوئے، ابن زیدؒ نے کہا اس کا معنی ہے جس نے کسی نفس کو قتل کیا اس پر وہی قصاص لازم ہوتا ہے جو تمام لوگوں کو قتل کرنے والے پر لازم ہوتا ہے فرمایا (آیت) "ومن احیاھا" جس نے اس کو معاف کر دیا جس کا قتل کرنا اس کے لیے واجب تھا، یہ حسنؒ کا بھی قول ہے، یعنی قدرت کے بعد معاف کر دینا ہے۔ [2]

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ

۱۔ (تفسیر طبری جلد ٦ صفحہ ٢٤٣)

۲۔ (المحرر الوجیز، جلد ٢، صفحہ ١٨٢ دار الکتب العلمیہ)

وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى الدُّنۡيَا وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۙ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۴﴾ ع

جولوگ اللہ سے اوراس کے رسول سے لڑتے ہیں اورزمین میں فساد کے لیے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے، یاان کوسولی پر چڑھایا جائے، یاان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہےاوران کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔(۳۳) مگر جولوگ تمہارے قابو پانے سے پہلے ہی توبہ کرلیں توسمجھ لو کہ اللہ مغفرت فرمانے والا اورمہربان ہے (۳۴)۔

شان نزول: (آیت) "انما جزآء الذین یحاربون اللہ"

ابن جریرؒ نے یزید بن ابی حبیبؒ سے روایت کیا ہے کہ عبدالملک بن مروانؒ نے حضرت انسؓ کے پاس اس آیت کریمہ (آیت) "انما جزآء الذین یحاربون اللہ"۔(الخ) کے بارے میں دریافت کرنے کے متعلق لکھا، انھوں نے جواب میں لکھا کہ یہ آیت اصحاب عرینہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وہ

مرتد ہو گئے تھے اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چرواہے کو قتل کر دیا تھا اور آپ کے اونٹوں کو ہانک لے گئے تھے پھر جریرؓ سے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے اور عبدالرزاقؒ نے ابو ہریرہؓ سے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ [1]

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا نظریہ

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا میں سزا پانے کے بعد بھی مجرموں کو آخرت میں عذاب عظیم ہوگا' البتہ! جو لوگ توبہ کر لیں گے' ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا۔ فقہاء احناف نے اسی آیت کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ حدود بغیر توبہ کے کفارہ نہیں ہوتیں اور حدیث میں جو ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں' وہ توبہ کے ساتھ مقید ہے' تاکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں موافقت رہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفیؒ متوفی ۳۷۰ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلقا حدود کفارہ نہیں ہوتیں' ہاں اگر مسلمان مجرم اجراء حد سے پہلے توبہ کر لے تو پھر حد اس کے لیے اخروی عذاب سے کفارہ ہو جاتی ہے اور اگر اس نے اجراء حد سے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ عذاب اخروی کا مستحق ہوگا۔ [2]

علامہ قرطبی مالکیؒ متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ [3]

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔ (احکام القرآن ج ۲' ص ۴۱۲' مطبوعہ لاہور)

۳۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۰۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعیؒ متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا' پھر اس پر حد لگا دی گئی تو وہ حد اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ [1]

امام شافعیؒ کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامتؓ بدری صحابی ہیں اور وہ شب عقبہ کے نقباء میں سے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گرد صحابہؓ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے (ان امور پر) بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے' اور نہ تم چوری کرو گے' اور نہ تم زنا کرو گے' اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو گے' اور نہ تم کسی بے قصور پر بہتان باندھو گے' اور نہ کسی نیکی میں نافرمانی کرو گے۔ سو تم میں سے جو شخص اس عہد کو پورا کرے گا' اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے' اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کر لیا' اور اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ سزا اس کا کفارہ ہے' اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کر لیا' پھر اللہ نے اس کا پردہ رکھا تو وہ اللہ کی طرف مفوض ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو معاف کر دے' اور اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔ سو ہم نے (ان امور پر) آپ سے بیعت کر لی۔ [2]

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں

١۔ (شرح مسلم' ج ٢' ص ٧٣' مطبوعہ کراچی)

٢۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ٦٧٨٤' ١٨' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ١٧٠٩' ٤٣٨١' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ١٤٤٤' سنن نسائی' رقم الحدیث: ٤١٧٢' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٢٦٠٣' مسند احمد' ج ٨' رقم الحدیث: ٢٢٧٩٥' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ٣٨٧' سنن دارمی ج ٢' رقم الحدیث: ٢٣٣١)

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حد قائم کرنا مجرم کے گناہ کا کفارہ ہے۔ خواہ اس نے توبہ نہ کی ہو۔ [1]

علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الترشی الکازرونی الشافی ؒ المتوفی ۸۶۰ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام نووی ؒ نے اپنے فتاوی اور شرح صحیح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ جب کوئی شخص قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے آخری عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ تو اس شخص کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کس طرح ہوگا؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ ڈاکو جب قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے قتل کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت کو ڈرانے' دھمکانے کا گناہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کی جماعت کو ضرر پہنچتا ہے' سو اس کو ڈرانے کی وجہ سے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا' اور یہ سزا ہر ڈاکو کے لیے عام ہے۔ لیکن یہ امر حدیث صحیح کے خلاف ہے' جس میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اس کو اس جرم کی سزا دے دی گئی' تو اس کے لیے آخرت میں یہ سزا کفارہ ہو جائے گی' کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو نے فقط ڈرایا' دھمکایا اور اس کو سزا کے طور پر جلاوطن کر دیا گیا' تو اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا' لیکن آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو آخرت میں عذاب ہوگا' اور اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سزا ملنے سے وہ عذاب ساقط ہو جائے گا جس کا تعلق اللہ کے حق سے ہے' اور بندہ کا حق باقی رہے گا اور اس کی آخرت میں سزا ہوگی' کیونکہ جس ڈاکو نے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا' اس نے اللہ کی حکم عدولی بھی کی اور بندوں کو بھی نقصان پہنچایا' اور حد جاری کرنے سے اللہ کے حق ضائع کرنے کی تلافی ہوگی' بندوں کے حق کی تلافی نہیں ہوگی۔ سو اس بنا پر آخرت میں عذاب ہوگا۔ [2]

۱۔ (فتح الباری' ج ۱ ص ۶۸' مطبوعہ لاہور)

۲۔ (حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' ج ۲ ص ۳۲۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلیؒ متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مسلمان ڈاکوؤں کی سزا میں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ کی حدود ساقط ہوجاتی ہیں مثلاً قتل کرنا' سولی دینا' ہاتھ پیر کاٹنا اور شہر بدر کرنا۔ توبہ کے بعد یہ حدود نافذ نہیں ہوں گی' لیکن انسان کے حقوق توبہ سے ساقط نہیں ہوں گے مثلاً مال لوٹا ہے تو واپس لیا جائے گا اور کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کو بھی زخمی کیا جائے گا اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ [1]

علامہ ماوردی شافعیؒ متوفی ۴۵۰ھ نے بھی شافعی کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔ [2]

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلیؒ متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر ڈاکوؤں نے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلی تو ان سے اللہ کی حدود ساقط ہوجائیں گی لیکن اگر انھوں نے کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے یا مال لوٹا ہے تو ان سے بدلہ لیا جائے گا' ماسوا اس کے کہ صاحب حق اس کو معاف کردے۔

اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام مالکؒ' امام شافعیؒ' اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور ابو ثور کا بھی یہی مذہب ہے' اس وجہ سے ڈاکوؤں سے حتمی قتل' ہاتھ پیر کاٹنے اور شہر بدر کرنے کی حد ساقط ہوجائے گی' اور ان پر قتل کرنے' زخمی کرنے اور مال لوٹنے کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر انھوں نے پکڑے جانے کے بعد توبہ کی ہے تو ان سے کوئی حد ساقط نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ماسوا ان لوگوں

۱۔ (زاد المیسر ج ۲ ص ۳۴۷' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

۲۔ (النکت والعیون ج ۲' ص ۳۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کے جنہوں نے تمہارے ان کو پکڑنے سے پہلے توبہ کر لی۔ (المائدہ: ۳٤) سو پکڑے جانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے حد واجب کر دی۔ [۱]

اس آیت میں اللہ اور رسول سے جنگ سے مراد عموماً حرابہ یا محاربہ یعنی ڈکیتی، لوٹ مار یا راہزنی سمجھا جاتا ہے۔ پھر اس آیت میں چار قسم کی سزاؤں کو جرائم کی نوعیت کے لحاظ سے اس طرح متعلق کیا جاتا ہے کہ اگر مجرم نے قتل تو کر دیا ہو مگر مال لوٹنے کا موقع نہ ملا ہو تو اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر قتل بھی کر دیا ہو اور مال بھی لوٹ لیا ہو تو اسے سولی پر لٹکایا جائے گا اور اگر صرف مال ہی چھینا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت میں کاٹے جائیں گے اور اگر ابھی قتل بھی نہ کیا ہو اور مال بھی نہ چھینا ہو، پہلے ہی گرفتار ہو جائے تو اسے جلاوطن کیا جائے گا۔ نیز قاضی جرم کی نوعیت کے لحاظ سے ان سزاؤں میں سے کسی دو کو اکٹھا بھی کر سکتا ہے اور کسی ایک میں کمی بیشی بھی کر سکتا ہے۔ مگر اس آیت کے الفاظ میں عموم ہے، چنانچہ محدثین اسی آیت کے تحت عکل اور عرینہ کے واقعہ کو درج کرتے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا : سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ خاندان عکل کے آٹھ اشخاص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور انھوں نے آپ کے دست مبارک پر قبول اسلام کی بیعت کر لی، بعد ازاں انھیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو وہ بیمار پڑ گئے۔ تب انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں اس امر کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: "تم لوگ ہمارے چرواہے کے ساتھ اونٹوں کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے، تاکہ ان کا پیشاب اور دودھ استعمال کرو؟" انھوں نے کہا، ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ وہ

۱۔ (المغنی ج ۹ ص ۱۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۰۵ھ)

مدینہ سے باہر چلے گئے۔ وہاں انھوں نے اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا تو وہ تندرست ہو گئے، پھر انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ بھگا کر لے گئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے تعاقب میں صحابہؓ کو بھیجا۔ جو انھیں پکڑ کر مدینہ واپس لے آئے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری جائیں اور انھیں دھوپ میں پھینک دیا جائے، تو ایسا ہی ہوا، یہاں تک کہ یہ سب مر گئے۔ [1]

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ: یعنی انھیں قتل کرنا، تختہ دار پر لٹکانا، ہاتھ پاؤں کا مخالف سمت سے کاٹنا اور جلا وطن کرنا، اس دنیا میں لوگوں کے سامنے انھیں ذلت و رسوائی سے دوچار کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان مجرموں کے لیے قیامت کے دن جو عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس کے علاوہ ہے، سیدنا عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسی طرح بیعت لی جس طرح خواتین سے بیعت لی تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، چوری نہ کریں، بدکاری نہ کریں، اپنے بچوں کو قتل نہ کریں اور ایک دوسرے پر بہتان نہ لگائیں، پھر فرمایا: "پھر جو اس وعدے کو نبھائے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، اگر کسی نے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگی اور جس کی اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اگر وہ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو

۱۔ [بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب إذا حرق المشرک المسلم هل یحرق؟: ۳۰۱۸۔ مسلم، کتاب القسامة والمحاربین، باب حکم المحاربین والمرتدین: ۱۶۷۱]

اسے معاف کردے۔"[1]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" لوگوں نے عرض کی کہ ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس روپیا پیسا اور اسباب نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا: "مفلس میری امت میں قیامت کے دن وہ ہوگا جو نماز، روزہ اور زکوۃ کے ساتھ آئے گا، لیکن اس نے دنیا میں ایک کو گالی دی ہوگی، دوسرے پر بدکاری کی تہمت لگائی ہوگی، تیسرے کا مال کھالیا ہوگا، چوتھے کا خون کیا ہوگا، پانچویں کو مارا ہوگا، پھر ان لوگوں کو (یعنی جن کو اس نے دنیا میں ستایا) اس کی نیکیاں مل جائیں گی اور جو اس کی نیکیاں اس کے گناہ ادا ہونے سے پہلے ختم ہوجائیں گی تو ان لوگوں کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی، آخر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"[2]

سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص دنیا میں کوئی گناہ کرے اور اسے اس کی سزا مل جائے تو اللہ تعالیٰ بہت بڑا عادل ہے، وہ اپنے بندے کو اس کی دوبارہ سزا نہیں دے گا اور جو شخص دنیا میں کوئی گناہ کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمالے اور اسے معاف فرمادے تو وہ ذات اس بات سے بہت بالا ہے کہ جس خطا کو اس نے معاف فرمادیا ہو پھر اس کی اسے سزا دے۔"[3]

مطلب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کرلیں اور اپنے آپ کو حکام کے حوالے کردیں تو ان کی مذکورہ سزائیں معاف ہوجائیں گی، البتہ چونکہ بندوں کے حقوق صرف توبہ سے معاف نہیں

۱۔[مسلم، کتاب الحدود، باب الحدود کفارات لأھلھا: ۱۷۰۹]

۲۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۸۱]

۳۔[مسند أحمد: ۱/۱۵۹، ح: ۱۳۶۹۔ ترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجاء لا یزنی الزانی وھو مومن: ۲۶۲۶]

ہوتے اس لیے اگر انھوں نے مال لوٹا ہے تو وہ مالک کو لوٹانا ہوگا، اور اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اس کے وارثوں کو حق ملے گا کہ وہ ان کو قصاص کے طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کریں، ہاں اگر وہ بھی معاف کردیں یا قصاص کے بدلے خون بہا لینے پر راضی ہوجائیں تو ان کی جان بخشی ہوسکتی ہے۔

گرفتاری سے قبل توبہ

ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمیدؒ نے اشعثؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے ایک آدمی سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر کہا یہ جگہ ہے پناہ چاہنے والے اور توبہ کرنے والے کی میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے تھا۔ جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کی۔ اب میں گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرنے والا بن کر آیا ہوں۔ ابوموسیٰ نے فرمایا کہ فلاں بیٹا فلاں کا۔ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کی اور اب توبہ کرنے والا بن کر آیا ہے گرفتار ہونے سے پہلے۔ پس کوئی آدمی اس کے ساتھ اچھا رویہ رکھے اگر وہ (اپنی بات میں) سچا ہے تو میرا راستہ بھی یہی ہے۔ (یعنی میرا طرز عمل) اگر جھوٹا ہے تو شاید اللہ تعالیٰ اس گناہ کے بدلہ اس کو پکڑ لے۔

عبد بن حمیدؒ نے عطاءؒ سے روایت کی ہے کہ ان سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے چوری کی تھی۔ جو توبہ کرنے والا بن کر آیا مگر گرفتار ہونے سے پہلے کہ اس پر حد ہے؟ فرمایا نہیں پھر یہ آیت تلاوت کی لفظ آیت الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم۔

امام ابوداؤدؒ نے ناسخ میں سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت انما جزؤا الذین یحاربون اللہ ورسولہ کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ جب کوئی آدمی قتل کرے تو اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔

اور جب وہ مال چھینے اور قتل نہ کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ مال کے بدلے۔ اور اس کا پاؤں کاٹا جائے گا ڈاکہ ڈالنے کی وجہ سے، اور جب اس نے قتل کیا اور مال بھی لے لیا تو اس کا ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے اور سولی پر بھی لٹکایا جائے گا۔ (پھر فرمایا) لفظ آیت الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم یعنی اگر وہ توبہ کرنے والا بن کر آئے امام کے پاس گرفتار ہونے سے پہلے امام اس کو امان دے دے تو اسے امان حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر کسی انسان نے اس کو قتل کر دیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ امام اس کو امان دے چکا ہے تو قاتل اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اور اگر اس کو قتل کیا اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کو امام نے امان دی ہے تو اس پر یہ دیت ہوگی۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ ﴾

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

ربط آیت: اس سے پہلے متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی اور عناد اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر ان کی جسارت اور دیدہ دلیری کو بیان فرمایا تھا' اور اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے ان کے بعد اور دوری کا ذکر فرمایا تھا۔ اللہ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ اس کے خوف سے گناہوں کا ترک کرنا اور عبادات کا بجالانا ہے' یہود نے اس وسیلہ کو حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا طریقہ یہود کے برعکس ہونا چاہیے' تم اللہ کے خوف سے گناہوں کو ترک کر کے اور اس کی اطاعت اور عبادات کر

کے اس کے قرب کا وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ بہ معنی ذریعہ تقرب

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانیؒ متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

کسی چیز کی طرف رغبت سے پہنچنا وسیلہ ہے اور اللہ کی طرف وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ علم اور عبادت کے ساتھ اس کے راستہ کی رعایت کرنا' اور شریعت پر عمل کرنا اور اللہ کا وسیلہ اللہ کا قرب ہے۔ [۱]

علامہ ابن محمد بن مکرم بن منظور افریقیؒ متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام لغت علامہ جوہریؒ نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے' وہ وسیلہ ہے۔ [۲]

انبیاء (علیہم السلام) اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کا جواز:

امام محمد بن جزریؒ متوفی ۸۳۳ھ آداب دعا میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء (علیہم السلام) اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔ [۳]

انبیاء (علیہم السلام) کے وسیلہ سے دعا کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یہ عرض کرتے' اے اللہ ہم اپنے نبی کریم (صلی

۱۔ (المفردات ص ۵۲۴۔۵۲۳ "مطبوعہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

۲۔ (صحاح جوہری' ج ۵ ص ۱۸۴۱' لسان العرب' ج ۱۱ ص ۷۲۵۔۷۲۴' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۵ھ)

۳۔ (حصن حصین معہ تحفۃ الذاکرین' ص ۳۴' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے تو تو ہم پر بارش برساتا تھا (اب) ہم اپنے نبی کے عم (محترم) کو تیری طرف وسیلہ پیش کرتے ہیں' تو تو ہم پر بارش نازل فرما۔ حضرت انس ؓ نے کہا پھر لوگوں پر بارش ہوتی۔ [1]

امام احمد بن حنبل ؒ متوفی ۲۴۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن حنیف ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا' اس نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا' آپ دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ٹھیک کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں اور اگر تم چاہو تو میں اس کو مؤخر کر دوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اس نے کہا آپ دعا کر دیجئے' آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اچھی طرح سے وضو کرے' پھر دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے' "اے اللہ! میں تیرے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں' اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' تاکہ میری حاجت پوری ہو' اے اللہ میرے متعلق آپ کی شفاعت قبول فرما۔ [2]

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۱ رقم الحدیث: ۱۰۱۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ' المعجم الکبیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۴' کتاب الدعاء للطبرانی' رقم الحدیث: ۹۶۵' شرح السنہ للبغوی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۶۰)

۲۔ (امام ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ ابو اسحاق نے کہا' یہ حدیث صحیح ہے) (مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۷۱۷۵' ۱۷۱۷۴' طبع قاہرہ' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۸۹' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۸۵' سنن کبری للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۰۴۹۶' عمل الیوم واللیلہ للنسائی' رقم الحدیث: ۶۶۴' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ۶۳۳' المستدرک ج ۱' ص ۵۱۹' دلائل النبوۃ' ج ۶' ص ۱۶۷' امام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کر کے لکھا ہے' یہ حدیث صحیح ہے۔ حافظ منذری نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ الترغیب والترہیب' ج ۱' ص ۴۷۶۔ ۴۷۴' حافظ الہیثمی نے بھی لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ مجمع الزوائد' ج ۲ ص ۲۷۶' مختصر تاریخ دمشق' ج ۳ ص ۳۰۴)

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم موذن (کی اذان) کو سنو تو اس کے کلمات کی مثل کہو' پھر مجھ پر درود پڑھو' کیونکہ جس شخص نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا' اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو' کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک ایسا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو حاصل ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سو جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا' اس کے حق میری شفاعت جائز ہو جائے گی۔ [1]

میں (محمد طاہر) کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور زندہ نیک صالح اشخاص کا وسیلہ، اللہ کے ناموں کا وسیلہ، نیک اعمال کا وسیلہ ثابت ہے۔ باقی اگر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ ﴾

۱۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: '(۳۸۴) ۸۲۶' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: '۵۲۳' سنن ترمذی' رقم الحدیث: '۳۶۳۴' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: '۶۱۴' سنن نسائی' رقم الحدیث: '۶۷۷' عمل الیوم واللیلہ للنسائی' رقم الحدیث: '۴۵' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: '۹۴' مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ۶' سنن کبری للبیہقی' ج ۱' ص ۴۱۰۔۴۰۹' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: '۱۶۸۸')

بیشک جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا (اور دنیا کے حصول کو اپنا مقصد بنایا) اگر انھیں وہ سب کچھ مل جائے جو کچھ زمین میں ہے اور اتنا ہی اور مل جائے اور پھر وہ قیامت کے دن یہ سب کچھ فدیہ میں دے کر اللہ کے عذاب سے چھوٹنا چاہیں تو یہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اللہ عزوجل نے یہ بتایا ہے کہ جن یہودیوں نے اللہ کی ربوبیت کا انکار کیا بچھڑے کی عبادت کی' اور جن مشرکوں نے بتوں' انسانوں یا عناصر کی عبادت کی اور توبہ کرنے سے پہلے مر گئے تو وہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اگر تمام روئے زمین کے برابر فدیہ بھی دے دیں' تب بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو دائما درد دینے والے عذاب میں مبتلا کرے گا'۔ اس آیت میں ان یہودیوں کا رد فرمایا ہے' جنہوں نے کہا تھا' ہم کو صرف چند دن عذاب ہوگا اور اسی طرح بت پرست کافروں کو عذاب کی وعید سنائی ہے' کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم اپنے آباء واجداد کے وسیلہ سے دوزخ کے دائمی درد دینے والے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا قیامت کے دن کافر سے کہا جائے گا' یہ بتا اگر تیرے پاس روئے زمین جتنا سونا ہو تو کیا تو اس کو فدیہ میں دے دے گا؟ وہ کہے گا ہاں پھر اس سے کہا جائے گا (دنیا میں) تجھ سے اس کی بہ نسبت بہت آسان سوال کیا گیا تھا۔ [1]

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۵۳۸' صحیح مسلم' منافقین' ۵۴' (۲۸۰۵)، ۶۹۵۰)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں

ابی عمرانؒ کی روایت میں ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس وقت تو آدم کی پشت میں تھا' میں نے تجھ سے اس کی بہ نسبت آسان چیز کا سوال کیا تھا' یہ کہ تو میرے ساتھ شرک نہ کرنا' مگر تو شرک کے بغیر نہیں مانا' اور ثابت کی روایت میں ہے' ہم نے تجھ سے اس کی بہ نسبت کم چیز کا سوال کیا تھا' پس تو نے نہیں کیا' پھر اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔ قاضی عیاضؒ نے کہا اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: (آیت) "واذ اخذ ربک من بنی ادم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلی شھدنا ان تقولوا یوم القیمۃ انا کنا عن ھذا غفلین"۔ (الاعراف:۱۷۲)

ترجمہ: اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے اوپر انھیں گواہ بنایا' کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی' تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

یہ وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کی پشت میں ان کی اولاد سے لیا تھا۔ جس نے بعد میں آکر دنیا میں اس عہد کو پورا کیا' وہ مومن ہے اور جس نے اس عہد کو پورا نہیں کیا' وہ کافر ہے۔ سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم سے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں جب تم کو دنیا میں نکالوں گا تو تم اس عہد کو پورا کرنا' لیکن تم نے اس کا انکار کر کے شرک کیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ارادہ سے مراد طلب ہو۔ یعنی میں نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا تھا اور تم ایمان نہیں لائے' کیونکہ اس کائنات میں وہی ہوتا ہے جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ معتزلہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا حکم دے جس کا وہ ارادہ نہ کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محال نہیں ہے علامہ مازریؒ

نے کہا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور کافر کے کفر کا' اور اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان کا ارادہ کرتا تو وہ ایمان لے آتا' یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان کو مقدر کرتا تو وہ ایمان لے آتا' اس کے برخلاف معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے ایمان کا ارادہ کیا۔ مومن نے اس پر لبیک کہا' اور کافر نے انکار کیا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کفر شر اور برائی ہے اور کفر کا ارادہ بھی شر اور برائی ہے اور اللہ تعالیٰ شر اور برائی سے منزہ ہے۔ اس لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ کسی کے کفر کا ارادہ کرے۔ اہل سنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مخلوق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر ہے۔ خالق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے' وہ جس طرح چاہتا ہے' اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے' مخلوق کے لیے شر کا ارادہ کرنا اس لیے شر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس سے منع کیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے جو اس کو امر کرے۔ اس لیے مخلوق کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز مخلوق جب کسی چیز کا ارادہ کرے اور وہ نہ ہو تو یہ مخلوق کے ضعف اور اس کے عجز کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضعف اور عجز سے پاک ہے اس لیے یہ نہیں ہوسکتا' کہ اللہ کافر کے ایمان کا ارادہ کرے اور وہ ایمان نہ لائے

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "ولا یرضی لعبادہ الکفر"۔ (الزمر:۷)

ترجمہ: اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پر راضی نہیں ہوتا۔

تو جب اللہ کفر سے راضی نہیں ہے تو وہ کافر کے کفر کا ارادہ کیسے کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ رضا کا معنی ہے ثواب دینا' یعنی وہ کفر پر ثواب نہیں دیتا۔ دوسرا جواب یہ

ہے کہ ارادہ عام ہے اور رضا خاص ہے' رضا کا معنی ہے خیر کا ارادہ کرنا' جس طرح ناراضگی اور غضب کا معنی ہے شر کا ارادہ کرنا۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے اہل سنت و جماعت کا جو مذہب نقل کیا ہے' اس کے دلائل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی ؒ المتوفی ۳۵٤ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن قتادہ السلمی ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا' پھر ان کی پشت سے ایک مخلوق کو نکالا پھر فرمایا یہ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں اور یہ دوزخ میں ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پھر ہم کس پر عمل کریں؟ آپ نے فرمایا تقدیر پر۔ [2]

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا (الاعراف: ۱۷۲) تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بیشک اللہ نے آدم کو پیدا کیا' پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور اس سے اولاد کو نکالا۔ پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں کے عمل کریں گے' پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے اولاد کو نکالا' پھر فرمایا: میں نے ان

۱۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۰٤' ۳۰۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱٤۰۱ھ)

۲۔ (صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۸' المستدرک ج ۱ ص ۳۱' مسند احمد' ج ٤' ص ۱۸٦' طبع قدیم' علامہ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۱۸٦)

لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! پھر عمل کس لیے کریں؟ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں کے عمل کراتا ہے' حتیٰ کہ وہ اہل جنت کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے' اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے عمل کراتا ہے' حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ [1]

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ متوفی ۲۷۳ ھ روایت کرتے ہیں:

ابن دیلمیؒ بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شک پیدا ہوا اور مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں اس سے میرا دین فاسد نہ ہو جائے اور ایمان نہ جاتا رہے۔ پس میں حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس گیا' اور میں نے عرض کیا اے ابوالمنذر! اس تقدیر کے متعلق میرے دل میں ایک شک پیدا ہوا ہے' اور مجھے خدشہ ہوا ہے کہ اس سے میرا دین اور ایمان فاسد نہ ہو جائے۔ آپ میری تسلی کے لیے کوئی حدیث بیان کیجئے۔ شاید اللہ اس سے مجھے نفع پہنچائے۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا' اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔ (کیونکہ وہ ان سب کا مالک ہے اور سب اس کی مملوک ہیں) اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے' اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ

۱۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۸۶' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۷۰۳' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۹۰' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۱۳۶۱' مسند احمد ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱۱' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۱۶۶' المستدرک ج ۱ ص ۲۷' ج ۲' ص ۳۲۴' ج ۲' ص ۵۴۴' امام ذہبی نے تینوں حدیثوں میں حاکم کی موافقت کی ہے)

میں خرچ کرو تو وہ تم سے اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ۔ پس تم یہ یقین رکھو کہ تم کو جو مصیبت پہنچی ہے' وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے' وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی' اور اگر تم اس کے علاوہ کسی دوسرے عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گئے اور تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے' تم جا کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھ لو' میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سوال کیا؟ تو انھوں نے حضرت ابی بن کعب کی طرح جواب دیا اور فرمایا: تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے' تم جا کر حضرت حذیفہؓ سے سوال کرو۔ میں نے حضرت حذیفہؓ سے سوال کیا'؟ تو انھوں نے بھی ان دونوں کی طرح جواب دیا اور کہا اب تم جا کر حضرت زید بن ثابتؓ سے سوال کرو میں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے سوال کیا؟ تو انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور تمام زمینوں والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا' اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے' اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو وہ اس وقت تم سے ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی اور اگر تم اس کے سوکسی اور عقیدہ پر مر گئے تو تم دوزخ میں داخل ہو گئے۔ [1]

﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ ﴾

۱۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۷۱' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۹۹' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۱۶۶۷' طبع دار الفکر' بیروت' علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام رجال کی توثیق کی گئی ہے۔)

یہ ایسا دردناک عذاب ہوگا کہ یہ لوگ کوشش کریں گے کہ اس سے نکل جائیں لیکن کبھی اس سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو پائیں گے اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہوگا۔

یہ آیت کفار کے حق میں ہے۔ رہے گناہ گار مسلمان تو صحیح احادیث میں ہے کہ ان کو گناہوں کی سزا بھگت لینے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا، جبکہ کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا)[الحج:۲۲] "جب کبھی ارادہ کریں گے کہ سخت گھٹن کی وجہ سے اس سے نکلیں، اس میں لوٹا دیے جائیں گے۔"

یزید الفقیرؒ نے کہا: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے کہا گیا: اے اصحاب محمد! تم کہتے ہو کہ ایک قوم آگ سے نکلے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (آیت) "وما ھم بخرجین منھا"۔ جابرؓ نے کہا: تم عام کو خاص بناتے ہو اور خاص کو عام بناتے ہو، یہ کفار میں خاص ہے میں نے یہ آیت اول سے آخر تک پڑھی یہ کفار میں خاص ہے (آیت) "مقیم" اس کا معنی دائم ثابت ہے جو نہ زائل ہوگا نہ پھرے گا۔

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جہنمیوں میں سے سب سے کم عذاب والے شخص کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ کیا خیال ہے اگر تیرے پاس ساری زمین کے بھراؤ کے برابر سونا ہو تو کیا تو اسے بطور فدیہ دینے کے لیے تیار ہے؟ وہ جواب دے گا، ہاں یا رب! میں تیار ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ میں نے تو تجھ سے اس کی نسبت بہت کم اور کہیں زیادہ آسان چیز کا سوال کیا تھا، جب تو ابھی صلب آدم میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، تو میں تجھے آگ میں داخل نہیں کروں گا، لیکن تو نے انکار کیا اور شرک ہی کیا۔

"۔۔[1]

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ ﴾

اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت' پس ان کے ہاتھ کاٹ دو' یہ ان کے کرتوت کی جزا اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔(۳۸)" پھر جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو یقیناً اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ بیشک اللہ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔" (۳۹)۔

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتلایا تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں اور اس آیت میں چور کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور حدیث میں ہے کہ دوسری چوری پر اس کا پیر کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا جب کسی شخص نے چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر

۱۔[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب طلب الکافر الفداء بملء الأرض ذھبا: ۲۸۰۵]

دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کی اہمیت بیان کی تھی کہ ایک انسان کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک گویا تمام انسانوں کو قتل کرنا ہے پھر فرمایا کہ اگر یہی انسان ڈاکہ ڈالے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

سرقہ کا لغوی معنی

علامہ جمال الدین ابن منظور افریقیؒ متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

اہل عرب چور اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور مال غیر لے کر چلا جائے۔ مگر وہ چھپ کر لینے کے بجائے کھلم کھلا لے تو وہ اچکا اور لٹیرا (مختلس اور منتھب) ہے اور اگر زبردستی چھینے تو غاصب ہے۔[1]

شان نزول: (آیت) "والسارق والسارقۃ"

امام احمدؒ وغیرہ نے عبدال بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد مبارک میں ایک عورت نے چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری توبہ کی گنجائش ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی پھر جو شخص توبہ کرے اپنی زیادتی کے بعد" (الخ)۔

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدیؒ متوفی ۴۶۸ ھ لکھتے ہیں:

۱۔ (لسان العرب، ج ۱۰ ص ۱۵۶، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ، قم، ایران، ۱۴۰۵)

یہ آیت طعمہ بن ابیرق ؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے زرہ کی چوری کی تھی۔ [1]

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی ؒ متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں بھی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا' زمانہ جاہلیت میں جس کا سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا' وہ ولید بن مغیرہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اسلام میں جس چور کا سب سے پہلے مردوں میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہاتھ کاٹا' وہ خیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھے' اور عورتوں میں جس چور کے سب سے پہلے ہاتھ کاٹے گئے' وہ مرہ بنت سفیان بن عبدالاسد تھیں۔ ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابوبکر ؓ نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے ہار چرایا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے عبدالرحمن بن سمرہ کے بھائی کا ہاتھ کاٹا تھا' ان واقعات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ [2]

چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص اچک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کرے' تو اس پر حد مقرر نہیں (ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کیے جا سکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے' لہٰذا اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے' اس لیے اس

۱۔ (اسباب النزول' ص ۱۹۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

۲۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ۳ ص ۱۱۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱٤۱٥ھ)

کی سزا سخت رکھی' تا کہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔

دوسری بحث یہ ہے کہ زنا کی سزا میں جرم تو صرف ایک جز نے کیا ہے' اور کوڑوں یا رجم کی شکل میں سزا پورے جسم کو ملتی ہے' اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کرنے سے پورا جسم لذت حاصل کرتا ہے اس لیے پورے جسم کو سزا دی جاتی ہے۔

حجیت حدیث پر دلیل:

اس آیت میں کئی وجوہ سے اجمال ہے۔ اول: یہ کہ مطلقا چوری کرنے پر حد واجب نہیں ہوتی۔ مثلا ایک پیسہ یا روپیہ چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' بلکہ ایک معین مقدار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس آیت میں اس مقدار کا بیان نہیں ہے۔ ثانیا: اس آیت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور ہاتھ کا اطلاق انگلیوں پر' ہتھیلی پر' پہنچے تک' کلائی کے وسط تک' کہنی تک اور بازو تک' پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ثالثا: اس آیت میں یہ بیان نہیں ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا حکم امت کے عام افراد کو دیا گیا ہے' یا یہ حکم صرف مسلمان حاکم کے لیے ہے۔ ان تمام امور کا بیان نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت اور احادیث میں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ احادیث کے بغیر قرآن مجید کے معنی کو سمجھنا اور اس کے حکم پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

حد سرقہ کے نصاب میں امام شافعیؒ کا نظریہ

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعیؒ متوفی ۲۰۴ ھ لکھتے ہیں:

جب چور کسی چیز کو چرائے تو اس چیز کی قیمت کا اس دن سے لحاظ کیا جائے گا' جس دن اس نے چوری کی

تھی۔ اگر اس کی قیمت چوتھائی دینار کو پہنچ گئی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' ورنہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ [1]

امام شافعیؒ کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ [2]

واضح رہے کہ چوتھائی دینار تین درہم کے مساوی ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفیؒ ۲۴۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹو اور اس سے کم میں نہ کاٹو' اور ان دنوں میں چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور دینار بارہ درہم کا تھا اور اگر چوری چوتھائی درہم سے کم ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا نہ کہتی۔ [3]

حد سرقہ کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ

۱۔ (الام' ج ۶' ص ۱۴۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۲۰۴ھ)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۷۸۹' صحیح مسلم' حدود ۱' (۱۶۸۴) ۴۳۱۹) سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۳۸۳' سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۹۴۹' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۳۱۳۴' سنن کبری للبیہقی' ج ۸' ص ۲۵۴' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۵۷۵' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۹' ص ۴۷۰' صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۴۶۲' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ۲۷۹' مسند الشافعی' ج ۲' رقم الحدیث: ۸۳' شرح السنہ للبغوی' رقم الحدیث: ۲۵۹۵)

۳۔ (علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' (مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۴۳۹۶۔ ۲۳۹۶۰' طبع قاہرہ)

امام سحنون بن سعید التنوخی مالکیؒ متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

میں نے امام مالکؒ سے پوچھا یہ بتایئے کہ اگر کوئی شخص آج تین درہم کی چوری کرے اور وہ چوتھائی دینار کے برابر آج نہ ہوں کیونکہ دینار کی قیمت بڑھ گئی ہو تو کیا آپ کے قول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' جبکہ اس نے اس دن تین درہم کی مالیت کی چوری کی ہو۔ کیونکہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا اور حضرت عثمانؓ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا۔ [1]

امام مالکؒ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک بن انس اصبحیؒ متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ [2]

حد سرقہ کے نصاب میں امام احمد بن حنبلؒ کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلیؒ متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

تمام فقہاء کے نزدیک نصاب سے کم چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ حسن بصریؒ' داؤد ظاہریؒ

۱۔ (المدونۃ الکبریٰ' ج ۶' ص ۲۶۵' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ' مصر ۱۳۲۳ھ)

۲۔ (الموطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۵۷۲' مسند الشافعی' ج ۶' رقم الحدیث: ۸۳' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۷۶۹۵' صحیح مسلم' حدود' ۶' (۶۸۶) ۴۳۲۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۳۸۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۴۵۱' سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۹۲۱' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۵۳۱۰' صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۴۶۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۳' ص ۱۹۰' سنن دارقطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۸۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸ ص ۲۵۶' شرح السنہ للبغوی' رقم الحدیث: ۲۵۹۶)

امام شافعیؒ کے نواسے اور خوارج کا قول یہ ہے کہ قلیل چیز کی چوری ہو یا کثیر کی، چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں مطلقا ارشاد ہے (آیت) "السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما"۔ (المائدہ: ۳۸) چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو اور حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے، وہ رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ [۱]

نیز قلیل چیز کی چوری کرنے والا بھی حرز (جس جگہ کی حفاظت ہو) سے چیز چراتا ہے، تو کثیر چیز کی چوری کی طرح اس پر بھی اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا صرف تین چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ [۲]

اور اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے اور اجماع کی وجہ سے آیت کے عموم میں تخصیص کی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس رسی پر ہاتھ کاٹا جائے جس کی مالیت ربع دینار ہو (جیسے جہازوں کی رسی) اور بیضہ سے مراد مرغی کا انڈا نہ ہو، بلکہ لوہے کا بیضہ یعنی "خود" مراد ہو۔

امام احمدؒ سے نصاب سرقہ میں مختلف روایات ہیں۔ ابو اسحاق جوزجانیؒ سے ربع طلائی دینار یا تین چاندی کے درہموں کی، روایت ہے، یا جو ان کی مالیت ہو۔ امام مالک اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے اور اثرم سے یہ روایت ہے کہ اگر سونے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کی ہے تو چوتھائی دینار یا تین درہم کی مالیت نصاب ہے، اور ان میں سے کم تر مالیت کو نصاب مانا جائے گا۔ لیث اور ثوریؒ سے بھی یہی

۱۔ (صحیح بخاری، وصحیح مسلم)
۲۔ (صحیح بخاری، وصحیح مسلم)

مروی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا' حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ' اوزاعیؒ' امام شافعی اور ابن منذرؒ کا بھی یہی قول ہے اور عثمان بتی نے کہا کہ ایک درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ سے روایت ہے' کہ چار درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا' اور حضرت عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ صرف پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ سلیمان بن یسارؒ' ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ جوزجانیؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس ڈھال کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ عطاءؒ' امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ کا یہ قول ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' کیونکہ حجاج بن ارطاۃؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا دس درہم سے کم میں قطع ید نہیں ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک ڈھال کے عوض ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا' اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی اور نخعیؒ سے روایت ہے کہ چالیس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ [1]

علامہ ابن عبدالبرؒ نے کہا یہ حدیث اس باب میں صحیح ترین حدیث ہے اور اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف

۱۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کی جو پہلی حدیث (جس میں ایک دینار یا دس درہم کی ڈھال پر قطع ید کا ذکر ہے) اس پر دلالت نہیں کرتی کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹنا جائز نہیں۔ کیونکہ جو تین درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹتے ہیں، وہ دس درہم کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹتے ہیں۔ [1]

حد سرقہ کے نصاب میں امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ

علامہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسیؒ متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ڈھال کی قیمت کے ماسوا میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے، اور ان دونوں اس کی قیمت دس درہم کے برابر تھی، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے سرقہ میں نصاب معتبر ہے۔

پھر نصاب کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا یہ نصاب دس درہم یا ایک دینار ہے۔ امام شافعی نے کہا چوتھائی دینار ہے۔ امام مالک نے کہا: تین درہم ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے کہا چالیس درہم ہے۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ از زھریؒ از عروہؒ از حضرت عائشہؓ روایت ہے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا چوتھائی درہم یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس لیے کہ ان کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں صرف ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا، اور ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہے اور اختلاف کے وقت اس کی کم سے کم قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور کم سے کم قیمت جو منقول ہے، وہ تین درہم ہے۔ اس لیے امام مالکؒ نے سرقہ کا نصاب تین درہم قرار دیا ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔ (المغنی ج ۹، ص ۹۵۔۹۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)

وسلم) کے عہد میں دینار کی قیمت بارہ درہم تھی' تو تین درہم چوتھائی دینار ہو گئے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفا اور مرفوعا مروی ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے اور حدیث مشہور میں ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور ایمن بن ابی ایمنؒ ' حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں جس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا گیا تھا' وہ دس درہم کی تھی' اور ان صحابہ کرامؓ کے قول کی طرف رجوع کرنا زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ وہ مجاہدین میں سے تھے اور ہتھیاروں کی قیمت اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے' اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ڈھال کی اس قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے جو کم سے کم ہو' کیونکہ چوری شدہ مال کی کم قیمت اس لیے لگائی جاتی ہے' تا کہ حد کو ساقط کیا جا سکے' اور یہاں حد کو ساقط کرنا اس وقت متحقق ہو گا جب ڈھال کی قیمت زیادہ سے زیادہ لگائی جائے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک چور کو لایا گیا' جس نے کپڑا چرایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا اس کی چوری دس درہم کے مساوی نہیں ہے' پھر اس کپڑے کی قیمت معلوم کی گئی تو اس کی قیمت آٹھ درہم ڈالی گئی تو اس شخص سے حد ساقط کر دی گئی۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نصاب سرقہ کا دس درہم ہونا صحابہ کے درمیان معروف اور مشہور تھا۔ نیز نصاب حد کو نصاب مہر پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہے' اور نکاح اور ہاتھ

کاٹنے دونوں میں ایک عضو پر تصرف کیا جاتا ہے' جو شریعت میں تصرف کرنے سے محفوظ اور مامون ہے۔اس لیے اس تصرف کا استحقاق مال کثیر کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔ [1]

امام احمدؒ، ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا کہ ایک عورت نے کہا کیا میرے لیے توبہ ہے یا رسول اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہاں۔آج کے دن تو اپنی خطاؤں سے اس طرح پاک ہوگئی جس دن تیری ماں نے تجھے جنا تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے سورہ المائدہ میں (یہ آیت) نازل فرمائی۔لفظ آیت فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم۔

امام عبد بن حمید اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا لفظ آیت فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ سے مراد ہے کہ حد اس (کے گناہوں) کا کفارہ ہے۔

امام عبدالرزاقؒ نے محمد بن عبدالرحمنؒ سے اور انھوں نے ثوبانؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے ایک چادر چوری کی تھی۔پوچھا کیا میں یہ خیال کروں کہ اس نے چوری کی یا تو نے چوری کی۔اس نے کہا ہاں (میں نے چوری کی) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ابلتے تیل میں اس کا ہاتھ ڈال دو۔پھر اس کو میرے پاس لے آؤ وہ لوگ اس کو لے آئے۔آپ نے فرمایا کیا تو اللہ کی طرف توبہ کرتا ہے؟ اس نے کہا میں اللہ کی طرف توبہ کرتا ہوں فرمایا اے اللہ اس کی توبہ کو قبول فرما لیجئے۔

چور کے ہاتھ کاٹنے کا ذکر

امام عبدالرزاقؒ نے ابن المنکدرؒ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک آدمی کا ہاتھ

۱۔(المبسوط ج ۹' ۱۳۸۔۱۳۶' ملخصا' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

کاٹا پھر حکم دیا کہ اس کو تیل میں داغ دو۔ اور فرمایا تو اللہ کی طرف توبہ کر لے۔ اس نے کہا میں اللہ کی طرف توبہ کرتا ہوں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بلاشبہ چور کا جب ہاتھ کاٹ دیا جائے تو وہ آگ میں واقع ہو جاتا ہے۔ اگر اس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اس ہاتھ کا پیچھا کرتا ہے۔ اور اگر توبہ کرے تو اس کی واپسی کا تقاضا کرتا ہے۔

﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ ﴾

”کیا تم نہیں جانتے اللہ ہی ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

اس آیت کا خطاب تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہے، لیکن مراد تمام لوگ ہیں، یعنی ہر شخص سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے فرمایا کہ چونکہ آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے، اس لیے وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے اور اسے اخروی عذاب سے بچا لیتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کو رعایت نہیں مل سکتی، جو بھی جرم کرے گا اسے ضرور سزا ملے گی، اس معاملے میں کسی بڑے مرتبے والے کو چھوٹے پر فوقیت نہیں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ جس جرم پر جو سزا چاہے مقرر فرما دے، اسے مخلوق پر کل اختیار ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ رب العزت کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے، اس

کا ہر فیصلہ عین انصاف ہوتا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ ﴾

”اے رسول! آپ کو کفر میں جلدی کرنے والے لوگ غم گین نہ کریں اور وہ لوگ جو محض اپنی زبان سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے، حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے جو بہت جھوٹ سننے والے ہیں ان لوگوں کے لیے جو آپ کے پاس نہیں آئے کلام کو اس مقام سے پھیر دیتے اور کہتے

ہیں اگر تمہیں یہ دیا جائے تو لے لو اور اگر تمہیں یہ نہ دیا جائے تو بچ جاؤ اللہ جسے "فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لے اس کے لیے آپ اللہ سے ہرگز اختیار نہیں رکھتے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔"

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈاکہ اور چوری سے متعلق احکام شرعیہ ارشاد فرمائے' اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مخالفین بہت گرم جوشی کے ساتھ کفر کا اظہار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر کی تلقین کی۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفر میں ان کے سرگرمیوں کی پروانہ کریں' ان میں سے بعض منافقین ہیں جو کفر کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں' آپ ان کو اہمیت نہ دیں۔ اللہ عزوجل آپ کے لیے کافی ہے' اور ان کے مکروفریب کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا۔ اسی طرح آپ یہود کی ریشہ دوانیوں کی بھی فکر نہ فرمائیں' یہ دونوں فریق یہود کے احبار اور رہبان سے دین اسلام کے متعلق جھوٹی باتیں بہت سنتے ہیں۔ آپ کی نبوت میں شبہات اور توراۃ میں تحریف پر مشتمل باتیں خوب سنتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو یہودی آپ کے پاس نہیں آتے یہ ان کے جاسوس ہیں' آپ پر جھوٹ باندھنے کے لیے یہ آپ کی باتیں سنتے ہیں' تاکہ جو کچھ آپ سے سنیں اس میں تغیر اور تبدل کر کے اور اپنے پاس سے جھوٹ ملا کر یہودیوں کو پہنچائیں۔

شان نزول: (آیت) "یایھا الرسول لایحزنک الذین"

امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی دو جماعتوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے جن میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زمانہ جاہلیت میں غالب آگئی تھی یہاں تک کہ دونوں کا میل جول ہوگیا پھر دونوں نے مل کر یہ طے کرلیا کہ جس مغلوب آدمی کو کوئی معزز یعنی غالب آدمی قتل کردے تو اس کی دیت پچاس وسق ہے۔

اور جس معزز آدمی کو کوئی مغلوب مار ڈالے تو اس کی دیت سو وسق ہے تو یہ لوگ اسی چیز پر قائم رہے یہاں تک کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لے آئے تو ایک مغلوب نے ایک معزز کو مار ڈالا، اس معزز کے خاندان والوں نے قاصد بھیجا کہ سو وسق دیت کے دو تو مغلوب نے کہا کہ یہ چیز دو قبیلوں میں کیسے ہوسکتی ہے، جب کہ دونوں کا دین ایک، دونوں کی نسبت ایک اور دونوں کا شہر ایک اور پھر بعض دیت آدھی، ہم تم لوگوں سے ڈر کر خوف کی وجہ سے پوری دیت دے دیا کرتے تھے، اب جب کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لے آئے تو اب ہم تمہیں اس طرح سابقہ طریقہ سے دیت نہیں دیں گے، امکان تھا کہ ان دو قبیلوں میں جنگ ہوجاتی مگر یہ دونوں قبیلے اس بات پر رضا مند ہوگئے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے درمیان منصف بنالیں، چنانچہ منافقین میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچے تاکہ آپ کی رائے معلوم کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں الخ۔

اور امام احمد و امام مسلمؒ نے براء عازبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے کچھ یہودی گزرے، جن کی صورتیں سیاہ اور ان کے کوڑے لگے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا

کہ کیا تمہاری کتاب میں زانی کی یہی سزا ہے بولے ہاں۔

آپ نے ان کے عالموں میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا کہ میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں جس نے توراۃ حضرت موسیٰ ؑ پر نازل فرمائی، کیا تمہاری کتاب میں زانی کی یہی سزا ہے، وہ بولا نہیں اور اگر آپ اس طریقہ سے مجھے قسم نہ دیتے تو میں آپ کو نہ بتاتا ہماری کتاب میں زانی کی سزا سنگسار کر دینا ہے، مگر ہمارے معزز لوگوں میں یہ بکثرت ہو گیا ہے، لہٰذا ہم میں سے جب کوئی معزز زنا کرتا ہے تو ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں اور جس وقت کوئی کمزور زنا کرتا ہے تو اس پر حد نافذ کرتے ہیں۔

اس کے بعد ہم یہودیوں نے آپس میں کہا کہ آؤ کوئی ایسی سزا مقرر کر لیں، جو معزز اور کمزور دونوں پر نافذ کر دیا کریں۔

تو منہ کالا کرنے اور کوڑے لگا دینے پر ہمارا اتفاق ہو گیا، تب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا الہ العالمین میں وہ پہلا شخص ہوں کہ جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جب کہ لوگ اس کو ختم کر چکے تھے۔

چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے زانی کے بارے میں توراۃ کے مطابق حکم دیا، اسے سنگسار کیا گیا، تب اللہ تعالیٰ نے فخذوہ تک یہ آیت نازل فرمائی۔

یہودی کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دیں تو حکم مان لو اگر سنگسار کرنے کا حکم دیں تو اس سے بچو، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

یہودی کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم

دیں تو حکم مان لو اگر سنگسار کرنے حکم دیں تو اس سے بچو، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے موافق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں۔

اور حمیدیؒ نے اپنی سند میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ فدک والوں میں سے ایک شخص نے زنا کیا تو فدک والوں نے مدینہ منورہ کے کچھ یہودیوں کے پاس لکھا کہ اس کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کرو، اگر آپ کوڑے لگانے کا حکم دیں تو یہ آپ سے لے لو اور اگر سنگسار کرنے کے بارے میں فرمائیں تو اس سے بچو، چنانچہ یہودیوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سنگسار کرنے کا حکم دیا، اس پر آیت کا یہ حصہ نازل ہوا، (آیت) "فان جاؤک فاحکم (الخ) اور بیہقیؒ نے دلائل میں ابو ہریرہؓ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ [1]

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے بیان کیا ہے کہ یہود بنو قریظہ اپنے آپ کو بنو نضیر سے افضل کہتے تھے۔ اگر بنو قریضہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ قصاص کے لیے تیار نہ ہوتے' صرف دیت دیتے تھے اور اگر بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریضہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا' تو پھر اس سے قصاص لیتے تھے۔ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ آئے تو وہ اسی طریقہ پر کاربند تھے۔ بنو قریظہ نے بنو نضیر کے کسی آدمی کو عمداً قتل کر دیا۔ اس وقت منافقوں نے کہا کہ اگر یہ (نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دیت ادا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا' ورنہ ان کے حکم سے اجتناب کرنا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [2]

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔ (جامع البیان: ج ۶' ص ۳۲۳)

امام ابن جریرؒ نے یہود کی تحریف کی یہ مثال دی ہے کہ توراۃ میں یہ حکم تھا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دیا جائے۔ انھوں نے اس حکم میں یہ تحریف کر دی کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں' اور ان کا منہ کالا کیا جائے۔ [1]

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہودی زانیوں کو رجم کرانا

امام مسلم بن حجاج قشیریؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہود کے پاس تشریف لے گئے آپ نے فرمایا' جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک توراۃ میں کیا حکم ہے؟ انھوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں' پھر ان کا چکر لگایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو توراۃ لاؤ وہ توراۃ لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا' اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے' جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی' پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔ [2]

۱۔ (جامع البیان: ج ٦ ص ٣٢١)

۲۔ (صحیح مسلم' حدود ٢٦' (١٦٩٩)' ٤٣٥٧)

امام مسلمؒ نے اس حدیث کو اس کی مثل حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

نیز امام مسلم بن حجاج قشیریؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک یہودی گزارا گیا' جس کا منہ کالا تھا اور اس کو کوڑے لگائے گئے تھے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو بلایا: تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں! پھر آپ نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا: میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر توراۃ کو نازل کیا۔ کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ اور اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا' ہم اس حد کو رجم پاتے ہیں' لیکن ہمارے معزز لوگوں میں زنا بکثرت ہونے لگا۔ سو جب ہم کسی معزز آدمی کو پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے' اور جب ہم کسی معمولی آدمی کو پکڑتے تھے اس پر حد قائم کر دیتے۔ ہم نے سوچا کہ چلو ہم ایسی سزا پر اتفاق کر لیں جس کو ہم معزز اور غیر معزز دونوں پر لاگو کر سکیں تو پھر بھی ہم نے رجم (سنگسار کرنے) کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے لگان کو مقرر کر دیا۔ سو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے اس حکم کو زندہ کیا جس کو لوگوں نے مٹا دیا تھا' پھر آپ کے حکم سے اس کو رجم کیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو۔

۱۔ (صحیح مسلم' حدود' ۲۷' ۔۴۳۵۸' صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۸۴۱۔۷۵۴۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۴۴۶' سنن ترمذی ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۴۱' صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۴۳۵' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۱۳۳۳۲۔۱۳۳۳۱' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۲۱' شرح السنہ للبغوی' رقم الحدیث: ۲۵۸۳' سنن کبری للبیہقی' ج ۸' ۲۱۴)

(المائدہ:٤١) (یعنی) وہ کہتے ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ اگر وہ تم کو منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دیں تو اس کو قبول کرلو اور اگر تم کو رجم کرنے کا حکم دیں تو اس سے اجتناب کرو۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سو وہی لوگ کافر ہیں۔ (المائدہ:٤٤)

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ:٤٥)

اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں، سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ:٤٧)

یہ تمام کافروں کے متعلق ہیں۔ [1]

﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ ﴾

یہ لوگ جھوٹ کو خوب زیادہ سننے والے ہیں خوب حرام کھانے والے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض فرما لیجئے، اور اگر آپ اعراض کریں تو یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر آپ فیصلہ دیں

۱۔ (صحیح مسلم، حدود ۲۸، (۱۷۰۰)، ٤٣٦٠، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ٤٤٤٨۔٤٤٤٧، سنن ابن ماجہ، ٢٥٥٨)

تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمایئے بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

سحت کا معنی اور اس کا حکم

یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اس کو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔اس کے بعد فرمایا: وہ سحت بہت زیادہ کھاتے ہیں۔لغت میں سحت کا معنی ھلاک کرنا ہے۔قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "قال لھم موسیٰ ویلکم لاتفتروا علی اللہ کذبا فیسحتکم بعذاب"۔(طہ:٦١)

ترجمہ: موسیٰ ؑ نے ان سے کہا: تم پر افسوس ہے جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو' کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کردے۔

اور سحت کا معنی کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑنا ہوتا ہے۔عرب سر مونڈنے والے کے متعلق کہتے ہیں سحت اس نے بال جڑ سے اکھاڑ دیئے۔مال حرام کو بھی سحت کہتے ہیں' کیونکہ وہ عبادات کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور ملیا میٹ کردیتا ہے۔حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا صحت رشوت ہے۔حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا حاکم کو رشوت دینا سحت ہے۔

امام احمد بن علی بن مثنی تمیمیؒ متوفی ٣٠٧ھ روایت کرتے ہیں:

مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعودؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ایک شخص نے ان سے پوچھا سحت کیسے کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا فیصلہ کرنے میں رشوت لینا' فرمایا: یہ کفر ہے۔پھر یہ آیت پڑھی (آیت) "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون"۔(المائدہ:٤٤) اور جو اللہ کے نازل کیے

ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔ [1]

امام محمد ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سحت کے متعلق پوچھا انھوں نے فرمایا ایک شخص کسی سے اپنی حاجت طلب کرے وہ اس کی حاجت پوری کرے' پھر وہ اس کو ہدیہ دے جس کو وہ قبول کرلے۔

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا زانیہ کی اجرت سحت ہے' نر کی جفتی کی اجرت سحت ہے' فصد لگوانے (رگ کاٹنے) والے کی اجرت سحت ہے' اور کتے کی قیمت سحت ہے۔

فصد لگوانے (رگ کاٹنے) کی اجرت جائز ہے' کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فصد لگوا کر اجرت دی ہے' اس لیے حدیث کا یہ جز منسوخ ہے۔

امام مسلم حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ بنو بیاضہ کے ایک غلام نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فصد لگائی اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس غلام کو اجرت دی' اور اس کے مالک سے اس کے خراج میں کمی کرنے کی سفارش کی۔ اگر یہ اجرت سحت (حرام) ہوتی تو آپ عطا نہ کرتے۔ [2]

۱۔ (مسند ابو یعلیٰ' ج ۹' رقم الحدیث: ۵۲۶۶' المعجم الکبیر' ج ۹' رقم الحدیث: ۹۱۰۰' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۲۰۰' المطالب العالیہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۳۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۳۹)

۲۔ (صحیح مسلم (۱۲۰۲) ۳۹۶۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۴۲۳' مسند احمد ج ۳' رقم الحدیث: ۲۹۸۱۔ ۲۸۰۶۔ ۳۰۷۸' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' نیز امام بخاری نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فصد لگوائی۔ حجاج کو اجرت دی اور ناک میں ڈواڈالی۔ صحیح بخاری' رقم الحدیث: ۲۲۷۸۔ ۵۶۹۱' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۶۲' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۷۵۸۰' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

مسلم بن صبیح ؒ بیان کرتے ہیں کہ مسروق ؒ نے کسی شخص کی کسی کام میں شفاعت کی' اس شخص نے ہدیہ میں انھیں باندی پیش کی تو مسروق ؒ بہت سخت غضبناک ہوئے اور کہا: مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے کام میں سفارش نہ کرتا' اور آئندہ کسی کام میں تمہاری سفارش نہیں کروں گا۔ میں نے حضرت ابن مسعود ؓ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے کے لیے سفارش کرے' یا کسی سے ظلم دور کرنے کے لیے سفارش کرے' پھر اس کو ہدیہ دیا جائے جس کو وہ قبول کر لے تو یہ سحت ہے۔ ان سے کہا گیا: اے ابو عبدالرحمن ؓ! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ فیصلہ کرنے پر کچھ لینا سحت ہے' آپ نے فرمایا: فیصلہ کرنے پر لینا کفر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب ؓ فرماتے ہیں' رگ کاٹنے والے کی اجرت' زانیہ کی اجرت' کتے کی قیمت' جلد فیصلہ کرانے کی اجرت' نجومی کی مٹھائی' نر کی جفتی کی اجرت' حکم میں رشوت' شراب کی قیمت اور مردار کی قیمت سحت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہر وہ گوشت جس کو سحت (مال حرام) نے بڑھایا ہو' اس کے ساتھ دوزخ کی آگ زیادہ لائق ہے۔ آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! سحت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا حکم میں رشت دینا۔ [1]

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی ؒ متوفی ۴۵۸ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ [2]

۱۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۳۲۸۔۳۲۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (سنن کبریٰ' ج ۱۰' ص ۱۳۹' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۰۳۳)

وھب بن منبہؒ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گناہ گار ہوتا ہے' یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں رشوت دینے والا اس وقت گناہ گار ہوتا ہے جب تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کردیں خواہ ان سے اعراض فرمائیں، اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے' اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان (انصاف سے فیصلہ کریں' بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (المائدہ:٤٢)

اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے' یہ مدینہ کے وہ یہود تھے جن سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد معاہدہ کیا تھا' یہ اہل ذمہ نہیں تھے اور جب کفار اہل ذمہ نہ ہوں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا ہم پر واجب نہیں ہے۔

اہل ذمہ جب ہمارے پاس اپنا مقدمہ پیش کریں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق امام شافعیؒ کے دو قول ہیں اور اگر مسلمان اور ذمی کے درمیان نزاع ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔

علامہ مھدویؒ نے کہا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان فیصلہ کرنا واجب

۱۔ (سنن کبریٰ' ج۱۰' ص۱۳۹' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

ہے۔ البتہ ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں حاکم کو اختیار ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمہ ہے۔ البتہ امام مالکؒ اہل ذمہ پر حد قائم کرنے کے قائل نہیں ہیں' اگر مسلمان کتابیہ کے ساتھ زنا کرے تو مسلمان پر حد لگائی جائے گی اور کتابیہ پر حد نہیں لگے گی۔ اگر زنا کرنے والے دونوں ذمی ہوں تو کسی پر حد نہیں لگے گی' امام ابوحنیفہؒ' امام محمد بن حسن شیبانیؒ اور دیگر کا یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام ابو یوسفؒ وغیرہما نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ ہمارے فیصلہ پر راضی ہوں تو ان پر حد لگائی جائے گی۔

ابن کویز منداد نے کہا ہے کہ جب ذمی ایک دوسرے پر زیادتی کریں تو امام ان کو طلب نہیں کرے گا' ہاں اگر وہ ایسی کارروائی کریں جس سے ملک میں فساد اور افراتفری ہو' مثلاً وہ لوگوں کو قتل کریں اور لوٹ مار کریں' تو پھر امام اس کا سد باب کرے گا۔ لیکن ان کے تجارتی قرضوں' طلاق اور دیگر نجی معاملات میں امام ان کی مرضی کے بغیر فیصلہ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر وہ علی الاعلان شراب فروخت کریں یا زنا کریں یا اور کوئی برا کام کریں تو ان کو اس سے روکا جائے گا' تاکہ اس سے مسلمانوں کے اخلاق نہ بگڑنے پائیں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ' اور نخعیؒ نے یہ کہا ہے کہ زیر بحر آیت دوسری آیت سے منسوخ ہوگئی ہے' وہ آیت یہ ہے۔ (آیت) "وان احکم بینھم بما انزل اللہ"۔ (المائدہ:٤٩)

ترجمہ: اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔

امام زہریؒ نے کہا ہے' اس پر عمل ہوتا رہے کہ اہل کتاب کو ان کے حقوق اور وراثت کے معاملات میں

ان کے دینی احکام کی طرف لوٹایا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اللہ کے حکم سے اعراض کریں تو انھیں اللہ کے حکم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ علامہ سمرقندیؒ نے کہا یہ قول امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے' کہ جب تک وہ ہمارے فیصلہ پر راضی نہ ہوں' ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور امام نحاسؒ نے الناسخ والمنسوخ میں زیر تفسیر آیت کے متعلق کہا ہے کہ یہ (المائدہ:٤٩) سے منسوخ ہے' کیونکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی۔ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابتداء مدینہ میں آئے تھے۔ اس وقت مدینہ میں یہودی بہت زیادہ تھے اور اس وقت کے حالات کے یہی مناسب تھا کہ انھوں نے ان کے احکام کی طرف لوٹا دیا جائے' اور جب اسلام قوی ہو گیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ حضرت ابن عباسؓ' مجاہدؒ' عکرمہؒ' زہریؒ' عمر بن عبدالعزیز اور سدیؒ کا یہی قول ہے' اور یہی امام شافعیؒ کا صحیح قول ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(آیت) "حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون"۔ (المائدہ:٢٩)

ترجمہ: حتی کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں' درآنحالیکہ وہ ذلیل ہوں'۔

ان کے ذلیل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جائیں اور ان کو ان کے احکام کی طرف نہ لوٹایا جائے' اور جب یہ واجب ہے تو زیر تفسیر آیت کا منسوخ ہونا واجب ہوا' امام ابوحنیفہؒ' امام ابو یوسفؒ' اور امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب اہل کتاب امام کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کریں' تو امام کے لیے اس کا فیصلہ کرنے سے اعراض کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ جب عورت اور اس کا خاوند آئے تو امام ان کے درمیان

عدل سے فیصلہ کرے اور اگر صرف عورت آئے اور اس کا خاوند راضی نہ ہو تو فیصلہ نہ کرے۔ [1]

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعیؒ متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

جب قاضی کے پاس اہل کتاب (ذمی) مقدمہ دائر کریں تو اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے یا اس کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے' کیونکہ ہم نے جزیہ لے کر ان سے ظلم کو دور کرنے کا التزام کیا ہے' اور یہ آیت اہل ذمہ کے متعلق نہیں ہے۔ [2]

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلیؒ متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبلؒ نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ آیت سورہ المائدہ: ۴۹ سے منسوخ ہے اور اب حاکم پر لازم ہے کہ جب اس کے پاس اہل ذمہ مقدمہ لائیں' تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ حضرت ابن عباسؓ' عطاءؒ' مجاہدؒ' عکرمہ اور سدیؒ کا یہی قول ہے۔ [3]

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفیؒ متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

زیر بحث آیت "فان جاءوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم"۔ (المائدہ: ۴۲) سے ظاہر ہے کہ اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا حاکم کو اختیار ہے۔ لیکن یہ اختیار اس کے بعد نازل ہونے والی آیت 'وان احکم بینھم بما انزل اللہ" (المائدہ: ۴۹) سے منسوخ ہو گیا۔ نیز اختیار کے منسوخ ہونے پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۳' ص ۱۳۳۔۱۳۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (انوار التنزیل مع حاشیۃ الکازرونی' ج ۲' ص ۳۲۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

۳۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۳۶۱ مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

(آیت) "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون"۔ (المائدہ: ٤٤)

ترجمہ: جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کہ موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں:۔

سو جس نے اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ نہیں کیا وہ اس وعید کا مصداق ہو گیا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی آیت "فان جاءوک فاحکم بینھم اواعرض عنھم"۔ (المائدہ: ٤٢) اس وقت یہودیوں کو ذمی نہیں قرار دیا تھا' اور نہ ان پر جزیہ کیا گیا تھا' اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جزیہ لینے کا حکم دیا اور ان پر اسلام کے احکام جاری کیے تو پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک زیر بحث آیت (المائدہ: ٤٢) المائدہ: ٤٩ سے منسوخ ہو گئی ہے' اور ابتداء اسلام میں حاکم کو یہ اختیار تھا کہ جب اہل کتاب اپنا مقدمہ پیش کریں تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے' لیکن اب یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا اور اب حاکم پر ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ لیکن ان کے عائلی کاروباری اور نجی معاملات میں مسلمان حاکم مداخلت نہیں کرے گا' اور وہ ان معاملات میں اپنے مذہب کے مطابق اپنے علماء سے فیصلہ کرائیں گے۔

البتہ اگر وہ کھلے عام ایسے کام کریں جس سے ملک کے امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو' یا بے حیائی اور بدچلنی کو فروغ ہو' تو پھر مسلمان حاکم ان کو اس سے روک دے گا' اور جب وہ از خود اپنا کوئی مقدمہ مسلمان حاکم کے سامنے پیش کریں' تو اس پر ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنا واجب ہے۔

۱۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ٤٣٥' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ١٤٠٠ھ)

﴿ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ﴾

اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد وہ روگردانی کرتے ہیں اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

موجودہ توراۃ میں آیت رجم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ زنا کرنے والوں کے لیے رجم (سنگسار) کرنے کا حکم توراۃ میں موجود ہے اور اس سے پہلے ہم صحیح مسلم حدیث نمبر (۱۶۹۹) ۴۳۷۵ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس یہودی دو زانیوں (مرد اور عورت) کا مقدمہ لے کر آئے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا توراۃ کو پڑھو' جب یہودی عالم نے توراۃ کو پڑھنا شروع کیا تو اس نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا' اس سے فرمائیں یہ اپنا ہاتھ ہٹائے' ہاتھ ہٹایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی' اور اب ۱۴۱۷ سال گزر گئے' اس عرصہ میں توراۃ میں بہت تحریفات کی گئیں' لیکن یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ توراۃ میں آج بھی یہ آیت اسی طرح موجود ہے۔

پھر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے

گھر کے دروازہ پر نکال لائیں' اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے' کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی' کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا' اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے' تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں' یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی دفع کرنا۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا' اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں' لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا' یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔ [1]

یہاں ان کی جہالت وعناد کا بیان ہے، یعنی وہ جانتے ہیں کہ جو مقدمہ وہ آپ کے پاس لا رہے ہیں اس کا فیصلہ توراۃ میں موجود ہے، تاہم آپ کے پاس اس لیے مقدمہ لاتے ہیں کہ شاید آپ کا فیصلہ توراۃ کی بہ نسبت کچھ ہلکا ہو۔ لیکن جب آپ کا فیصلہ بھی وہی ہوتا ہے جو توراۃ کا ہوتا ہے تو وہ اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو وہ توراۃ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر۔ اصل میں یہ خواہشات کے پجاری ہیں اور ان کا مقصد حیات ہی دنیوی مصالح کا حاصل کرنا ہے۔

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توراۃ میں موجود رجم کے فیصلے کو

۱۔ (کتاب مقدس) (پرانا عہد نامہ) باب: ۲۲ آیت ۲۴۔۲۱' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

اللہ کا فیصلہ قرار دیا ہے۔ جو لوگ رجم کے منکر ہیں اگر چہ بہت سی صحیح احادیث بھی ان کا رد کرتی ہیں، مگر یہ آیت پختہ اور مضبوط دلیل ہے کہ قرآن نے توراۃ میں موجود رجم کے حکم کو اللہ کا حکم قرار دیا ہے، پھر نہ اس کی تردید کی ہے نہ منسوخ کہا ہے، اللہ کے اس حکم کو یہودیوں اور مسلمانوں دونوں پر نافذ فرمایا۔ معلوم ہوا قرآن میں بھی رجم کا ذکر موجود ہے۔

﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ﴾

”بیشک ہم نے توراۃ اتاری، جس میں ہدایت اور روشنی تھی اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو فرمان بردار تھے ان لوگوں کے لیے جو یہودی اور ربانی اور عالم بنے، یہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔ تم ان لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو اور جو اللہ کی نازل شدہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی کافر ہیں۔“

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا ۔۔ عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ : اس میں یہود کو تنبیہ ہے جو حد رجم (سنگساری) کا انکار کرتے تھے اور ان کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے اسلاف، انبیاء، احبار اور علمائے ربانی کا مسلک اختیار کریں۔ بنی اسرائیل میں سیدنا موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) تک سیکڑوں پیغمبر ایسے گزرے ہیں جن پر کوئی نئی کتاب نازل نہیں کی گئی اور وہ اپنے زمانے میں لوگوں کو توراۃ ہی پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے اور ان کے مابین اسی کے احکام کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ خود سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کو کوئی نئی شریعت نہیں دی گئی، بلکہ ان کی بعثت کا مقصد توراۃ ہی کی شریعت کو زندہ کرنا تھا۔

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ : یہ خطاب یہود سے ہے، یعنی جب یہ جان بوجھ کر توراۃ کے فیصلے کو چھپاتے ہیں اور اس پر عمل کرنا نہیں چاہتے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ باوجود زبانی ایمان کا دعویٰ کرنے کے یہ کافر ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات: (وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ) [المائدۃ: ٤٤] "اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں" اور (اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ) [النور: ٥٠] "وہ خود ہی ظالم ہیں" اور (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ) [النور: ٤] "اور وہی نافرمان لوگ ہیں" یہودیوں کی دو جماعتوں کے بارے میں نازل فرمائی تھیں۔ ان میں سے ایک جماعت دوسری پر زمانہ جاہلیت میں غالب آ گئی تھی، حتیٰ کہ ان کا اس بات پر معاہدہ ہو گیا کہ اگر غالب جماعت نے مغلوب کے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کا فدیہ پچاس وسق ہوگا، لیکن مغلوب جماعت کے کسی فرد نے غالب جماعت کے کسی فرد کو قتل کر دیا تو اس

کا فدیہ سو وسق ہوگا۔ یہ اپنے معاہدے پر قائم تھے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ میں تشریف لے آئے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد یہ دونوں جماعتیں ہی مغلوب اور ذلیل ہوگئیں، حالانکہ ابھی تک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان پر غالب نہیں آئے تھے اور اس (قانون) پر ان کی موافقت بھی نہیں کی تھی۔ ابھی آپ مدت صلح میں تھے کہ اسی اثنا میں مغلوب جماعت نے غالب جماعت کے ایک شخص کو قتل کر دیا، تو اس نے پیغام بھیجا کہ اس کے فدیے کے طور پر سو وسق ارسال کرو۔ مغلوب جماعت نے کہا کہ بھلا ان دو قبیلوں میں کبھی ایسا ہوسکتا ہے جن کا دین ایک ہو، نسب ایک ہو اور شہر بھی ایک ہو کہ ان میں سے ایک کی دیت تو پوری ہو اور دوسرے کی دیت نصف ہو، ہم نے تو تم سے یہ معاہدہ تمہارے ڈر اور خوف کی وجہ سے کیا تھا اور اب جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لے آئے ہیں تو ہم تمہیں یہ نہیں دیں گے۔ قریب تھا کہ اس وجہ سے پھر ان میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے مگر وہ اس بات پر راضی ہوگئے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اپنا فیصلہ کرالیں۔ غالب جماعت نے اس موقع پر (آپس میں یہ) کہا کہ اللہ کی قسم! یہ نہیں ہوسکتا کہ جتنا تم کمزور جماعت کو دو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے دوگنا لے کر تم کو دیں اور یہ لوگ صحیح کہہ رہے ہیں کہ انھوں نے محض ہمارے ظلم اور ڈر کی وجہ سے ہم سے یہ معاہدہ کیا تھا، لہٰذا کسی کو خفیہ طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بھیجو، جو تمہیں یہ بتا سکے کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہاری مرضی کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کو منصف تسلیم کرلو اور اگر آپ یہ فیصلہ نہ کریں تو پھر ان کو منصف تسلیم نہ کرو۔ انھوں نے کچھ منافقوں کو خفیہ طور پر آپ کے پاس بھیجا، تاکہ وہ یہودیوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رائے سے مطلع کرسکیں۔ جب یہ منافق دربار رسالت میں پہنچے تو اللہ

تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے تمام مقاصد اور ارادوں سے مطلع فرما دیا اور اس موقع پر یہ آیات نازل فرمائیں: (يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا) [المائدۃ: ٤١] اس آیت تک: (وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ) [المائدۃ: ٤٧] اور ان آیات میں انھی کی طرف اشارہ ہے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سورہ مائدہ کی آیات: (فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ) یہ بنونضیر اور بنوقریظہ کی دیت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ بنونضیر کے مقتولوں کو یہ شرف حاصل تھا کہ ان کی پوری دیت ادا کی جاتی تھی جبکہ بنوقریظہ کے مقتولوں کی نصف دیت تھی۔ انھوں نے اس سلسلے میں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فیصلہ کروانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ان آیات کو نازل فرما دیا تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انھیں اس مسئلے میں حق اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور سب کی دیت برابر قرار دے دی۔[2]

علماء وصوفیا کا توراۃ کے مطابق فیصلے

امام عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت انا انزلنا التورۃ فیھا ھدی

---

[1]۔ [مسند أحمد: ٢٤٦/١، ح: ٢٢١٦۔ أبوداؤد، کتاب القضاء، باب فی القاضی یخطئ: ٣٥٧٦]

[2]۔ [نسائی، کتاب القسامۃ، باب ذکر الاختلاف علی عکرمۃ فی ذلک: ٤٧٣٧۔ أبوداؤد، کتاب القضاء، باب الحکم بین أھل الذمۃ: ٣٥٩١۔ مسند أحمد: ٣٦٣/١، ح: ٣٤٣٣]

ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلمو اللذین ھادوا والربنیون والحبار کے بارے میں فرمایا کہ ربانیوں سے فقہاء یہود مراد ہیں اور احبار سے ان کے علماء مراد ہیں پھر فرمایا کہ ہم کو یہ بات بتائی گئی کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم فیصلے کریں گے یہودیوں پر اور ان کے علاوہ دوسرے دین والوں پر۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابو الشیخ ؒ نے حسن ؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت یحکم بھا النبیون الذین اسلموا کے بارے میں فرمایا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان سے پہلے دوسرے انبیاء حق کے مطابق فیصلہ کرتے رہے جو اس توراۃ میں موجود تھا۔

امام ابن جریرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت والربنیون والحبار سے فقہاء اور علماء مراد ہیں۔

امام ابن جریرؒ سے روایت ہے مجاہدؒ نے لفظ آیت والربنیون سے علماء فقہاء مراد لیے ہے اور ان کا درجہ احبار سے زیادہ تھا۔

امام ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت والربنیون سے فقہاء الیہود مراد ہے۔ اور الاحبار سے علماء مراد ہیں۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم ؒ نے سدی ؒ سے روایت کیا کہ یہودیوں میں سے دو آدمی تھے جو دونوں بھائی تھے۔ ان کو ابن صوریا کے بیٹے کہا جاتا تھا۔ انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کی مگر مسلمان نہیں ہوئے اور انھوں نے آپ سے وعدہ کیا کہ اگر آپ ہم سے توراۃ میں سے کوئی سوال کریں گے تو ہم آپ کو بتائیں گے۔ ان میں سے ایک فقیر تھا اور دوسرا عالم تھا اور یہ معاملہ کہ جب ایک

شریف نے زنا کیا اور ایک مسکین نے زنا کیا تو کیا حکم ہوگا۔ اور کس طرح انھوں نے اس کو تبدیل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری لفظ آیت انا انزلنا التورۃ فیھا ھدی ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا یہاں کے نبیوں سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات ہے اور والربانیون والاحبار سے مراد صوریا کے دونوں بیٹے ہیں۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت والربنیون سے فقہاء علماء مراد ہیں۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت والربنیون کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد مومن ہیں اور والاحبار سے مراد قرأ ہیں لفظ آیت کانو علیہ شھداء یعنی ربانیوں اور احبار دونوں گواہ ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے اس بات پر کہ جو کچھ انھوں نے فرمایا وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ اور وہ اللہ کے نبی یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ ان کے پاس یہودی آئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

امام ابن منذر اور ابن جریرؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فلا تخشوا الناس واخشون کے بارے میں فرمایا کہ یہ خطاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی امت کے لیے ہے۔

امام ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فلا تخشوا الناس سے مراد ہے کہ تم لوگوں سے نہ ڈرو کہ تمہاری اس چیز کو چھپانے لگو مگر جو تمہاری طرف نازل کی گئی۔ پھر فرمایا لفظ آیت ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا اور اسے چھپا کر تم تھوڑی سی قیمت نہ لو۔

امام ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا کے بارے میں فرمایا یہ کتاب کو (بیچ کر) حرام نہ کھاؤ۔

سعید بن منصور والفریابیؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتمؒ، حاکمؒ (اور حاکم نے تصحیح بھی کی) اور بیہقیؒ نے سنن میں ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفر ون اور فرمایا لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمو ن پھر فرمایا لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفسقو ن یعنی وہ کافر ہیں، فاسق ہیں، ظالم ہیں، فاسق ہیں تو یہ کفر دوسرے کفر سے، یہ ظلم عام ظلم سے، یہ فسق عام فسق سے مختلف ہے۔

سعید بن منصورؒ، ابوالشیخ اور ابن مردویہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفر ون اللہ تعالیٰ نے کافر ظالم اور فاسق کا جو حکم نازل فرمایا وہ یہودیوں کے ساتھ خاص ہے۔

امام ابن جریرؒ نے ابوصالحؒ سے روایت کیا کہ یہ تینوں آیات جو سورہ مائدہ میں ہیں لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفر ون یعنی وہ ظالم ہیں اور فاسق ہیں اہل اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور یہ کفار کے متعلق ہیں۔

امام ابن جریرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفر ون یعنی وہ ظالم ہیں وہ فاسق ہیں یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابوالشیخؒ نے شعبیؒ سے روایت کیا کہ یہ تینوں آیات سورہ مائدہ میں ہیں لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ پہلی آیت اس امت کے بارے میں ہے، دوسری یہودیوں کے بارے میں ہے اور تیسری نصاریٰ کے بارے میں ہے۔

امام ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفر ون

سے مراد ہے کہ جو شخص اس کتاب کے ساتھ فیصلہ کرے جو اس نے اپنے ہاتھ میں لکھی اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا اور یہ گمان کیا کہ یہ کتاب بھی اللہ کی طرف سے ہے تو اس نے کفر کیا۔

عبدالرزاق ؒ، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم ؒ، حاکم ؒ نے (اس کو صحیح بھی کیا ہے) حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ ان کے پاس ان آیات کا ذکر کیا گیا لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفر ون یعنی ظالموں اور فاسقوں کے بارے میں۔ ایک آدمی نے کہا کہ یہ تو بنی اسرائیل کے بارے میں ہے۔ حذیفہؓ نے فرمایا ہاں۔ تمہارے کتنے اچھے بھائی بنی اسرائیل ہیں تمہارے لیے ہر ایک چیز اچھی ہے اور ان کے لیے ہر چیز کڑوی ہے۔ اللہ کی قسم تم بھی اسی راستہ پر چل رہے ہو۔

امام ابن منذرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ تم کتنی اچھی قوم ہو جو میٹھی چیز ہو تو وہ تمہارے لیے ہے اور جو کڑوی ہے وہ اہل کتاب کے لیے گویا آپ کی رائے تھی یہ آیات مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی لفظ آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفر ون۔

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ ﴾

اور ہم نے ان پر فرض کیا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے

بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح دوسرے زخموں کا بھی قصاص ہے تو جس نے اس کو معاف کر دیا تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں گے تو وہی لوگ ہیں' جو ظالم ہیں۔

قصاص کے حکم کا شان نزول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج ؒ بیان کرتے ہیں جب بنوقریظہ نے یہ دیکھا کہ یہود اپنی کتاب میں رجم کو چھپاتے تھے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے درمیان رجم کا فیصلہ کر دیا تو بنوقریظہ نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے درمیان اور ہمارے بھائی بنونضیر کے درمیان فیصلہ کر دیجئے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تشریف لانے سے پہلے بنونضیر اپنے آپ کو بنوقریظہ سے افضل' برتر اور عزت دار سمجھتے تھے۔ اگر بنونضیر میں سے کوئی شخص قتل کر دیتا' تو اس سے پوری دیت لیتے تھے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا قریظی کا خون نضیری کے برابر ہے۔ یہ سن کر بنونضیر غضب ناک ہو گئے اور انھوں نے کہا ہم رجم کے معاملہ میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور ہم اپنی ہی حدود کو جاری کریں گے' جن پر پہلے عمل کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کیا تم جاہلیت کے حکم کو طلب کر رہے ہو؟ (المائدہ ۵۰) اور یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے ان پر توراۃ میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ (الایہ)۔

ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مذاہب فقہاء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقا فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی قید نہیں لگائی۔ اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کافر کو قتل کر دیا' تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا' جیسا کہ اس آیت کے عموم اور اطلاق سے واضح ہوتا ہے اور امام مالکؒ ' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

ابوجحیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ حضرت علیؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور روح کو پیدا کیا' ہمارے پاس قرآن کے سوال اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ماسوا اس فہم کے جو قرآن کو سمجھنے کے لیے دی گئی ہے' اور ماسوا اس کے جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکام اور یہ حکم کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ [1]

احناف کی دلیل:

امام علی بن عمر دارقطنیؒ متوفی ۳۸۵ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مسلمان کو ایک معاہد

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۱' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۰۴۷' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۹۰۳' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۱۷' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۷۵۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۵۸' مسند احمد ج' رقم الحدیث: ۹۹۳۔۱۹۹۱)

(جس کافر سے معاہدہ ہوا ہو) کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے معاہدہ کو پورا کرتے ہیں' میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔ [1]

عبدالرحمن بن المبلیمانی ؒ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس مسلمان سے قصاص لیا جس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا۔ رمادی نے کہا مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کریں' میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔ [2]

عبدالرحمن بن المبلیمانی ؒ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک ذمی کے بدلہ میں اہل قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔ [3]

ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں' لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور لائق استدلال ہیں۔

اعضاء کے قصاص کی کیفیت میں مذاہب اربعہ

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی ؒ متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے' ہمارے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ ایک آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے اور شیشہ گرم کر کے دوسری آنکھ پر رکھ دیا جائے' حتی کہ اس کی روشنی چلی جائے۔ کیونکہ جس شخص نے کسی کی آنکھ نکالی

۱۔ (سنن دارقطنی ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۲' سنن کبری للبیہقی ج ۸' ص ۳۰)

۲۔ (سنن دارقطنی ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۳')

۳۔ (سنن دارقطنی ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۴')

ہے‘اس کی آنکھ اور جس کی آنکھ نکالی گئی ہے‘اس کی آنکھ دونوں بالکل مساوی نہیں ہیں‘اس لیے اگر مجنی علیہ کی آنکھ کے بدلہ میں میں جانی کی آنکھ نکال دی جائے‘ تو پورا بدلہ نہیں ہوگا‘ اور قیاس کا تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ کیونکہ قصاص کا معنی ہے کسی شئے کی مثل لینا۔ اسی طرح پوری ناک میں بھی قصاص متصور نہیں ہے‘ کیونکہ ہڈی میں قصاص نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ناک کا صرف نرم حصہ کاٹا ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ نے کہا ہے‘ کہ اگر ناک جڑ سے کاٹ دی گئی ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح آلہ تناسل اور زبان میں بھی قصاص لیا جائے گا‘ اور امام محمدؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کی ناک‘ زبان یا آلہ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے تو اس میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (کیونکہ یہ اعضاء دوسرے اعضاء کی مثل اور مساوی نہیں ہوتے) اگر کان کاٹ دیا جائے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح دانت میں بھی قصاص لیا جائے گا اور دانت کے علاوہ اور کسی ہڈی میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ [1]

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعیؒ متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کے بدلہ آنکھ‘ ناک کے بدلہ ناک‘ کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت کو نکال دیا جائے گا۔ [2]

علامہ عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلیؒ متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی ان اعضاء میں قصاص لیا جائے گا۔ [3]

علامہ قرطبی مالکیؒ متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ ان اعضا کے قصاص میں ظاہر قرآن پر عمل کرنا اولی

۱۔ (احکام القرآن ج۲ ص۴۳۳‘ مطبوعہ سہیل اکیڈمی‘ لاہور‘ ۱۴۰۰ھ)

۲۔ (انوار التنزیل مع الکازرونی‘ ج۲ ص۳۲۹‘ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۶ھ)

۳۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد‘ ج۳‘ ص۲۶۱‘ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۴ھ)

ہے۔۔۔[1]

بدلہ نہ لینے کی فضلیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ‘تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے‘۔(المائدہ:٤٥)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اگر جنایت (جرم) کرنے والے نے تائب ہو کر خود کو خوشی کے ساتھ حد کے لیے پیش کر دیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔

امام مسلم ؒ، حضرت عبادہ بن الصامت ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم سے عہد لیا ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں‘ چوری نہ کریں‘ زنا نہ کریں‘ اور کسی کو ناحق قتل نہ کریں۔ جس نے یہ عہد پورا کیا‘ اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا اور اس پر حد جاری ہوئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔[2]

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر بدلہ لینے والے نے جنایت (جرم) کرنے والے کو معاف کر دیا اور اس سے بدلہ نہ لیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں اس کی تائید میں یہ آیت ہے:

(آیت) ”فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ“۔(الشوریٰ:٤٠)

ترجمہ: سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے۔

اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

۱۔(الجامع لاحکام القرآن‘ جز خامس‘ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱٤۱٥ھ)

۲۔(صحیح مسلم‘ حدود ٤۱‘ صحیح بخاری‘ ٦۷۸٤)

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

ابوالسفرؒ بیان کرتے ہیں کہ قریش کے ایک شخص نے انصار کے ایک شخص کا دانت توڑ دیا' انصاری نے حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ حضرت معاویہؓ نے اس سے کہا: ہم تمہیں راضی کریں گے۔ اس قریشی نے حضرت معاویہؓ سے بہت منت سماجت کی کہ اس سے بدلہ نہ لیا جائے' حضرت معاویہؓ نے اس انصاری کو بہت سمجھایا' لیکن اس کو بدلہ نہ لینے پر راضی نہ کر سکے۔ پھر حضرت معاویہؓ نے اس سے کہا تم اس سے بدلہ لے لو۔

اس مجلس میں حضرت ابوالدرداءؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایک حدیث سنی ہے' جس کو میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ آپ نے فرمایا: جس شخص کو جسم میں کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ انصاریؓ نے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خود یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ تب انصاریؓ نے کہا: میں اس کا بدلہ چھوڑتا ہوں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا ہم تمہیں کبھی محروم نہیں کریں گے' پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔ [1]

نیز امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامتؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۹۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۶۹۳' مسند احمد ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۷۶۰۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸' ص ۵۵' جامع البیان' جز ۶ ص ۳۵۳)

برابر اس کے گناہ مٹا دے گا۔ [۱]

سیدنا عمرو بن حزمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اہل یمن کے نام خط لکھا، جس میں فرائض، سنن اور دیات کا ذکر تھا، اس میں یہ بھی تھا: "اور بیشک (قاتل) مرد کو (مقتولہ) عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔" [۲]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔" [۳]

بعض لوگوں نے اس آیت (یعنی جان کے بدلے جان) سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا، مگر سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔" (اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر مومن کا کفو (برابر) نہیں ہوسکتا)۔ [۴]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کی پھوپھی ربیعؓ نے ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا، انھوں نے لڑکی کے خاندان سے معافی کا مطالبہ کیا، لیکن خاندان والوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بھی فرما دیا کہ اس کا قصاص دینا

۱۔ (علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، بتحقیق احمد شاکر، رقم الحدیث: ۲۲۶۹۱۔۲۲۶۰۰، مطبوعہ دار الحدیث: قاہرہ)

۲۔ [نسائی، کتاب القسامۃ، باب ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول۔۔الخ: ۴۸۵۷۔ مستدرک حاکم: ۱/۳۹۷، ح: ۱۴۴۷۔ ابن حبان: ۶۵۵۹]

۳۔ [أبوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی السریة ترد علی أهل العسکر: ۲۷۵۱۔ ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب المسلمون تتکافأ دماؤهم: ۲۶۸۳۔ مسند أحمد: ۲/۱۸۰، ح: ۶۷۰۱]

۴۔ [بخاری، کتاب العلم، باب کتابة العلم: ۱۱۱]

ہوگا۔تو اس کے بھائی انس بن نضرؓ نے کہا، کیا اس کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "انس! اللہ کی کتاب میں قصاص کا یہی حکم ہے۔" اس نے عرض کی، نہیں، اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔تو بعد ازاں عورت کے خاندان کے لوگ راضی ہو گئے، انھوں نے معاف بھی کر دیا اور قصاص کا مطالبہ بھی ترک کر دیا۔تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس پر فرمایا: "کچھ بندگان الٰہی ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو قسم دے دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری فرماتا ہے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں ایک شخص قتل کر دیا گیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قاتل کو مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا۔قاتل نے کہا، اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مقتول کے وارث سے کہا: "اگر یہ سچ کہتا ہے اور تم نے اسے قتل کر دیا تو تم دوزخ میں جاؤ گے۔" (یہ سن کر مقتول کے) وارث نے اسے چھوڑ دیا۔[2]

اس وقت مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن وسنت کے صریح خلاف ایسے احکام ایجاد کر لیے ہیں، جن کی موجودگی میں قصاص تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔انھوں نے یہ اصول بنا دیا کہ اگر کوئی تیز دھار آلے کے ساتھ قتل کرے یا آگ سے جلائے تو قصاص ہے ورنہ نہیں، چنانچہ اگر کوئی جان بوجھ کر قتل کے ارادے سے بھاری پتھر مار مار کر کسی کو قتل کر دے تو قصاص نہیں، جبکہ سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے

۱۔[بخاری، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدیۃ: ۲۷۰۳۔ مسلم، کتاب القسامۃ والمحاربین، باب إثبات القصاص فی الأسنان وما فی معناھا: ۱۶۷۵]

۲۔[ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی حکم ولی القتیل فی القصاص والعفو: ۱۴۰۷]

درمیان رکھ کر کچل دیا۔(اب لڑکی بولنے سے قاصر تھی، تاہم) اس سے پوچھا گیا کہ یہ کام اس کے ساتھ کس نے کیا ہے؟ کیا فلاں نے؟ یا فلاں نے؟ یہاں تک کہ (قاتل) یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے سر کے اشارے سے بتایا کہ ہاں اسی نے۔اب اس یہودی کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لایا گیا تو اس نے اقرار کرلیا، چنانچہ (بطور قصاص) آپ نے اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچلوا دیا۔[1]

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ : سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے پر ایک سینگ مار (کر زخم کر) دیا تو وہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا، اے اللہ کے رسول! مجھے قصاص دلا دیجیے۔آپ نے فرمایا: "(جلدی نہ کرو) یہاں تک کہ تمہارا زخم مندمل ہو جائے۔" مگر اس نے دوبارہ حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مجھے قصاص دلا دیجیے، چنانچہ آپ نے اسے قصاص دلا دیا۔اب (کچھ عرصہ کے بعد) وہ دوبارہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! میں تو لنگڑا ہو گیا ہوں۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں نے تمہیں منع کیا تھا، مگر تم نے میری نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دور کر دیا، اب تمھارا لنگڑا پن رائگاں جائے گا۔" اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منع کر دیا کہ اس وقت تک زخم کا قصاص نہ لیا جائے جب تک زخمی شخص تندرست نہ ہو جائے۔[2]

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ: معاف کر دینا گناہوں کا کفارہ ہے، سیدنا عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: "جس شخص کے جسم کا

۱۔[بخاری، کتاب الدیات، باب سؤال القاتل حتی یقر: ٦٨٧٦]
۲۔[مسند أحمد: ٢/ ٢١٧، ح: ٧٠٥٢۔السنن الکبریٰ للبیھقی: ٨/ ٦٨، ح: ١٦١١٥]

کوئی حصہ زخمی کر دیا جائے، پھر وہ اسے معاف کر دے تو جتنا اس نے معاف کیا، اللہ تعالیٰ اتنا ہی اس چیز کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کر دیتا ہے۔"[2]

﴿ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ ﴾

پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا۔ توراۃ میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں راہنمائی اور روشنی تھی اور وہ (انجیل) بھی توراۃ میں جو کچھ موجود تھا اس کی تصدیق کرنے والی تھی اور تقویٰ اختیار کرنیوالے لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور

۱۔[مسند أحمد: ۵/۳۱۶، ح: ۲۲۷۶۷۔ السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: (فمن تصدق فھو کفارۃ لہ): ۱۱۱۴۶]

۲۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب العفو والتواضع: ۲۵۸۸]

نصیحت تھی۔

ربط آیات: یہود کی شرارتوں اور خباثتوں کے ذکر کے بعد نصاریٰ کے انحراف اور کجروی کا بیان ہے کہ جس طرح یہود اپنی آسمانی کتاب توراۃ سے منحرف ہیں اسی طرح نصاریٰ بھی اپنی آسمانی کتاب انجیل سے منحرف ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لیے بہت سے انبیاء بھیجے اور ان سب کے بعد عیسیٰ (علیہ السلام) مبعوث ہوئے، جن کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا کی اور جنھوں نے توراۃ کی تصدیق کی اور اس کے بعض احکام کو انجیل میں نازل شدہ آیات کے ذریعے منسوخ قرار دیا۔

خطیبؒ نے ابوالشیخؒ سے لفظ آیت وقفینا علی اثارھم کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے ان کے بعد عیسیٰؑ کو بھیجا۔

امام طستیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نافع بن ارزقؒ نے ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت وقفینا علی اثارھم کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم نے انبیاء کے آثار کی تابعداری کی یعنی ہم نے انبیاء کے بعد مبعوث کیا۔ پوچھا کیا عرب کے لوگ اس معنی سے واقف ہیں فرمایا ہاں کیا تو نے عدی بن زیدؒ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا۔ یوم قفت عیرھم من عیرنا واحتمال الحی فی الصبح فلق ترجمہ: جس دن اس کے اونٹ ہمارے اونٹوں کے پیچھے چلے اور صبح کے وقت قبیلہ کی مصیبت پھٹنا تھی۔

﴿ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور واجب ہے کہ اہل انجیل بھی فیصلہ کریں اس کے مطابق، جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اہل انجیل کے لیے اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے فیصلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انجیل میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق جو پیشین گوئیاں اور دلائل اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں ان کو چھپانے یا ان کی غلط تاویلیں کرنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ انجیل کے حکم کے مطابق مسلمان ہو جائیں اور قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کریں اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ نافرمان ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب میں نازل شدہ اللہ کا حکم نہیں مانا۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ: یعنی ہم نے انھیں اس لیے انجیل دی تھی کہ وہ اپنے زمانے کے لوگوں کو اس کے مطابق حکم دیں، ارشاد فرمایا: (قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ) [المائدۃ: ۶۸] "کہہ دے اے اہل کتاب! تم کسی چیز پر نہیں ہو، یہاں تک کہ تم توراۃ اور انجیل کو قائم کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا۔" اور فرمایا: (اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)[الاعراف:۱۵۷]" وہ جواس رسول کی پیروی کرتے ہیں، جوامی نبی ہے، جسے وہ اپنے پاس توراۃ اورانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جوانھیں نیکی کا حکم دیتا اورانھیں برائی سے روکتا ہے اوران کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اوران پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اوران سے ان کا بوجھ اوروہ طوق اتارتا ہے جوان پر پڑے ہوئے تھے۔ سووہ لوگ جواس پر ایمان لائے اوراسے قوت دی اوراس کی مدد کی اوراس نور کی پیروی کی جواس کے ساتھ اتارا گیا، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

امام ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ سے مراد ہے انجیل والوں میں سے لفظ آیت فاولئک ھم الفسقون یعنی الکاذبون جھوٹ بولنے والے۔ ابن زیدؒ نے کہا کہ ہر چیز قرآن میں فاسق سے مراد جھوٹا ہے مگر تھوڑا ایسا ہے (جواس کے خلاف ہے) اوراللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا لفظ آیت ان جاءکم فاسق بنبا (الحجرات ٦) یہاں بھی فاسق سے مراد جھوٹا ہے۔

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِيۡ مَاۤ اٰتٰىكُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۸﴾

"اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ بھیجی، اس حال میں کہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور اس پر محافظ ہے، پس ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک امت بنا دیتا لیکن وہ تمہیں اس میں آزماتا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے، پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔"

ربط آیات:

اس سے پہلے توراۃ اور انجیل کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اللہ نے فرمایا جب توراۃ نازل ہوئی تو اس کے دور میں اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری تھا' پھر جب انجیل نازل ہوئی' تو اس پر ایمان لا کر اس کے احکام کی تعمیل لازم تھی۔ مگر ان دونوں گروہوں نے اپنی اپنی کتابوں کو پس پشت ڈال کر معاملات کے فیصلہ

جات اپنی مرضی سے کرنے شروع کر دیے بلکہ الٹا ان مقدس کتابوں میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر دل سے یقین نہیں رکھتا' وہ قطعی کافر ہے اور جو ان پر ایمان لانے کے باوجود ان کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ توراۃ و انجیل کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی یک حقانیت کا تذکرہ کیا ہے اور اہل ایمان کو تاکید ہے۔ کہ وہ سابقہ کتب کے حاملین والا رویہ اختیار نہ کریں بلکہ اللہ کی اس آخری کتاب پر صدق دل سے ایمان لائیں اور اس کے احکام پر عمل کریں۔ یہود و نصاری کی طرح تحریف جیسی قبیح چیز سے پرہیز کریں۔

شانِ نزول: (آیت) "وانزلنا الیک الکتب"

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گیا تو کعب بن اسید، عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس وغیرہ جو یہود کے مقتدر علماء تھے، مشورہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے تنازع کے فیصلہ کی درخواست کی اور کہا کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم یہود کے بڑے عالم اور ان کے سردار ہیں۔ آپ ہماری عزت و شرافت سے بھی واقف ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہودی قوم ہمارے اختیار و اقتدار میں ہے اور اگر آپ اس مقدمے میں ہمارے موافق فیصلہ کر دیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ اگر ہم نے آپ کا دین قبول کر لیا تو ہماری تقلید میں سب یہودی اسلام لے آئیں گے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے اس رشوتی اسلام کو منظور نہ فرمایا اور ان کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ [1]

ا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی 2 / 345)

قرآن مجید تمام آسمانی کتابوں کی منزل من اللہ ہونے کی تائید کرتا ہے، ان کے غیر منسوخ احکام کی توثیق کرتا ہے اور منسوخ احکام کی وضاحت کرتا ہے۔ ان میں موجود اصول ومبادی کی حفاظت کرتا ہے، ان سب کا امین اور نگران ہے، اس لیے اب صرف قرآن بتاتا ہے کہ ان سابقہ آسمانی کتابوں کے کون سے احکام قابل عمل ہیں اور کون سے ترک کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے اے میرے رسول! آپ ان کے درمیان صرف قرآن کے ذریعے فیصلہ کریں اور حق سے منحرف ہو کر گزشتہ اہل ادیان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ: "مُهَيْمِنًا" کے معنی محافظ، نگران اور شاہد کے آتے ہیں۔ قرآن پاک کتب سابقہ کا محافظ ہے اور جو احکام اور قوانین ان کے ذریعے نازل کیے گئے تھے ان کی نقلاً اور عملاً حفاظت کرتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ اہل کتاب نے کہاں کہاں تحریف کی اور کیا کیا تحریف کی اور پھر صرف یہی نہیں بتاتا ہے بلکہ ان تحریف شدہ احکام وقوانین کو از سر نو نافذ کر کے عملاً ان کی حفاظت کرتا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب یہودیوں کے درمیان زنا کے ایک مقدمہ میں رجم کا حکم دیا تو اس عملی حفاظت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا تھا۔

سیدنا براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے اللہ! میں نے سب سے پہلے تیرے اس حکم کو زندہ کر دیا جسے یہودیوں نے فوت کر دیا تھا۔"[1]

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ: اس سے پہلے آیت نمبر (۴۲) میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ ان کے معاملات کے فیصلے کریں یا نہ کریں، آپ کی مرضی ہے، لیکن اب اس کی

۱۔ [مسلم، کتاب الحدود، باب رجم الیھود أھل الذمۃ فی الزنیٰ: ۱۷۰۰]

جگہ یہ حکم دیا جارہا ہے کہ ان کے آپس کے معاملات میں بھی قرآن کریم کے مطابق فیصلے فرمائیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

(فَاِنْ جَاءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ)[المائدۃ:٤٢] "پھر اگر وہ تیرے پاس آئیں، تو ان کے درمیان فیصلہ کر، یا ان سے منہ پھیر لے" پھر اسے منسوخ کر دیا گیا اور فرمایا: (فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ)[المائدۃ:٤٨] "پس ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا۔"[١]

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا : اس سے مراد پچھلی شریعتیں ہیں جن کے بعض فروعی احکامات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک شریعت میں بعض چیزیں حرام تو دوسری میں حلال تھیں، بعض میں کسی مسئلے میں تشدید تو دوسری میں تخفیف، لیکن دین سب کا ایک یعنی توحید پر مبنی تھا۔ اس لحاظ سے سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ اس مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(ہم) انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں، جن کی مائیں (یعنی شریعتیں) الگ الگ اور ان کا دین ایک ہے۔"[٢]

علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں مختلف ہوں، باپ ایک ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین ایک ہی تھا اور شریعتیں (دستور اور طریقے) مختلف تھیں، لیکن شریعت محمدیہ کے بعد اب ساری شریعتیں منسوخ ہوگئیں ہیں اور اب دین بھی ایک ہے اور شریعت بھی ایک۔

١۔[أبوداؤد، کتاب القضاء، باب الحکم بین أھل الذمۃ: ٣٥٩٠]

٢۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (واذکر فی الکتب مریم۔۔الخ): ٣٤٤٣]

﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ ﴾

پس اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق، ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں، جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں، ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔

شان نزول: (آیت) "۔وان احکم بینہم بما انزل اللہ"

ابن اسحاق ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ کعب بن اسید اور عبداللہ بن صوریا اور شاش بن قیس نے کہا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس چلو، ممکن ہے کہ ہم ان کے دین میں کوئی فتنہ پیدا کر سکیں، چنانچہ یہ آئے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہودیوں کے عالم

اوران کے سردار ہیں، اگر ہم آپ کی اتباع کرلیں گے تو تمام یہود آپ کی اتباع کرلیں گے اور کوئی بھی ہماری مخالفت نہیں کرے گا، البتہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان کچھ اختلاف ہیں، ہم ان میں آپ کو فیصل بناتے ہیں، آپ ہماری حمایت میں ان کے خلاف فیصلہ کردیں، ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، (جب کہ ان کا ایمان لانے کا ارادہ نہیں تھا) تب اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق، آیت نازل فرمائی کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمایا کیجیے۔ (الخ)۔

امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام ؒ متوفی ۲۱۳ ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق ؒ بیان کرتے ہیں کہ کعب بن اسد' ابن صلوبا' عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا: چلو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جائیں۔ شاید ہم ان کو ان کے دین سے ورغلانے میں کامیاب ہوں' کیونکہ وہ بشر ہیں' وہ گئے اور آپ سے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے معزز علماء اور سردار ہیں اور اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو تمام یہود آپ کی پیروی کریں گے اور ہماری مخالفت نہیں کریں گے' ہمارا اپنی قوم کے بعض لوگوں سے جھگڑا ہے' ہم آپ کو اس مقدمہ میں حاکم بنائیں گے۔ آپ ہمارے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ کردیں' تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کردیا۔ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (المائدہ: ۵۰۔۴۹) ---[1]

یعنی یہ اہل کتاب آپس میں دست وگریباں رہیں گے، مگر آپ ان کے باہمی اختلاف سے متاثر نہ ہوں

۱۔ (السیرۃ النبویہ' ج۲' ص۱۸۰۔۱۷۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' جامع البیان' جز۶ ص۱۵۴ دارالفکر' بیروت' اسباب النزول اللواحدی' ص۲۰۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اور اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے کسی گروہ کو خوش کرنے، یا ان سے مصالحت کی کوئی خواہش آپ کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم سے دور کر دے۔

وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ: کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ دھوکا دے کر آپ کو باطل کی طرف مائل کر دیں۔ ان کی دھوکا دہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا)[النساء:۱۱۳] "اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً ان کے ایک گروہ نے ارادہ کر لیا تھا کہ تجھے گمراہ کر دیں، حالانکہ وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں کر رہے اور تجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا رہے اور اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور تجھے وہ کچھ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر ہمیشہ سے بہت بڑا ہے۔"

اور فرمایا: (اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا)[النساء:۱۰۵،۱۰۶] "بیشک ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دکھایا ہے اور تو خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑنے والا نہ بن۔ اور اللہ سے بخشش مانگ، یقیناً اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔"

مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ: یعنی اب انھی احکام کی پیروی ضروری ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

پر نازل ہوئے ہیں۔اب نہ توراۃ پر عمل کیا جا سکتا ہے اور نہ انجیل پر۔اب راہ نجات صرف ایک ہے اور وہ شریعت ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوئی ہے، ارشاد فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا)[النساء:٤٧] "اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی ہے! اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے، اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں، پھر انھیں ان کی پیٹھوں پر پھیر دیں، یا ان پر لعنت کریں، جس طرح ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم ہمیشہ (پورا) کیا ہوا ہے۔" اور فرمایا: (يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)[المائدۃ:١٩] "اے اہل کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے، جو تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے، رسولوں کے ایک وقفے کے بعد، تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ ڈرانے والا، تو یقیناً تمہارے پاس ایک خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔" اور فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا)[النساء:١٧٠] "اے لوگو! بلاشبہ تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، پس تم ایمان لے آؤ، تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر کفر کرو تو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال

حکمت والا ہے۔"

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ﴾

کیا یہ جاہلیت کے حکم کو چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا ان لوگوں کے لیے کون ہے جو یقین کرتے ہیں۔

شان نزول: (آیت) "افحکم الجاھلیۃ یبغون"

بعض اہل روایت نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی قریظہ اور بنی نضیر کے حق میں ہوا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے درخواست کی تھی کہ ان کا فیصلہ وہی کیا جائے جو اہل جاہلیت (دورِ اسلامی سے پہلے کے لوگ) کرتے تھے کہ جدا جدا قبائل کے مقتولوں میں نیچ اونچ کا لحاظ رکھتے اور ایک قبیلہ کے مقتول کو دوسرے قبیلے کے مقتول سے (قصاص اور دیت کے لحاظ سے) بڑا چھوٹا قرار دیتے تھے۔ آیت میں استفہام انکاری ہے یعنی (حکم جاہلیت کی طلب نہ کرنی چاہیے) آپ ایسا نہ کریں۔

امام عبد بن حمیدؒ نے، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت افحکم الجاھلیۃ یبغون سے یہودی مراد ہیں۔

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت افحکم الجاھلیۃ یبغون کے بارے میں فرمایا کہ یہ

یہود کے مقتول کے بارے میں ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں طاقت والا کمزور کو اور غالب ذلیل کو کھا جاتا ہے۔ فرمایا لفظ آیت افحکم الجاھلیۃ یبغون (کیا پھر یہ لوگ دور جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں)۔

امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا لوگوں میں سب سے ناپسندیدہ آدمی ہے وہ جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اپناتا ہے۔ اور کسی آدمی کو ناحق تلاش کرتا ہے تاکہ اس کا خون بہادے۔

امام ابوالشیخؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ حکم دو ہیں ایک حکم اللہ کا ہے اور دوسرا حکم جاہلیت کا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی لفظ آیت افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے عروہؒ سے روایت کیا کہ جاہلیت کو عالمیت کہا جاتا یہاں تک کہ ایک عورت آئی اور کہنے لگی یارسول اللہ زمانہ جاہلیت میں اس طرح تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے ذکر کو نازل فرمایا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ ﴾

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان کو اپنا دوست بنائے گا تو وہ انہی میں سے ہے۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ربط آیات:

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت بیان فرمائی ہے۔اوران کی خباثتوں کا ذکر کیا۔ دین کی تحریف۔کتمان حق،نقض عہداورتغیراحکام ان کامحبوب مشغلہ تھا۔منافقین کے متعلق بھی پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا' وہ اپنی زبانوں سے ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر در پردہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ رابطہ ہے۔اب آج کی آیات میں یہود ونصاری کے ساتھ دوستی قائم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔اللہ نے فرمایا کہ ان کی واضح خباثتوں کے بعد یہ لوگ دوستانے کے قابل نہیں رہے اسی طرح ان منافقین کے ساتھ بھی دوستانہ روابط سے منع فرمایا گیا ہے۔

شان نزول: (آیت) "۔یایھا الذین امنوالاتتخذ واالیھوداوالنصری"

ابن اسحاق ؒ ،ابن جریرؒ،ابن ابی حاتم اور بیہقی ؒ نے عبادہ بن صامت ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب بنی قینقاع کی لڑائی ہوئی تو عبداللہ بن ابی بن سلول نے اس میں بڑی دلچسپی لی اوران کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا تو حضرت عبادہ بن صامت ؓ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اوراللہ تعالیٰ اوراس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ان کی دوستی سے برأت ظاہر کی اور حضرت عبادہ بن عوف، بنوالخزرج سے تھے اوران لوگوں کی قسموں کی طرف سے ان کو وہ فضیلت جو عبداللہ بن ابی بن سلول کو تھی چنانچہ ان لوگوں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے قسمیں کھائیں اور کفار کی قسموں اوران کی دوستی سے برأت ظاہر کی،سورہ مائدہ کی یہ آیت حضرت عبادہ اور عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی، اے ایمان والوتم یہود ونصاری کو دوست مت

بناؤ الخ۔۔۔[1]

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام ؒ متوفی ۲۱۳ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ولید بن عبادہ بن الصامت نے بیان کیا کہ جب بنو قینقاع نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی ابن سلول نے بنو قینقاع کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت میں کھڑا ہوا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئے اور وہ بھی بنو عوف کے ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عبد اللہ بن ابی کی طرف سے ان کی حمایت کرنے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ انھوں نے اس حلف کو توڑ دیا اور اللہ عزوجل اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خاطر ان کے حلف سے بری ہو گئے۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اللہ، اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھتا ہوں اور ان کافروں کے حلف اور ان کی دوستی سے بری ہوتا ہوں۔ سو حضرت عبادہ بن الصامت اور عبد اللہ بن ابی کے متعلق سورہ المائدہ: ۵۳۔۵۱ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔[2]

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قطعی طور پر مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرما دیا ہے اور حسب ذیل آیتوں میں بھی اس پر دلیل ہے:

(آیت) "ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار"۔ (ھود: ۱۱۳)

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح))

۲۔ (السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۵۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جامع البیان، جز ۶ ص ۳۷۳ دار الفکر، بیروت، اسباب النزول القرآن اللواحدی، ص ۲۰۱۔۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: ظالم لوگوں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ پہنچے گی۔

(آیت) "لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیآء من دون المؤمنین"۔ (آل عمران: ۲۸)

ترجمہ: ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

(آیت) "لا تتخذ وا بطانۃ من دونکم"۔ (آل عمران: ۱۱۸)

ترجمہ: اپنے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔

(آیت) "یایھا الذین امنوا لا تتخذ وا عدوی وعدوکم اولیآء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جآءکم من الحق"۔ (الممتحنہ: ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انھیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انھوں نے اس حق کے ساتھ کفر کیا ہے جو تمہارے پاس آچکا ہے۔

(آیت) "لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوآدون من حآد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰبآءھم اوابنآءھم اواخوانھم اوعشیرتھم"۔ (المجادلۃ: ۲۲)

ترجمہ: جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ انھیں اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھنے والوں کے ساتھ محبت کرنے والا نہ پائیں گے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے، یا ان کے بھائی ہوں یا قریبی رشتہ دار۔

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قشیریؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہود اور نصاری کو

ابتداء سلام نہ کرو' جب تم ان میں سے کسی سے راستہ میں ملو تو اسے تنگ راستے پر چلنے میں مجبور کرو۔ [1]

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مومن کے سوا کسی کو ساتھ نہ بناؤ اور متقی کے علاوہ اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔ [2]

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی ؒ متوفی ۴۵۸ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو شخص مشرکین کے ساتھ ٹھہرا' اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ [3]

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم اپنی انگوٹھیوں میں عربی کو نقش نہ کرو' اور مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ حضرت انس ؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اپنی انگوٹھیوں میں محمد نہ لکھواؤ اور اپنے معاملات میں مشرکین سے مشورہ نہ کرو۔ [4]

عیاض اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے پاس ایک نصرانی کاتب تھا۔ حضرت عمر ؓ اس کی کتابت سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ ؓ نے کہا حضرت عمر ؓ نے مجھے ڈانٹا اور میری ران پر ضرب لگائی اور فرمایا: اس کو نکال دو اور یہ آیت پڑھی اے ایمان والو! اپنے اور میرے دشمن کو دوست

۱۔ (صحیح مسلم' السلام' ۱۳' (۲۱۶۷) ۵۵۵۷) سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۰۸' صحیح ابن حبان ۵۰۰' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۶۲۱' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۱۹۴۵۷' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۱۱۱' سنن کبری للبیہقی ج ۹' ص ۲۰۳)

۲۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۰۳' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۸۳۲' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۱۳۳۶' شعب الایمان' رقم الحدیث: ۹۳۸۲)

۳۔ (شعب الایمان ج ۷ ص رقم الحدیث: ۹۳۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۱۰)

۴۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۷۵)

نہ بناؤ (الممتحنہ:۱) اور یہ آیت پڑھی:

اے ایمان والو: یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں' تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے (شمار) ہوگا، بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۵۱)

حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا بخدا میں اس سے دوستی نہیں رکھتا' یہ صرف کتابت کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تمہیں مسلمانوں میں کوئی کاتب نہیں ملا تھا؟ جب اللہ نے ان کو دور کر دیا ہے تو تم ان کو قریب نہ کرو' اور جب اللہ نے ان کو خائن قرار دیا ہے تو تم ان کو امین نہ بناؤ؟ اور جب اللہ نے ان کو ذلیل کیا ہے تو تم ان کو عزت مت دو۔ سنن کبریٰ کی آداب القضاء میں ہم نے اس حدیث کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ [1]

ابوسلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا اللہ کے دشمنوں یہود اور نصاریٰ سے ان کی عید اور ان کے اجتماع کے دنوں میں ان سے اجتناب کرو' کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے' مجھے خدشہ ہے کہ تم پر بھی وہ غضب نہ آجائے' اور ان کو اپنے راز نہ بتاؤ۔ ورنہ تم بھی ان کے اخلاق اختیار کرلو گے۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا جس شخص نے عجمیوں کے ملک میں نشوونما پائی' اور ان کے نو روز اور مہرجان کو منایا اور ان کی مشابہت اختیار کی اور اسی طریقہ پر مر گیا تو وہ قیامت کے دن اسی طرح اٹھایا جائے گا۔ [3]

۱۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۴)

۲۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۵)

۳۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۷)

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خشعم کی طرف ایک لشکر بھیجا' وہاں کے لوگوں نے مسجدوں میں پناہ لینی شروع کردی' لشکر نے ان کو جلدی جلدی قتل کرنا شروع کردیا' جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے لیے آدھی دیت کا حکم فرمایا اور فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے' صحابہ ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کس لیے؟ آپ نے فرمایا ان دونوں کے (چولہوں کی) آگ اکٹھی نہ دکھائی دے۔

حضرت سمرۃ بن جندب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مشرکین کے ساتھ سکونت نہ کرو' نہ ان کے ساتھ جمع ہو' جس نے ان کے ساتھ سکونت رکھی یا ان کے ساتھ جمع ہوا وہ ان کی مثل ہے۔ [1]

علامہ تفتازانی ؒ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایک قوم اسلام لانے کے بعد مکہ میں مشرکین کے ساتھ رہتی تھی۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرک کے ساتھ رہتا ہو۔ پوچھا گیا' کیوں؟ تو آپ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک ساتھ دکھائی نہ دے' یعنی یہ واجب ہے کہ جب ایک آگ جلائے تو دوسرا نظر نہ آئے' وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنی دور رہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری ؒ نے کہا ہے کہ واجب ہے کہ مسلمان کا گھر مشرک کے گھر سے دور ہو' اور جب اس کے گھر جلے تو اس سے مشرک کا گھر نظر نہ آئے' مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہے۔

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۱۱' ۱۶۱۰' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۶۴۵' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۷۹۴)

کفار سے دوستی کے حق میں منافقوں کے بہانوں کا بطلان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے (شمار) ہوگا۔ (المائدہ: ۵۱)

اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے دور اور الگ رہنے پر تشدید کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے منع کرنے کے باوجود جو شخص کافروں سے دوستی رکھے گا‘ وہ کافروں کی طرح اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کرے گا۔ لہٰذا کافروں کی طرح اس سے عداوت رکھنا بھی واجب ہے اور وہ بھی دوزخ کا مستحق ہوگا جیسے کافر دوزخ کے مستحق ہیں اور وہ کافروں کے اصحاب سے شمار کیا جائے گا اور یا اس لیے کہ کافروں اور یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنے والے منافق تھے اور ان کا شمار بھی کافروں میں ہوتا ہے۔

﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ ﴾

"تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے انھیں آپ دیکھیں گے کہ دوڑ کر ان میں ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت نہ آ پہنچے، قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنے پاس سے کوئی اور معاملہ تو وہ اس پر جو انھوں نے اپنے دلوں میں چھپایا، پشیمان ہو جائیں۔" (۵۲) اور اس وقت اہل ایمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور آخر کار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہے۔ (۵۳)۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہوتی ہے وہی لوگ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرتے ہیں اور دوڑ دوڑ کر ان کے پاس جاتے ہیں، اس کی علت یہ بتاتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں حالات بدل نہ جائیں اور ہم ان کے محتاج ہو جائیں۔ اس لیے ہم ان کے شر سے بچنے کے لیے پہلے ہی سے احتیاط کرتے ہیں۔ حالانکہ انھیں یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و نصرت دے اور یہود و نصاریٰ پر جزیہ واجب کر دیا جائے، تو اس وقت ان منافقین کو اپنے کیے پر ندامت ہوگی اور اس وقت ان کا باطن ظاہر ہو جائے گا اور مسلمان تعجب کریں گے کہ کس طرح یہ لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے تھے، قسمیں کھایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ ان (منافقین) کے سارے اعمال ضائع ہو گئے، انھوں نے اپنی دنیا بھی برباد کی اور آخرت بھی۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ:

یعنی مسلمانوں کو شکست ہو جائے اور اس کی وجہ سے ہمیں بھی کچھ نقصان اٹھانا پڑے، یہودیوں سے دوستی ہوگی تو ایسے موقع پر ہمارے بڑے کام آئے گی۔ یہ درحقیقت ان کا فریب ہے، وہ ایمان والوں کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں، ارشاد فرمایا: (يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ)[البقرۃ:۹] "اللہ سے دھوکا بازی کرتے ہیں اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے، حالانکہ وہ اپنی جانوں کے سوا کسی کو دھوکا نہیں دے رہے اور وہ شعور نہیں رکھتے۔" ارشاد فرمایا: (وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ)[التوبۃ:۵۶] "اور وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ بیشک وہ ضرور تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں اور لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے ہیں۔" منافقین زمانہ کی جس گردش سے بچنا چاہتے تھے اس گردش نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا، ارشاد فرمایا: (وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا)[الفتح:۶] "اور (تاکہ) ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے بارے میں گمان کرنے والے ہیں، برا گمان، انھی پر بری گردش ہے اور اللہ ان پر غصے ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنم تیار کی اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔"

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ: "اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ" میں جس امر کا ذکر ہے اس میں عذاب الٰہی بھی آسکتا ہے اور مندرجہ ذیل حکم بھی آسکتا ہے جو اللہ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیا، ارشاد فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ)[التحریم:۹] "اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کر اور ان پر سختی کر اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔"

امام ابن جریرؒ، ابن منذر اور ابن ابی حاتمؒ نے عطیہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فتری الذین فی قلوبھم مرض سے مراد عبداللہ بن ابی جیسے لوگ ہیں۔ (اور فرمایا) لفظ آیت یسارعون یعنی ان کی دوستی میں جلدی کرتے ہیں۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابن ابوالشیخؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت فتری الذین فی قلوبھم مرض کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ منافق ہیں جو یہودیوں سے نرم برتاؤ کرتے اور ان کی طرف سے جھگڑتے ہیں۔ جلدی کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو ان کے دودھ پلاتے ہیں۔ لفظ آیت یقولون نخشی وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کبھی حالات یہودیوں کے حق میں ہوں۔ لفظ آیت فعسی اللہ ان یاتی بالفتح قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح کو لے آئیں عام لوگوں پر۔ لفظ آیت او امر من عندہ خاص کر منافقین کے لیے (کہ ان کے پوشیدہ راز ظاہر کر دیں) لفظ آیت فیصبحوا یعنی لفظ آیت منافقون علی ما اسرروا فی انفسھم جو یہودیوں کے بارے میں اپنی محبت چھپاتے ہوں گے۔ لفظ آیت ندمین اس پر نادم ہوں۔

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فتری الذین فی قلوبھم مرض میں مرض سے مراد شک ہے۔ لفظ آیت یقولون نخشی ان تصیبنا دائرۃ میں دائرہ سے مراد ہے مشرکین کا غلبہ ہو جائے ان (مسلمان) پر لفظ آیت فعسی اللہ ان یاتی بالفتح یعنی فتح مکہ لفظ آیت او امر من عندہ میں امر سے جزیہ مراد ہے۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن زید اور ابوالشیخ ؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فتری الذین فی قلوبھم مرض سے مراد ہے کہ منافقین میں سے کچھ لوگ یہودیوں سے دوستی لگاتے تھے اور مسلمانوں کو چھوڑ کر یہودیوں کے ساتھ خیر خواہی کا اظہار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت فعسی اللہ ان یاتی بالفتح یعنی فیصلہ (آجائے فتح کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے) لفظ آیت اوامر من عندہ فیصبحو اعلی ما اسروا فی انفسھم ندمین (یا کوئی اور خاص بات اپنی طرف سے) پھر یہ منافق اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر پشیمان ہوں گے۔

امام ابن سعدؒ، سعید بن منصور اور ابن ابی حاتم ؒ نے عمروؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ابن الزبیرؓ کو یوں پڑھتے ہوئے سنا۔ لفظ آیت فعسی اللہ ان یاتی بالفتح اوامر من عندہ فیصبحو اعلی ما اسروا فی انفسھم من موادتھم الیھود ومن غمھم الاسلام واھلہ ندمین یعنی ان کے دل چھپائے ہوئے ہیں ان کی دوستیوں کو یہود سے اور ان کا غم اسلام سے اور مسلمانوں سے (ان کے ظاہر ہونے پر) جو لوگ نادم ہوں گے۔

سعید بن منصور اور ابن ابی حاتم ؒ نے عمروؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ابن زبیرؓ کو یوں پڑھتے ہوئے سنا لفظ آیت فعسی اللہ ان یاتی بالفتح اوامر من عندہ فیصبحو االفساق علی ما اسروا فی انفسھم ندمین عمروؒ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ یہ ان کی قرأت تھی یا انھوں نے تفسیر کی۔

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں پر غلبہ عطا فرمایا اور یہودیوں کو قتل کرنے اور جلاوطن کرنے کا حکم دیا گیا تو مسلمانوں نے یہودیوں کو جھڑکتے ہوئے منافقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے لیے پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف تمہاری مدد کریں گے' یا مسلمانوں نے ایک دوسرے سے کہا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ

کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ اب اللہ تعالیٰ نے نفاق کا پردہ چاک کر دیا اور یہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ کیونکہ انھیں ثواب کے بدلہ عذاب ہوگا۔ اور دنیا میں یہودیوں کے قتل اور جلاوطن ہونے کے بعد ان کا کوئی سہارا نہ رہا' اور یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے انھیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ ﴾

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، ایمان والوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

شان نزول: (آیت) "من یرتد منکم عن دینہ"

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ نے ابن منذرؒ، ابوالشیخؒ، بیہقی اور ابن عساکرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری جبکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ لوگوں میں عنقریب مرتد ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وفات دی تو عام عرب اسلام سے مرتد ہو گئے سوائے تین مسجدوں کے اہل مدینہ اہل جواثی (قبیلہ) عبدالقیس میں سے اور مرتد ہونے والوں نے کہا ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوۃ نہیں دیں گے۔ اللہ کی قسم وہ ہمارے مالوں کو غضب کرنا چاہتا ہے۔ اس بارے میں ابوبکرؓ سے بات کی گئی تا کہ آپ ان سے درگزر کریں اور ان سے کہا گیا کہ یہ زکوۃ کی ادائیگی کی حکمت کو سمجھ جائیں گے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم میں دو ایسی چیزوں میں جدائی نہیں کروں گا جن کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا۔ اللہ کی قسم اگر انھوں نے ایک رسی کو بھی روک لیا ان چیزوں میں سے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے فرض کیا ہو تو میں ضرور ان سے لڑوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کے ساتھ جماعتیں بھیج دیئے۔ وہ ان سے لڑے یہاں تک کہ انھوں نے زکوۃ کا اقرار کر لیا۔ قتادہؒ نے فرمایا ہم یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوبکرؓ اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ لفظ آیت فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ آیت کے آخر تک۔

عہد رسالت اور بعد کے مرتدین کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جو کافروں کے ساتھ دوستی رکھے گا' اس کا ان ہی میں شمار ہوگا اور اس آیت میں صراحتاً فرما دیا' جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے گا' اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں بھی کچھ لوگ مرتد ہوئے اور کچھ آپ کے بعد مرتد ہوئے۔

علامہ زمخشریؒ نے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علامہ جاراللہ محمود بن عمر زمخشریؒ متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

مرتدین کے گیارہ فرقے تھے' تین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں تھے۔

ایک فرقہ بنو مدلج تھا' ان کا رئیس ذوالحمار تھا اور یہی اسود عنسی تھا۔ یہ شخص کاہن تھا' اس نے یمن میں نبوت کا دعوی کیا اور ان شہروں پر غلبہ پالیا' اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعض عاملوں کو نکال دیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور یمن کے سرداروں کے نام خط لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فیروز دیلمی کے ہاتھوں میں اس کو ہلاک کرا دیا' انھوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جس رات وہ قتل ہوا' اسی رات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے قتل کی خبر مسلمانوں کو دے دی تھی' جس سے مسلمان خوش ہوئے' پھر اس کے دوسرے روز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رفیق اعلی سے واصل ہو گئے' اور وہاں سے اس کی خبر ربیع الاول کے آخر میں پہنچی تھی۔

دوسرا فرقہ بنو حنیفہ ہے۔ یہ مسیلمہ کی قوم تھی' اس نے نبوت کا دعوی کیا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف مکتوب لکھا' "از مسیلمہ رسول اللہ برائے محمد رسول اللہ' بعد ازیں یہ کہنا ہے کہ یہ زمین آدھی آپ کی ہے اور آدھی میری ہے"۔ رسول اللہ نے اس کا جواب دیا' از محمد رسول اللہ برائے مسیلمہ کذاب' بعد ازیں یہ کہنا ہے کہ تمام زمین اللہ کی ملکیت ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے' اس کا وارث بناتا ہے' اور نیک انجام متقین کے لیے ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کے ساتھ اس سے جنگ کی اور یہ حضرت حمزہؓ کے قاتل۔ حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت وحشیؓ کہتے تھے میں نے اپنی جاہلیت کے زمانہ میں سب سے نیک شخص کو قتل کیا اور اپنے اسلام کے زمانہ میں سب سے بدتر شخص کو قتل

کیا۔

تیسرا فرقہ بنو اسد تھا' یہ علیحہ بن خویلد کی قوم تھی' اس شخص نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے جنگ کے لیے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا' یہ شکست کھانے کے بعد شام بھاگ گیا' پھر مسلمان ہو گیا اور اس نے نیک عمل کیے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مرتدین کے ساتھ فرقے تھے۔

(۱) عینہ بن حصن کی قوم فزارہ۔

(۲) قرہ بن قشیری کی قوم غطفان۔

(۳) فجاءۃ بن عہد یالیل کی قوم بنو سلیم۔

(٤) مالک بن نویرہ کی قوم بنو یربوع۔

(٥) سجاح بنت المنذر۔ یہ وہ عورت تھی جس نے نبوت کا دعوی کیا اور مسیلمہ کذاب سے نکاح کیا اور اس کی قوم تمیم کے بعض لوگ۔

(٦) اشعث بن قیس کی قوم کندہ۔

(٧) حطیم بن زید کی قوم بنو بکر بن وائل' یہ بحرین میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں ان ساتوں مرتد فرقوں کا مکمل استیصال کرا دیا۔ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک شخص مرتد ہوا تھا' یہ غسان کی قوم کا جبلہ بن ایہم تھا' اس کو ایک تھپڑ نے نصرانی بنا دیا اور یہ اسلام سے مرتد ہو کو روم کے شہروں کی طرف نکل گیا' جبلہ کی چادر پر ایک شخص کا پیر پڑ گیا' اس نے اس کے تھپڑ مارا' اس شخص نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی' حضرت عمرؓ نے فرمایا اب یہ تمہارے تھپڑ مارے گا' اس نے تھپڑ کے بدلہ میں دس ہزار درہم

کی پیشکش کی، مگر وہ شخص نہ مانا۔ جبلہ نے مہلت طلب کی اور روم جا کر مرتد ہو گیا۔ [1]

اللہ کی محبوب قوم کی مصداق میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی۔ (المائدہ: ٥٤)

اس آیت کے مصداق کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکرؓ اور ان کے اصحابؓ ہیں:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وصال کے بعد اہل مدینہ اہل مکہ اور اہل بحرین کے سوا عام عرب اسلام سے مرتد ہو گئے۔ انھوں نے کہا ہم نماز پڑھیں گے اور زکوۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرض کیا ہے، اگر اس میں سے یہ ایک رسی بھی نہ دیں تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے قتال کیا، حتیٰ کہ انھوں نے زکوۃ دینے کا اقرار کر لیا۔ [2]

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی جماعت ہے۔

عیاض اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے

۱۔ (الکشاف، ج۱ ص ٦٤٦۔٦٤٤، مطبوعہ نشر البلاغۃ، ایران، ١٤١٣ھ)

۲۔ (جامع البیان، جز٦ ص ٣٨٣۔٣٨٢، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ قوم یہ ہیں۔ [1]

تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق اہل یمن ہیں۔

محمد بن کعب قرظیؒ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے پاس ایک پیغام بھیجا' وہ ان دنوں مدینہ کے امیر تھے' ان سے اس آیت کا مصداق دریافت کیا۔ انھوں نے کہا اس سے مراد اہل یمن ہیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کاش! میں اس قوم سے ہوتا۔ [2]

امام ابن جریرؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد اہل یمن ہیں اور وہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی قوم ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث موجود ہے۔ اور امام نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکرؓ اور ان کے اصحابؓ ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر دلائل

روافض اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور امامت کا اقرار کیا وہ سب کافر اور مرتد ہیں کیونکہ انھوں نے حضرت علی (علیہ السلام) کی امامت کی نص صریح کا انکار کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ بات صحیح ہو تو لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک محبوب قوم کو لاتا جو ان سب سے جہاد کرتی اور ان کو حضرت علیؓ کی امامت اور خلافت ماننے پر مجبور کر دیتی' جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ روافض اور شیعہ کا مزعوم فاسد ہے۔

ثانیا: ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے' کیونکہ یہ آیت ان کے ساتھ

۱۔ (جامع البیان: جز ۶ ص ۳۸۳' المستدرک' ج ۲' ص ۳۱۳)

۲۔ (جامع البیان: جز ۶' ص ۳۸۲' مطبوعہ بیروت)

خاص ہے جنہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ کی اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام میں مرتدین کے ساتھ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے جنگ کی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس آیت کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اولا: اس لیے کہ آپ کے عہد میں مرتدین کے ساتھ جنگ کا واقعہ پیش نہیں آیا۔

ثانیا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا اس سے معلوم ہوا کہ وہ قوم اس وقت موجود نہیں تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابوبکرؓ تو اس وقت موجود تھے تو پھر وہ بھی مراد نہیں ہونے چاہئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس وقت موجود تھے' لیکن بہ حیثیت سربراہ موجود نہیں تھے اور ان کی حیثیت اس وقت ایسی نہیں تھی کہ مسلمانوں کو کسی پر حملہ کرنے کا حکم دیتے' اور اس آیت کے مصداق حضرت علیؓ بھی نہیں ہو سکتے' کیونکہ ان کو مرتدین کے ساتھ قتال کرنے کا اتفاق پیش نہیں آیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس نے ان کی امامت کا انکار کیا' وہ مرتد ہو گیا اور امامت کے منکرین کیخلاف انھیں نے جنگ کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا معنی یہ ہے جو شریعت اسلامیہ سے مرتد ہو جائے اور اگر مرتد کا یہی معنی کیا جائے تو حضرت علیؓ کی امامت سے مرتد ہو؟ تو پھر خلفاء ثلاثہ اور ان کے ماننے والے تمام مسلمان مرتد تھے' کیونکہ انھوں نے اس وقت میں حضرت علیؓ کی امامت کو نہیں مانا تو چاہیے تھا کہ حضرت علیؓ ان سے جنگ کرتے اور جب حضرت علیؓ نے ان سے جنگ نہیں کی' بلکہ اس کے برعکس ان کی بیعت کی اور ان سے تعاون کیا۔ اور اہل یمن بھی اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتے' کیونکہ انھوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ نہیں کی اور حدیث کا محمل یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی اس قوم میں سے

ہیں کیونکہ حضرت ابوموسی اشعریؓ بھی حضرت ابوبکرؓ کے اصحاب میں سے ہیں' اور اسی طرح دیگر اہل یمن بھی' اور اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مختص ہے۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علیؓ نے بھی مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی' وہ بہت اعلی اور افضل تھی اور اسلام میں بہت دور رس نتائج کی حامل تھی' کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی جنگ اسلام کے لیے تھی اور حضرت علیؓ کی جنگ اپنی خلافت کی بقا کے لیے تھی۔ کیونکہ یہ امر تواتر سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد اعراب مرتد ہو گئے' تو نبوت کے مدعیوں اور زکوۃ کے منکروں کے خلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تلوار اٹھائی اور مرتدین کے ساتوں فرقوں کا مکمل استیصال کیا' اور حضرت ابوبکرؓ کی جدوجہد کے نتیجہ میں اسلام کو استقامت ملی' اور شرق وغرب میں اسلام پھیلنے لگا اور تمام متمول دنیا کے حکمران مغلوب ہونے لگے' اور اسلام کے علاوہ ادیان اور ملل کے چراغ بجھنے لگے اور آفتاب اسلام پوری آب وتاب سے جگمگانے لگا اور حضرت علیؓ کی خلافت کے وقت تک اسلام پوری دنیا میں ایک غالب دین کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی مرتدین کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں وہ صرف اسلام کی نصرت اور اس کی نشر واشاعت کے لیے ہوئیں اس کے برعکس حضرت علیؓ کی جو جنگیں ہوئیں' ان کی خلافت کے منکرین کے ساتھ تھیں۔ اگر بقول شیعہ ان کو بالفرض مرتد مان بھی لیا جائے' تب بھی حضرت ابوبکرؓ کی جنگیں ان سے بہر حال افضل اور اعلی تھیں۔

اس آیت میں حضرت ابوبکرؓ کی امامت پر یہ دلیل بھی ہے کہ مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے والی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ اللہ کے محب اور اللہ کے محبوب ہیں اور جو اللہ کا محب اور محبوب ہو' وہی خلافت کا زیادہ

مستحق ہے۔

نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت یہ ذکر کی کہ وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے اور پوری امت میں سب سے زیادہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت حضرت ابوبکرؓ ہیں:

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میری امت میں امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے اور اللہ کا حکم نافذ کرنے میں سب سے زیادہ سخت ابوبکر ہیں الحدیث: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (۱)

حضرت ابوبکرؓ مومنوں پر بہت نرم تھے۔ نبوت کی ابتداء میں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ میں تھے۔ اس وقت مسلمان بہت کمزور تھے' اور حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کی طرف سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دفاع کرتے تھے۔ ہر وقت حضور کے پاس عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مشرکین سے سب سے سخت تکلیف جو پہنچی' وہ یہ تھی کہ ایک نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حطیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے' اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے اپنا کپڑا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گردن میں ڈالا اور آپ کا گلا بہت سختی سے گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ آئے اور اس کو کندھے سے پکڑ کر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پرے دھکیلا اور کہا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے۔

۱۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۸۱۶' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵۴' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۱۳۸۔ ۷۱۳۷' المستدرک' ج ۳' ص ۴۲۴'۔ یہ حدیث صحیحین کی شرط پر ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ مسند الطیالسی' رقم الحدیث: ۲۰۹۶' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۲۹۰۳' فضائل الصحابہ للنسائی' رقم ۱۸۲' سنن کبری للبیہقی' ج ۶' ص ۲۱۰' حیلۃ الاولیاء' ج ۳' ص ۱۲۲)

(غافر:۲۸)۔ [۱]

اور مسلمانوں کے ساتھ رحمت کی واضح مثال یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سات ایسے غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا جن کو اسلام لانے کی پاداش میں مکہ میں سخت عذاب دیا جاتا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں: حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت زنیرہؓ، حضرت نہدیہؓ اور ان کی بیٹی، بنو موہلؓ کی باندی اور ام عبیسؓ۔ [۲]

اور جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بہت جرات اور دلیری کے ساتھ تمام مرتدین سے جنگ کی اور صحابہ کرامؓ کے منع کرنے کے باوجود شام کی طرف لشکر روانہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت میں فرمایا: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ ہر چند کہ دوسرے خلفاء اور ائمہ نے بھی جہاد کیا ہے، لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وصال کے بعد جس نے سب سے پہلے جہاد کیا، وہ حضرت ابوبکرؓ تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت جہاد کیا، جب ملک کے اندر مانعین زکوۃ اور مرتدین کے فتنے کھڑے ہو چکے تھے، اور اس وقت ملک سے باہر فوج بھیجنے کی سب سے مخالفت کی تھی، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا شام کے خلاف فوج کشی کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حکم دیا تھا، اور میں کسی حالت میں بھی اس حکم کو موخر نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے (المائدہ:۵٤)

۱۔ (صحیح البخاری، ج۲، رقم الحدیث:۳۸۵٦)

۲۔ (الاصابہ، ج۲، ص۳٤۳)

حضرت ابوبکرؓ کے فضائل

یہ آیت بھی حضرت ابوبکرؓ کے حال کے مناسب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی آیت میں بھی حضرت ابوبکرؓ کو صاحب فضل فرمایا ہے۔ کیونکہ مسطحؓ، حضرت ابوبکرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے' یہ نادار مہاجر تھے اور بدری صحابی تھے اور حضرت ابوبکرؓ ان کی مالی امداد کیا کرتے تھے' لیکن انھوں نے بھی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے والوں کی موافقت کی' جس سے حضرت ابوبکرؓ کو بہت رنج ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنینؓ کی برات بیان کردی' تو حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ مسطح کی مالی امداد نہیں کریں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

(آیت) "ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربی والمساکین والمھجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم"۔ (النور:۲۲)

ترجمہ: اور تم میں سے صاحب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں' مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور ان کو چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا بیشک میری آرزو ہے کہ اللہ مجھے بخش دے اور میں مسطح کے ساتھ جو حسن سلوک کرتا تھا' اس کو کبھی موقوف نہیں کروں گا۔

حضرت بلالؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے' وہ حضرت بلالؓ کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو بہت ایذائیں پہنچاتا تھا' ان کو گرم زمین پر ڈال کر ان کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے

امیہ بن خلف کو اس ظلم وستم سے منع کیا' اس نے کہا اگر تم کو اس کی تکلیف ناگوار لگتی ہے تو اس کو خرید لو۔ حضرت ابوبکرؓ نے امیہ بن خلف سے ایک گراں قیمت پر حضرت بلالؓ کو خریدا اور آزاد کر دیا' اتنی بڑی قیمت پر حضرت بلالؓ کو خریدنے سے مشرکین کو حیرت ہوئی اور انھوں نے کہا ضرور بلالؓ کا ابوبکرؓ پر کوئی احسان ہوگا۔ اس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابوبکرؓ نے اتنی بھاری قیمت پر بلالؓ کو خریدا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس طعن کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

(آیت) "وسیجنبھا الاتقی، الذی یؤتی مالہ یتزکی، وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی، الا ابتغآء وجہ ربہ الاعلی، ولسوف یرضی، (اللیل:۲۱۔۱۷)

ترجمہ: اور جو سب سے زیادہ متقی ہے وہ اس (آگ) سے دور رکھا جائے گا' جو پاکیزہ ہونے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے۔ وہ صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے (مال خرچ کرتا ہے) اور وہ ضرور عنقریب راضی ہوگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا' کہ اے مشرکو! بلالؓ کے احسان کی بات کرتے ہو' ابوبکرؓ پر اس کائنات میں کسی کا کوئی دنیاوی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے' اس نے صرف اپنے رب اعلیٰ کو راضی کرنے کے لیے بلال کو خرید کر آزاد کیا ہے۔ اور اللہ عنقریب اس کو راضی کر دے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز واکرام اپنے فضل سے عطا کیا ہے' اسی طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی حضرت ابوبکرؓ کو انعامات سے نوازا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا کہ

اللہ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا کی تروتازگی میں جو وہ چاہے' اسے دینے کا اور آخرت میں اس کے پاس جو اجر ہے' اسے دینے کا اختیار دیا' اس بندہ نے اللہ کے پاس جانے کو اختیار کرلیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رونے لگے اور کہنے لگے' ہماری مائیں اور ہمارے باپ آپ پر فدا ہوجائیں۔ ہمیں ان پر تعجب ہوا اور لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ایسے بندہ کے متعلق خبر دے رہے ہیں۔

جس کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی تروتازگی لے یا اللہ کے پاس آجائے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ پر ہمارے باپ اور ہماری مائیں فدا ہوجائیں' اور دراصل یہ اختیار رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیا گیا تھا' اور اس بات کو ہم میں سے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت ابوبکرؓ تھے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعہ میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے ابوبکرؓ ہیں اور میں اپنی امت میں سے اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا' لیکن ان کے ساتھ اسلام کی خلت (دوستی) ہے' مسجد (نبوی) میں ابوبکرؓ کی کھڑکی کے سوا اور کوئی کھڑکی باقی نہ رکھی جائے۔ [1]

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے بھی ہمارے ساتھ کوئی نیکی کی ہم نے اس کا بدلہ دے دیا' ماسوا ابوبکر کے' کیونکہ انھوں نے ہمارے ساتھ ایک ایسی نیکی کی ہے جس کا بدلہ انھیں اللہ قیامت کے دن دے گا اور کسی شخص کے مال نے مجھے ہرگز وہ

۱۔ (صحیح البخاری' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٩٠٤' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ٢٣٨٢' سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٦٧٩' صحیح ابن حبان' ج ١٥' رقم الحدیث: ٦٨٦١)

نفع نہیں پہنچایا' جو ابوبکر کے مال نے نفع پہنچایا اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا اور سنو! تمہارے پیغمبر اللہ کے خلیل ہیں۔ اس سند کے ساتھ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (۱)

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستیؒ المتوفی ۳۵٤ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص ایک نوع کی دو چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرے' اس کو جنت میں بلایا جائے گا۔ اے اللہ کے بندے! یہ خیر ہے سو جو نمازی ہوگا' اس کو باب الصلوۃ سے بلایا جائے گا اور جو مجاہد ہوگا' اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو صدقہ دینے والا ہوگا' اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو روزہ دار ہوگا' اس کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' کیا کوئی ایسا شخص ہوگا جس کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہاں' اور مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو۔ (۲)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا شخص داخل ہوگا جس کے متعلق جنت کے ہر گھر والے اور ہر بالا خانہ والے' یہ کہیں گے: مرحبا' مرحبا' ہمارے پاس آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس شخص کو اس دن کوئی نقصان نہیں ہوگا! آپ نے فرمایا ہاں اے ابوبکر وہ شخص تم ہو گے۔ (۳)

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳٦۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۹٤)

۲۔ (صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ٦۸٦٦' صحیح مسلم' زکوۃ ۸۵' (۱۰۲۷) سنن نسائی' ج ٤' رقم الحدیث: ۲۲۳۷)

۳۔ (صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ٦۸٦۷' المعجم الکبیر' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۱٦٦' المعجم الاوسط' ج ۱' رقم الحدیث: ٤۸۵' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں' سوا احمد بن احمد بن ابی بکر سالمی کے' اور وہ بھی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۹' ص ٤٦)

﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝۵۵ ﴾

تمہارا دوست تو اصل میں صرف اللہ، اس کا رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔

شان نزول: (آیت) "انما ولیکم اللہ ورسولہ"

امام ابو محمد عبد المالک بن ہشام ؒ متوفی ۲۱۳ ھ لکھتے ہیں:

جب بنو قینقاع نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی ابن سلول نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت عبادہ بن الصامت ؓ بنو عوف سے تھے اور انھوں نے بھی عبد اللہ بن ابی کی طرح قینقاع کا ساتھ دینے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت عبادہ ؓ نے یہ حلف توڑ دیا اور بنو قینقاع سے بری ہو گئے اور کہا میں اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بناتا ہوں، تو ان کے متعلق سورہ مائدہ کی آیت ۵۱، اور آیت ۵۵ نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں الا یہ۔ [1]

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی ؒ متوفی ۴۶۸ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن سلام ؓ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔ (السیرۃ النبویہ، ج ۳ ص ۵۶۔۵۵، جامع البیان، جز ۶، ص ۳۸۹۔۳۸۸)

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنوقریظہ اور نضیر نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم سے الگ ہو گئے اور انھوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا کریں گے اور ہم آپ کے اصحاب کے ساتھ مجلس کی استطاعت نہیں رکھتے' کیونکہ ان کے گھر ہم سے دور ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان پر یہ آیت تلاوت کی تو انھوں نے کہا ہم اللہ' اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بنانے پر راضی ہو گئے۔ [1]

نیز واحدیؒ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلامؓ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ آئے جو اسی دوران ایمان لائی تھی۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے گھر دور ہیں اور ہماری کوئی مجلس اور بات کرنے کی جگہ نہیں ہے اور ہماری قوم جب یہ دیکھے گی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں اور ان کی تصدیق کر چکے ہیں تو وہ ہم کو چھوڑ دیں گے اور ہمارے ساتھ نشست' برخواست' شادی بیاہ اور کھانے پینے کو ترک کرنے کی قسم کھالیں گے اور یہ ہم پر بہت دشوار ہوگا' تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان پر یہ آیت پڑھی تمہارا دوست صرف اللہ ہے' اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد میں تشریف لے گئے وہاں مسلماں قیام اور رکوع میں تھے۔ آپ نے ایک سائل کو دیکھ کر پوچھا کیا کسی نے تم کو کچھ دیا ہے' اس نے کہا ہاں سونے ایک انگوٹھی۔ آپ نے پوچھا تم کو وہ انگوٹھی کس نے دی ہے؟ اس نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ جو نماز پڑھ

۱۔ (اسباب نزول القرآن' ص ۲۰۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

رہے ہیں۔آپ نے پوچھا انھوں نے تم کو یہ کس حال میں دی ہے؟ اس نے کہا انھوں نے حالت رکوع میں مجھ کو یہ انگوٹھی دی ہے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ اکبر پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بیشک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔[1]

امام طبرانیؒ نے سائل کو حضرت علیؓ کی انگوٹھی دینے کا واقعہ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت کیا ہے۔[2]

حضرت علی (رض) کے مستحق خلافت ہونے پر علماء شیعہ کی دلیل:

شیخ طوسیؒ متوفی ۴۶۰ھ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علیؓ ہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد خلافت اور امامت کے مستحق تھے' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں اور مومنین سے مراد اس آیت میں حضرت علیؓ ہیں' کیونکہ یہاں مومنین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں اور مذکور الصدر شان نزول کے مطابق حضرت علیؓ ہی اس آیت کے مصداق ہیں۔

کیونکہ آپ ہی نے حالت رکوع میں سائل کو سونے کی انگوٹھی دی تھی۔لہٰذا حضرت علیؓ مسلمانوں کے ولی ہوئے اور ولی کا معنی اولی اور احق ہے۔سو حضرت علیؓ مسلمانوں پر متصرف اور ان کے حاکم ہوئے اور یہی خلافت اور امامت کا معنی ہے۔لہٰذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علیؓ مسلمانوں کے ولی یعنی ان کے امام اور خلیفہ ہیں۔[3]

۱۔(المائدہ:۵۶' اسباب نزول القرآن' ص ۲۰۲' جامع البیان' جز ۶' ص ۳۹)

۲۔(المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۲۲۸)

۳۔(التبیان فی التفسیر القرآن' ج ۳' ص ۵۵۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت علیؓ کی سخاوت

امام ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے جب رکوع میں گئے تو ایک سائل گزرا (اس نے سوال کیا) تو آپ نے (اسی حالت میں) اس کو اپنی انگوٹھی عطا فرمادی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ پھر فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان لائے اور ان میں علی بن ابی طالبؓ سب سے پہلے تھے۔

امام حاتم اور ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ (الایۃ) کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص اسلام کے آیا تو اس نے دوستی لگائی اللہ اس کے رسول اور ایمان والوں سے۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے ابوجعفرؓ سے روایت کیا کہ اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا کیا اس سے ایمان والے لوگ مراد ہیں؟ فرمایا ہاں وہ لوگ جو ایمان لائے ان سے کہا گیا ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالبؓ کے بارے میں نازل ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ علیؓ بھی تو ایمان والے لوگوں میں سے ہیں۔

امام ابونعیمؒ نے عبدالمالک بن ابی سلیمانؒ سے روایت کیا کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علیؒ سے اس آیت لفظ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم رکعون کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحابؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ علیؓ کے بارے میں نازل ہوئی فرمایا کہ علیؓ بھی ان میں

سے ہیں۔

امام ابن ابی داؤدؒ نے مصاحف میں جریر بن مغیرہؓ سے روایت کیا کہ عبداللہؓ کی قرأت میں یوں تھا۔ لفظ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ یعنی لفظ آیت الذین یقیمون سے پہلے والے داؤ نہیں تھا۔

﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ﴾

اور جو کوئی اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں کو دوست بنائے جو ایمان لائے ہیں تو یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔

حزب اللہ وہی ہے جس کا تعلق صرف اللہ، رسول اور مومنین سے ہو، وہ کافروں، مشرکوں اور یہود و نصاریٰ سے، چاہے وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں، محبت و موالات کا تعلق نہ رکھیں، جیسا کہ سورہ مجادلہ کے آخر میں ارشاد فرمایا: (لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ) [المجادلۃ: ۲۲] "تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے

باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، یاد رکھو! یقیناً اللہ کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔"

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغلبون کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ غالب کون ہے۔ پھر فرمایا (غالب وہ ہے) جو کسی حکومت اور مصیبت سے نہ ڈرے۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ ﴾

اے ایمان والو! ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، جنھوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا لیا ہے۔ ان لوگوں میں سے، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور نہ کفار کو اور اللہ سے ڈرو! اگر تم مومن ہو؟۔

شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا لا تتخذوا"

ابوالشیخ اور ابن حبانؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رفاعۃ بن زید، تابوت اور سوید بن حارث نے اسلام کا اظہار کیا، پھر یہ لوگ منافق ہو گئے، اور مسلمانوں میں سے ایک شخص ان دونوں سے دوستی رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے (آیت) "یایھا الذین"۔ سے "۔ بما کانوا یکتمون"۔ تک یہ آیت نازل فرمائی۔

امام ابومحمد عبدالملک بن ہشامؒ متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

رفاعہ بن زید بن التابوت اور سوید بن الحارث دونوں نے اسلام ظاہر کیا اور دراصل یہ دونوں منافق تھے' اور بہت سے مسلمان ان سے محبت رکھتے تھے' تو اللہ نے ان دونوں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ الایہ۔ [1]

یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں سے متعلق قرآن مجید کی اصطلاح:

اس آیت میں کفار سے مراد مشرکین ہیں' ہر چند کہ یہود و نصاریٰ اور بت پرست سب کافر ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا اطلاق کرتا ہے اور بت پرستوں پر کفار اور مشرکین کا اطلاق کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب مسلمان سجدہ کرتے تو یہود اور مشرکین ان کا مذاق اڑاتے تھے اور جب مسلمان اذان دیتے تو وہ کہتے' یہ اس طرح چلا رہے ہیں جیسے قافلے والے چلاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین کو دوست بنانے سے مسلمانوں کو منع فرما دیا۔

ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذاہب

۱۔ (السیرۃ النبویہ' ج ۲ ص ۱۸۱ جامع البیان' جز ۶' ص ۳۹۱' اسباب نزول القرآن' ص ۲۰۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بدر کی طرف گئے' جب آپ حرۃ الوبرہ (مدینہ سے چار میل ایک جگہ) پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا' جس کی جرات اور بہادری کا بہت چرچا تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے' اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کی اتباع کروں اور مال غنیمت حاصل کروں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے فرمایا: اللہ اور اس رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا واپس جاؤ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا' وہ چلا گیا' حتی کہ جب ہم ایک درخت کے پاس پہنچے تو اس نے پھر اپنی پیشکش کی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھر یہی جواب دیا کہ میں مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا وہ چلا گیا' پھر مقام بیداء پر ملا' اور اس نے پھر پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو۔ اس نے ہاں تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا چلو۔ [1]

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی ؒ متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی اور دوسرے فقہاء ؒ نے کہا ہے' اگر مسلمانوں کے متعلق کافر کی رائے اچھی ہو اور اس کی مدد کی ضرورت ہو تو اس سے مدد لی جائے' ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے اور یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے' اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر سے خدمت لی جائے تو اسے کچھ معاوضہ دے دیا جائے اور اس

۱۔ (صحیح مسلم' الجہاد' ۱۵' (۱۸۱۷) ۴۶۱۹' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۶۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۷۳۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۸۳۲' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۹۶' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۵۲۱۲' طبع دار الفکر' مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۴۲۶۷' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

کا حصہ نہ نکالا جائے۔امام مالکؒ ،امام شافعیؒ ،امام ابوحنیفہؒ اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن یہود و نصاریٰ اور ان مشرکین کی دوستی سے نفرت دلائی ہے جو دنیا کی سب سے افضل چیز، یعنی اسلامی شریعت مطہرہ و محکمہ کا، جو دنیا و آخرت کی ہر خیر و بھلائی پر مشتمل ہے، مذاق اڑاتے ہیں اور اپنی فاسد رائے اور جامد فکر کے مطابق اسے ہنسی اور کھیل قرار دیتے ہیں۔اس آیت کی رو سے ان بے دین لوگوں اور اہل بدعت سے دلی دوستی رکھنا بھی جائز نہیں جنھوں نے دین کو ہنسی مذاق بنا رکھا ہے۔کبھی داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں، کبھی مسنون لباس کا اور کبھی اللہ تعالیٰ کی حدود کا۔اسی طرح سنت کے مطابق نماز کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو شخص پیدائش، نکاح اور موت کے وقت کفار خصوصاً ہندوؤں کی رسموں میں ان کا ساتھ نہ دے اس کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ارشاد فرمایا: (لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ)[آل عمران:۲۸] ”ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی (یعنی دل میں اسے برا جانے اور اس سے بے زار ہو) اور

یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔"[1]

﴿ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝۵۸ ﴾

اور جب تم نماز کے لیے منادی کرتے ہو تو یہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ ایسے لوگ ہیں، جو عقل نہیں رکھتے۔

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے عمومی طور پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ کفار دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس آیت میں دین اسلام کے ایک خاص شعار اذان کے متعلق ان کا استہزاء بیان فرمایا ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدیؒ متوفی ٤٦٨ ھ لکھتے ہیں

کفار نے جب اذان کو سنا تو انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں سے حسد کیا، انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جا کر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے دین میں ایک نئی چیز نکالی ہے، جس کا ذکر ہم نے اس سے پہلی امتوں میں نہیں سنا۔ اگر آپ نبوت کا دعوی کرتے ہیں تو آپ نے اس اذان کو ایجاد کر کے انبیاء سابقین کے طریقہ کی مخالفت کی ہے، اور اگر اس دین میں کوئی خیر ہوتی تو آپ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کا طریقہ ہی بہتر تھا، جس طرح قافلے

۱۔ [مسلم، کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان: ٤٩]

والے چلاتے ہیں آپ نے اس طرح چلانے کو اپنا شعار بنالیا ہے' یہ کس قدر بری آواز ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور درج ذیل آیت نازل کی:

(آیت) "ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال انني من المسلمین"۔ (حم السجدہ: ۳۳)

ترجمہ: اور اس سے اچھی بات اور کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بیشک میں فرمان برداروں میں سے ہوں۔ [1]

ابتداء اذان کی کیفیت

اس آیت میں اذان کا ذکر فرمایا ہے' اس لیے ہم اذان کی ابتداء' اذان کے کلمات' اذان اور اقامت کے کلمات اذان کا جواب اور اذان کے بعد دعا اور اذان کی فضیلت کے متعلق اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔ "فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

مکہ میں اذان مشروع نہیں ہوئی تھی' اس وقت نماز کے لیے یوں نداء کرتے تھے "الصلوۃ جامعۃ" جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہجرت کی اور کعبہ کو قبلہ بنادیا گیا' تو آپ کو پانچ فرض نمازوں کے لیے اذان کا حکم دیا گیا' اور نماز جنازہ' نماز عید اور نماز کسوف وغیرہ کے لیے "الصلوۃ جامعۃ" سے ندا کا طریقہ برقرار رہا۔ حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ نے خواب میں فرشتے سے اذان کے کلمات سنے اور اس سے پہلے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے شب معراج کے موقع پر فرشتے سے اذان کے کلمات سنے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

۱۔ (اسباب نزول القرآن' ص ۲۰۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام طبرانیؒ نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا' اور امام غزالیؒ نے وسیط میں لکھا ہے کہ دس سے زیادہ صحابہؓ نے اذان کا خواب دیکھا تھا اور علامہ جیلیؒ نے شرح التنبیہ میں لکھا ہے کہ چودہ صحابہؓ نے اذان کا خواب دیکھا تھا' لیکن حافظ ابن صلاح اور علامہ نوویؒ نے اس کا انکار کیا ہے۔ ثابت صرف حضرت عبداللہ بن زیدؓ کے لیے ہے اور بعض روایات میں حضرت عمرؓ کا بھی ذکر ہے۔ (۱)

امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رات میں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو آپ کی طرف اذان کی وحی کی گئی اور جب آپ واپس آئے تو جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ کو اذان کی تعلیم دی۔ (۲)

امام احمد بن عمرو بزارؒ متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اذان کی تعلیم دینے کا ارادہ کیا' تو حضرت جبرائیلؑ نے آپ کے پاس ایک جانور لے کر آئے جس کو براق کہتے تھے' جب آپ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ کچھ دشوار ہوا جبرائیل نے کہا پرسکون رہو' بخدا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ معزز شخص کبھی تم پر سوار نہیں ہوا۔ آپ اس پر سوار ہوئے' حتی کہ آپ رحمان تبارک وتعالیٰ کے حجاب تک پہنچے' اسی دوران حجاب سے ایک فرشتہ نکلا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے جبرائیلؑ! یہ کون ہے؟ جبرائیلؑ نے کہا اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق

۱۔ (فتح الباری ج ۲' ص ۷۸' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

۲۔ (المعجم الاوسط' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۹۲۴۳' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک روای طلحہ بن زید وضع کی طرف منسوب ہے)

کے ساتھ مبعوث کیا ہے' میں مخلوق میں سب سے مقرب ہوں' لیکن میں جب سے پیدا ہوا ہوں' میں نے اس فرشتے کو اس سے پہلے نہیں دیکھا، "اللہ اکبر اللہ اکبر" تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی میرے بندہ نے سچ کہا میں اکبر ہوں' میں اکبر ہوں۔ پھر فرشتہ نے کہا لا الہ الا اللہ تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی' میرے بندہ نے سچ کہا۔ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ (الحدیث)۔ [1]

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

ابوعمیر بن انس ؒ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ مشورہ کیا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے:؟ آپ سے کہا گیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے' جب لوگ اس جھنڈے کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو نماز کی اطلاع دیں گے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ بات پسند نہیں آئی پھر آپ کو بگل' نرسنگا) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ یہ یہود کا طریقہ ہے۔ پھر آپ کو ناقوس (لوہے کا ٹکڑا جو لکڑی سے بجایا جاتا ہے' گھڑیال) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو بھی پسند نہیں کیا اور فرمایا: یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید ؓ وہاں سے اٹھ کر گئے' وہ اسی فکر میں تھے۔ پھر انھیں خواب میں اذان دکھائی گئی' وہ صبح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور آپ کو اس خواب کی خبر دی۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھا' میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان دکھائی۔ اس سے پہلے حضرت عمر بن خطاب ؓ نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا' لیکن انھوں نے بیس دن تک اس خواب کو مخفی رکھا' پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کی خبر دی۔

---

[1]۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار' ج ۱ ص ۱۷۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی زیاد بن المنذر ہے' اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ مجمع الزوائد' ج ۱ ص ۲۲۹)

آپ نے فرمایا تم کو مجھے خبر دینے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انھوں نے کہا عبداللہ بن زیدؓ مجھ پر سبقت لے گئے اور مجھے حیاء آئی' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے بلالؓ! تم کھڑے ہو اور عبداللہ بن زید تم کو جو کلمات بتائیں' وہ پڑھو' پھر حضرت بلالؓ نے اذان دی' ابوعمیرؓ یہ کہتے تھے کہ اگر اس دن حضرت عبداللہ بن زیدؓ بیمار نہ ہوتے تو وہ اذان کہتے۔ (۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ میں آئے تو وہ نماز کے اوقات میں جمع ہوتے تھے اور ان کو ندا نہیں کی جاتی تھی۔ ایک دن انھوں نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا' بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بناؤ بعض نے کہا یہود کی بگل کی طرح بگل بناؤ۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم ایک آدمی کو کیوں نہیں بھیجتے جو نماز کی ندا کرتے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "اے بلال! تم کھڑے ہو کر نماز کی ندا کرو۔ (۲)

کلمات اذان میں مذاہب ائمہ

امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور ان میں ترجیع نہیں ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے' یعنی دو مرتبہ شہادتین کو پست آواز سے کہا جائے اور دو مرتبہ شہادتین کو بلند آواز سے کہا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابومحذورہؓ کی روایت میں

۱۔ (سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۹۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۰۴' صحیح مسلم' اذان ۱ (۳۷۷) ۸۱۴' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۰' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۲۵' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۶۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

ہے۔[1]

امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہا اللہ کا استدلال اس سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے خواب میں فرشتے سے اذان کے جو کلمات سنے تھے' ان میں ترجیع نہیں تھی۔ انھوں نے یہی کلمات حضرت بلالؓ کو بتائے اور انھوں نے ان ہی کلمات کے ساتھ اذان دی۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ناقوس بجانے کا حکم دیا' تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جائے' میں اسی سوچ بچار میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ناقوس اٹھائے ہوئے جا رہا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے! کیا تم ناقوس فروخت کرو گے؟ اس نے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم لوگوں کو نماز کے لیے جمع کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو اس سے اچھی چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟

اس نے کہا تم کہا کرو"۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ' حی علی الصلوۃ' حی علی الصلوۃ' حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' اللہ اکبر اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ'۔ اس کے بعد فرشتے نے اقامت کے کلمات بتلائے۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ برحق خواب ہے' تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو اور خواب میں جو کلمات سنے ہیں' وہ ان کو بتاؤ تاکہ وہ اذان دیں' کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے پس میں حضرت بلالؓ کے ساتھ کھڑا ہوا۔ میں

۱۔ (المغنی' ج ۱ ص ۲۴۳' مطبوعہ دار الفکر' مدایۃ المجتہد' ج ۱ ص ۷۶' مطبوعہ دار الفکر)

ان کو بتاؤ' تا کہ وہ اذان دیں' کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے۔ پس میں حضرت بلال ؓ کے ساتھ کھڑا ہوا۔ میں ان کو اذان کے کلمات بتاتا گیا اور وہ اذان دیتے گئے۔ حضرت عمر ؓ نے اپنے گھر میں اذان سنی تو وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا' تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "فللہ الحمد۔ [1]

حضرت ابو محذورہ ؓ کی روایت کا محمل

حضرت ابو محذورہ ؓ کی روایت میں جو ترجیع کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو محذورہ ؓ اسلام لانے سے پہلے اپنے لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ مسلمانوں کی اذان کی نقل اتار رہے تھے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حنین سے واپسی پر انھیں دیکھ لیا۔ آپ نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا اذان پڑھو۔ انھوں نے اذان پڑھی۔ اور اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اشھد ان محمدا رسول اللہ کو آہستہ آہستہ پڑھا۔ آپ نے ان شہادتین کو دوبارہ زور سے پڑھنے کا حکم دیا' تو انھوں نے دوبارہ زور سے پڑھا اور آپ کے اذان دلوانے کی برکت سے یہ مسلمان ہو گئے تو شہادتین کو دوبارہ زور سے پڑھنے کا حکم دیا' تو انھوں نے دوبارہ زور سے پڑھا اور آپ کے اذان دلوانے کی برکت سے یہ مسلمان ہو گئے تو شہادتین کو پہلے دو بار آہستہ اور پھر دو بار زور سے پڑھنے کا یہ خاص واقعہ ہے' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے

۱۔ (سنن ابوداؤد' ج۱' رقم الحدیث: ۴۹۹' سنن دارمی' ج۱' رقم الحدیث: ۱۱۸۷' سنن ابن ماجہ' ج۱' رقم الحدیث: ۷۰۶' مصنف عبدالرزاق' ج۱' رقم الحدیث: ۱۷۷۴' مصنف ابن ابی شیبہ' ج۱' ص ۲۳۱' مسند احمد بتحقیق احمد شاکر ج۱۳' رقم الحدیث: ۱۶۴۲۹' طبع الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج۴' ص ۴۳' طبع قدیم' صحیح ابن خزیمہ' ج۱' رقم الحدیث: ۳۷۱' سنن کبری للبیہقی' ج۱' ص ۳۹۱-۳۹۰' السیرۃ النبویہ لابن ہشام' ج۲ ص ۱۲۳' ۱۲۲' طبع داراحیاء التراث العربی' سنن دارقطنی' ج۱' رقم الحدیث: ۹۲۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' صحیح ابن حبان' ج۴' رقم الحدیث: ۱۶۷۹' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس طرح اذان دینے کی عام ہدایت نہیں دی۔اس کا بیان اس حدیث میں ہے:

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی ؒ المتوفی ۳۵٤ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابومحذورہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم بعض ساتھیوں کے ساتھ حنین کے راستہ میں تھے' جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حنین سے واپس آرہے تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے موذن نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے نماز کے لیے اذان دی' ہم نے اذان کی آواز سنی' ہم راستہ سے ایک طرف ہٹ گئے اور ہم نے اذان کا مذاق اڑانے کے لیے بلند آواز سے اذان کی نقل اتارنی شروع کردی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس کی آواز میں سن رہا ہوں' تم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا ہے؟ پھر ہم کو بلایا گیا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے پیش کردیا گیا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ آواز تم میں سے کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا۔ آپ نے باقی لڑکوں کو بھیج دیا اور مجھے روک لیا۔ اس وقت مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم دینے سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں تھی۔ آپ نے مجھے اذان دینے کا حکم دیا اور خود مجھے اذان کے کلمات بتائے۔ اور فرمایا کہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ'۔ آپ نے فرمایا دوبارہ پڑھو اور اپنی آواز بلند کرو۔ آپ نے فرمایا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ' حی علی الصلوۃ' حی علی الصلوۃ' حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' اللہ اکبر اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ'۔ جب آپ مجھ سے اذان پڑھوانے سے فارغ ہوگئے تو آپ نے مجھے بلایا اور مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی' اور آپ نے دعا کی' اے اللہ! اس میں برکت دے اور اس پر برکت دے۔ میں

نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھے اذان دینے کا حکم دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں حکم دیدیا۔ میرے دل میں جتنی آپ کی ناپسندیدگی تھی، وہ سب آپ کی محبت سے بدل گئی۔ پھر میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عامل عتاب بن اسیدؓ کے پاس گیا۔ اور میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم سے مکہ میں اذان دینے لگا۔ [۱]

کلمات اقامت میں مذاہب ائمہ

امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک اقامت میں اللہ اکبر اللہ اکبر دو دفعہ اور باقی کلمات ایک ایک مرتبہ پڑھے جاتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام احمدؒ کے نزدیک اللہ اکبر، اللہ اکبر، چار چار دفعہ اور باقی کلمات دو دو مرتبہ اور آخر میں لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ [۲]

امام مالک اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ پڑھیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ پڑھیں۔ [۳]

۱۔ (صحیح ابن حبان، ج، رقم الحدیث: ۱۶۸۰، سنن ابوداؤد، ج۱، رقم الحدیث: ۵۰۳، سنن نسائی، ج۲، رقم الحدیث: ۶۳۰، سنن ابن ماجہ، ج۱، رقم الحدیث: ۷۰۸، مصنف عبدالرزاق، ج۱، رقم الحدیث: ۱۷۷۹، مسند احمد، ج۳، ص۴۰۹، طبع قدیم، سنن کبریٰ للبیہقی، ج۱ ص۴۹۳، سنن دارقطنی، ج۱، رقم الحدیث: ۸۹۰، مسند الشافعی، ص۳۰۳۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

۲۔ (المغنی، ج۱ ص۲۴۹، بدایۃ المجتہد، ج۱، ص۸۰)

۳۔ (سنن ترمذی، ج۱، رقم الحدیث: ۱۹۳، صحیح البخاری، ج۱، رقم الحدیث: ۶۰۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: (۳۷۸) ۸۱۵، سنن ابوداؤد، ج۱، رقم الحدیث: ۵۰۸، سنن نسائی، ج۲، رقم الحدیث: ۶۲۶، سنن ابن ماجہ، ج۱، رقم الحدیث: ۷۲۹)

امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زید ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اذان اور اقامت میں دو دو کلمے تھے۔ (۱)

نیز! حضرت ابومحذورہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو اذان کے انیس کلمات اور اقامت کے سترہ کلمات کی تعلیم دی' انھوں نے اقامت کے کلمات اس طرح بیان کیے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ' حی علی الصلوۃ' حی علی الصلوۃ' حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' اللہ اکبر اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ ۔۔۔۔۔ (۲)

اس حدیث میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد ؒ کے موقف کی واضح دلیل ہے۔

اذان کا جواب

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی ؒ المتوفی ۳۵٤ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب موذن کہے' اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ" اور تم میں سے کوئی "اللہ اکبر" پھر وہ کہے "اشھد ان لا الہ الا اللہ" تو یہ کہے "اشھد ان لا الہ الا اللہ"

۱۔ (سنن ترمذی' ج۱' رقم الحدیث: ۱۹٤' سنن دارقطنی' ج۱' رقم الحدیث: ۹۲۵' سنن کبری للبیہقی' ج۱' ص ٤۲۰۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

۲۔ (صحیح ابن حبان' ج٤' رقم الحدیث: ۱٦۸۱' سنن ابوداؤد' ج۱' رقم الحدیث: ۵۰۲' سنن ترمذی' ج۱' رقم الحدیث: ۱۹۲' مسند احمد' ج۳' ص ٤۰۹' ج٦' ص ٤۰۱' طبع قدیم' سنن نسائی' ج۲' رقم الحدیث: ٦۲۹' صحیح ابن خزیمہ' ج۱' رقم الحدیث: ۳۷۷' سنن دارمی' ج۱' رقم الحدیث: ۱۱۹۷۔۱۱۹٦' سنن کبری للبیہقی' ج۱' ص ۳۹٤)

پھر وہ کہے "اشھد ان محمدا رسول اللہ" تو یہ کہے "اشھد ان محمدا رسول اللہ" پھر وہ کہے "حی علی الصلوۃ" پھر وہ کہے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پھر وہ کہے "حی علی الفلاح" تو یہ کہے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پھر وہ کہے "اللہ اکبر اللہ اکبر" تو یہ کہے "اللہ اکبر اللہ اکبر" پھر وہ کہے "لا الہ الا اللہ" تو یہ کہے "لا الہ الا اللہ"۔ تو یہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔[1]

دعا بعد الاذان

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے اذان سننے کے بعد یہ دعا کی: اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ آت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ۔

ترجمہ: اللہ! اس کامل نداء اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب! سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جنت میں بلند مقام اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

۱۔ (صحیح ابن حبان، ج ٤، رقم الحدیث: ١٦٨٥، صحیح مسلم، اذان، ١٢، (٣٨٥) ٨٢٧، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ٥٢٧، سنن نسائی، ج ٢، رقم الحدیث: ٦٧٣، عمل الیوم واللیلہ للنسائی، رقم الحدیث: ٦٧٨، سنن ترمذی، ج ٥، رقم الحدیث: ٣٦٣٤، سنن کبری للبیہقی، ج ١، ص ٤٠٩۔٤٠٨)

تو اس شخص پر میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ [1]

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابودرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب اذان سنتے تو دعا کرتے اے اللہ! اس کامل نداء اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب! اپنے بندہ اور اپنے رسول سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جنت میں نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کردے۔ (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ دعا فرمانا ہماری تعلیم کے لیے ہے۔ [2]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ" اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں (داخل) کردے سو جو شخص یہ دعا کرے گا' اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔ [3]

اذان کی فضیلت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۱۴' صحیح مسلم' اذان' ۱۱ (۳۸۴) ۸۲۶' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۱' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۲۹' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۷۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۷۲۲' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۴۸۲۳' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۵۴' طبع قدیم' عمل الیوم واللیلہ للنسائی' رقم الحدیث: ۴۶' عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی' رقم الحدیث: ۹۲' طبع کراچی' المعجم الصغیر للطبرانی' ج ۱ ص ۲۴۰' طبع المدینۃ المنورہ' مصنف عبدالرزاق' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۱۱' سنن کبری للبیہقی' ج ۱' ص ۴۱۰' صحیح ابن حبان' ۴' رقم الحدیث: ۱۶۸۹' شرح السنہ للبغوی' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۱' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۲۰)

۲۔ (المعجم الاوسط' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۶۷۵' مجمع الزوائد' ج ۱ ص ۳۳۳)

۳۔ (المعجم الکبیر ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۵۵۴' مجمع الزوائد ج ۱' ص ۳۳۳' الجامع الکبیر ج ۷' رقم الحدیث: ۲۳۱۱۸' عمدۃ القاری ج ۵' ص ۱۲۴)

حضرت عبدالرحمن بن ابی صعصعہؒ بیان کرتے ہیں کہ ان سے حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو' پس جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو تو نماز کے لیے اذان دیا کرو' اور بہ آواز بلند اذان کہنا' کیونکہ موذن کی آواز کو جو بھی جن یا انسان سنتا ہے' اور جو چیز بھی سنتی ہے' وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گی۔ حضرت ابوسعیدؓ نے کہا میں نے یہ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنی ہے۔ (۱)

امام مسلم بن حجاج قشیریؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ شیطان جب اذان کی آواز سنتا ہے روحاء (ایک مقام) پر بھاگ جاتا ہے۔ روای نے پوچھا کہ روحاء کتنی دور ہے؟ تو حضرت جابرؓ نے کہا وہ مدینہ سے چھتیس میل ہے۔ (۲)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: شیطان جب نماز کی نداء سنتا ہے تو زور سے یاد لگاتا ہے' تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے اور جب موذن خاموش ہو جاتا ہے تو پھر واپس آکر وسوسہ ڈالتا ہے۔ (۳)

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ

۱۔ (صحیح البخاری' ج۱' رقم الحدیث: ۶۰۹' سنن نسائی' ج۲' رقم الحدیث: ۶۴۳' سنن ابن ماجہ' ج۱' رقم الحدیث: ۷۲۳' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۵۳' مسند احمد' ج۳' ص ۴۳۔۳۵' مسند حمیدی' ج۱' رقم الحدیث: ۷۳' مصنف عبدالرزاق' ج۱' رقم الحدیث: ۱۸۶۵' صحیح ابن خزیمہ' ج۱' رقم الحدیث: ۳۸۹' سنن کبری للبیہقی' ج۱ ص ۳۹۷۔۴۲۷)

۲۔ (صحیح مسلم' صلوۃ ۱۵' (۳۸۸) ۸۳۱' صحیح ابن خزیمہ' ج۱' رقم الحدیث: ۳۹۳' مسند احمد' ج۳' ص ۳۱۶' شرح السنہ' ج۲' رقم الحدیث: ۴۱۵' صحیح ابن حبان' ج۴' رقم الحدیث: ۱۶۶۴' سنن کبری للبیہقی' ج۱' ص ۴۳۲)

۳۔ (صحیح مسلم' صلوۃ ۱۶' (۳۸۹) ۸۳۲' صحیح ابن حبان' ج۴' رقم الحدیث: ۱۶۶۳' مسند احمد' ج۲' ص ۳۱۳' طبع قدیم' صحیح ابن خزیمہ ج۱' رقم الحدیث: ۳۹۲' سنن کبری للبیہقی' ج۱' ص ۴۳۲' شرح السنہ' ج۲' رقم الحدیث: ۴۱۴)

اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

اے پیغمبر (علیہ السلام)! "فرمادیں اے اہل کتاب! تم ہم سے اس کے سوا کس چیز کا؟ کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو اس سے پہلے نازل کیا گیا اور بلاشبہ تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔"

شان نزول: (آیت) "قل یاھل الکتب ھل تنقمون"

حضرت ابن عباسؓ ہی نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت آئی، جن میں ابو یاسر بن اخطب اور نافع بن ابی نافع اور غازی بن عمر تھا، انھوں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا کہ آپ رسولوں میں سے کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، میں اللہ تعالیٰ پر اور جو کتاب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر نازل کی گئی ہے اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اسحاق (علیہ السلام)، یعقوب (علیہ السلام) پر اور ان کی اولاد میں جو کتابیں نازل کی گئی ہیں، ان پر اور جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو جو کتاب دی گئی ہے اور ان کے علاوہ اور دوسرے انبیاء کرامؑ کو جو کتابیں دی گئیں ہیں سب پر ایمان رکھتا ہوں ہم کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے فرمان بردار ہیں، جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا تذکرہ کیا، تو ان لوگوں نے ان کی نبوت کا انکار کیا اور بولے کہ ہم حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اس شخص پر ایمان

لاتے ہیں جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان رکھتا ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ [1]

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام ؒ متوفی ۲۱۳ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق ؒ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت آئی، جس میں ابو یاسر بن اخطب نافع بن ابی نافع، عازر بی عازر وغیرھم تھے۔ انھوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ رسولوں میں سے کس کس پر ایمان لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو حضرت ابراہیم ؑ، حضرت اسماعیل ؑ، حضرت اسحاق ؑ، حضرت یعقوب ؑ، اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لیے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں، جب آپ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم ؑ کا ذکر کیا تو انھوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور کہا ہم عیسیٰ ابن مریم ؑ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس شخص پر جو ان پر ایمان لایا ہو تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے (الا یہ)۔ [2]

یہود کا بعض نبیوں پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا قطعاً باطل ہے، کیونکہ معجزہ کی دلالت کی وجہ سے نبی پر ایمان لایا جاتا ہے اور جب یہود معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے تو پھر معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر کیوں ایمان نہیں لائے؟ اور ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ جبکہ آپ نے بکثرت حسی اور معنوی

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح))

۲۔ (السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۸۰، جامع البیان، ج ۶، ص ۳۹۴، اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۳)

معجزات پیش کیے۔

آیت مذکورہ کی ترکیب پر شبہات کے جوابات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بیشک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود تو تمام کفار اور فساق ہیں' یہاں اکثر کو فاسق کیوں فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر یہود دنیا کی عزت اور روپے پیسے کے لالچ میں حق کو چھپاتے تھے۔ اس لیے فرمایا تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں لہٰذا تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی نیک نہیں ہو' فاسق اور بدکار ہو۔ کیونکہ کافر اور بدعتی بھی بعض اوقات اپنے دین کے اعتبار سے سچا اور دیانت دار ہوتا ہے' جبکہ تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی جھوٹے اور خائن ہو اور ظاہر ہے کہ سب یہودی اس طرح نہیں تھے۔ اس لیے فرمایا: تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض یہودی ایمان لے آئے تھے۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ کل یہودی فاسق ہیں تو ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق بھی فسق کا وہم کرتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اور بیشک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں اس کا عطف اس جملہ پر ہے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اب اس کا معنی اس طرح ہوگا تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں جبکہ یہودیوں کے نزدیک ان کا فسق ناگوار نہیں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ یہ ان سے تعریضاً خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم مسلمان فاسق نہیں ہیں' بلکہ نیک اور صالح ہیں اور مسلمانوں کا نیک اور صالح ہونا ان کو ناگوار گزرتا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اعتقاد کا لفظ محذوف ہے' یعنی تم کو اپنے فسق کا اعتقاد ناگوار گزرتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں سبب کا لفظ محذوف ہے یعنی تم کو ہمارا اللہ پر ایمان لانا اس لیے ناگوار گزرتا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

﴿ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ ﴾

"آپ فرما دیجیے کہ کیا میں تمہیں جزا کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک اس سے برے لوگ بتاؤں! جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر غضب ہوا اور ان میں سے بعض کو اس نے بندر اور خنزیر بنا دیا اور جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی۔ یہ لوگ انجام کے اعتبار سے زیادہ برے اور سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا، آپ کہہ دیجیے، اے یہودیو! کیا میں تمہیں بتادوں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین بدلہ کسے ملے گا؟ وہ تم لوگ ہو جن کی صفات یہ ہیں کہ اللہ نے ان پر لعنت بھیج دی، ان پر اس کا ایسا غضب نازل ہوا کہ پھر وہ کبھی ان سے راضی نہیں ہوگا، ان میں بہتوں کو بندر اور سور بنا دیا اور بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ انھوں نے شیطان کی پرستش شروع کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ تم سے زیادہ برے ٹھکانے والا اور تم سے زیادہ راہ حق سے برگشتہ کون ہو سکتا ہے؟

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ: ارشاد فرمایا: (وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا)[المائدۃ:٦٤] "اور یہود نے کہا اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، ان کے ہاتھ باندھے گئے اور ان پر لعنت کی گئی، اس کی وجہ سے جو انھوں نے کہا۔" اور فرمایا: (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا)[النساء:٤٧] "اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی ہے! اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے، اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں، پھر انھیں ان کی پیٹھوں پر پھیر دیں، یا ان پر لعنت کریں، جس طرح ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم ہمیشہ (پورا) کیا ہوا ہے۔" اور فرمایا: (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا)[النساء:٥١،٥٢] "کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور باطل معبود پر ایمان لاتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ان سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے پھر تو کوئی اس کی مدد کرنے والا ہرگز نہ پائے گا۔" اور فرمایا: (وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۔ وَلَمَّا جَاۤءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاۤءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ)[

البقرۃ:۸۸،۸۹] ”اور انھوں نے کہا ہمارے دل غلاف میں (محفوظ) ہیں، بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی، پس وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔ اور جب ان کے پاس اللہ کے ہاں سے ایک کتاب آئی جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے ان لوگوں پر فتح طلب کیا کرتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ چیز آ گئی جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کے ساتھ کفر کیا، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔“

وَغَضِبَ عَلَيْهِ: ارشاد فرمایا: (ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ)[آل عمران:۱۱۲] ”ان پر ذلت مسلط کر دی گئی جہاں کہیں وہ پائے جائیں مگر اللہ کی پناہ اور لوگوں کی پناہ کے ساتھ اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی، یہ اس لیے کہ بیشک وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو کسی حق کے بغیر قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزرتے تھے۔“

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ: ارشاد فرمایا: (وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ)[البقرۃ:۶۵] ”اور بلاشبہ یقیناً تم ان لوگوں کو جان چکے ہو جو تم میں سے ہفتے (کے دن) میں حد سے گزر گئے تو ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر بن جاؤ۔“

سیدنا ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بندروں اور سوروں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ وہی ہیں جنھیں اللہ نے مسخ کر دیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جس

قوم کو بھی ہلاک کیا، یا مسخ کیا تو نہ تو ان کی نسل پھیلی اور نہ کوئی (ان کا) جانشین ہی بنا اور بیشک بندر اور سور تو ان مسخ ہونے والے لوگوں سے پہلے بھی تھے۔"[1]

امام ابوالشیخؒ نے ابو مالکؒ سے کہا گیا کیا مسخ ہونے سے پہلے بندر اور خنزیر تھے؟ فرمایا ہاں اور یہ دوسری امتوں میں سے ایک مخلوق ہے جو پیدا کی گئی۔

امام مسلم اور ابن مردویہؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بندر اور خنازیر کے بارے میں پوچھا گیا کیا یہ انھیں مخلوق میں سے ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کیا تھا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو ہلاک کیا یا اسے مسخ کیا تو اس کے لیے نسل نہیں بنائی یہ بندر اور سور پہلے سے تھے۔

امام طیالسیؒ، احمدؒ، ابن ابی حاتمؒ، ابوالشیخ اور ابن مردویہؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بندر اور سور کے بارے میں پوچھا کیا یہ یہود کی نسل میں سے ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا نہیں ایسا نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر لعنت کی ہو اور اسے مسخ کیا ہو پھر اس کی نسل آگے چلی ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہود پر ناراض ہوئے تو اس کو مسخ کر دیا پھر ان کو ان کی طرح بنا دیا۔

امام ابن مردویہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ سانپ، جن کی مسخ شدہ صورت ہے جیسے کہ بندر اور سور مسخ شدہ صورتیں ہیں۔

امام ابن جریرؒ، عمر بن کثیرؒ سے روایت کی انھوں نے افلحؒ سے روایت کیا ہے کہ جو ابوایوب انصاری

---

[1]۔[مسلم، کتاب القدر، باب بیان أن الآجال والأرزاق وغیرھا۔۔الخ:۲۶۶۳۔مسند أحمد:۱/۴۱۳، ح:۳۹۲۴]

ؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مسخ بنی اسرائیل میں خنازیر کی صورت میں ہوا۔ ایک عورت جو بنی اسرائیل میں سے تھی اور وہ بنی اسرائیل کی بستیوں میں سے ایک بستی میں رہتی تھی۔ اس میں بنی اسرائیل کا بادشاہ بھی تھا۔ اس بستی کے لوگوں نے گمراہی پر اتفاق کیا۔ مگر یہ عورت اسلام پر قائم رہی اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتی رہی یہاں تک کہ جب لوگ اس کے پاس جمع ہوجاتے تو اس عورت کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ عورت ان سے کہتی کہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم اللہ کے دین کی طرف جہاد کرو اور اس کے لیے اپنی قوم کو بھی بلاؤ۔ تم لوگ نکلو گے تو میں بھی نکلوں گی۔ یہ عورت (اپنے لوگوں کے ساتھ) نکلی تو بادشاہ بھی اپنے حماتیوں کے ساتھ اس عورت کی طرف نکلا۔ اس عورت کے سب ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ اور وہ عورت اس سے بچ نکلی۔ پھر اس نے لوگوں کو دعوت دی یہاں تک کہ لوگ اس کی طرف جمع ہو گئے۔ جب یہ عورت ان سے راضی ہوگئی تو اس نے ان کو جہاد کا حکم دیا یہ لوگ نکلے اور یہ عورت بھی ان کے ساتھ نکلی مگر سب لوگ قتل کر دیئے گئے اور یہ عورت پھر بچ نکلی۔ عورت نے پھر لوگوں کو دعوت دی۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ اس کی طرف جمع ہو گئے۔ ان لوگوں نے اس عورت کی دعوت کو قبول کیا تو اس نے ان کو نکلنے کا حکم دیا یہ لوگ نکلے تو یہ عورت بھی ان کے ساتھ نکلی۔ یہ لوگ بھی سب قتل کر دیئے گئے۔ اور یہ عورت پھر بچ نکلی۔ پھر اس عورت نے دعوت دی یہاں تک کہ کچھ لوگ اس کی طرف جمع ہو گئے جنہوں نے اس کی دعوت کو قبول کیا تو اس نے ان کو نکلنے کا حکم دیا تو یہ لوگ نکلے اور عورت بھی ان کے ساتھ نکلی تو سب کو پکڑ لیا گیا یہ عورت پھر بچ نکلی۔ یہ عورت لوٹ آئی اور مایوس بن کر کہتی تھی سبحان اللہ اگر اس دین کے لیے کوئی جماعتیں اور مدد کرنے والا ہوتا تو اسے غلبہ عطا کرتا۔ اس نے غم گین حالت میں رات گزاری تو صبح کو بستی والے خنازیر کی شکل میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ اللہ

تعالیٰ نے اسی رات میں ان کو مسخ کر دیا تھا۔ جب اس عورت نے صبح کی اور جو اس نے دیکھا (تو کہنے لگی) آج میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنے دین کے معاملہ کو غلبہ عطا فرمایا ہے۔ راوی نے کہا کہ بنی اسرائیل میں خنازیر کی شکل میں مسخ ہوتا۔ اس عورت کے ہاتھ پر ہوا۔

ابن ابی الدنیاؒ نے ذم الملاہی میں عثمان بن عطاءؒ سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا عنقریب میری امت، میں زمین، میں دھنس جانا، زلزلہ کا ہونا اور بندر اور سور کی صورت میں مسخ ہونا ہوگا۔ واللہ اعلم

﴿ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ ﴾

اور جب یہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تو ایمان لائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ نکلتے ہیں اور اللہ خوب واقف ہے اس چیز سے، جس کو وہ چھپا رہے ہیں۔

ربط آیت: اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یہودیوں نے دین اسلام کو ہنسی اور کھیل بنا لیا تھا اور وہ اذان کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو مسلمانوں کا ایمان اور تقوی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ان کے کرتوتوں کی جو سزا آخرت میں ملے گی، وہ ان کو اس سے زیادہ ناگوار ہوگی اور اب اس آیت میں دین اسلام کے صدق اور برحق ہونے کی ایک اور دلیل بیان فرمائی کہ جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے، اس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا۔

شان نزول: (آیت) "واذا جآءوکم قالوا امنا"

امام قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ یہودیوں کی ایک جماعت کے لیے نازل ہوئی جو حضور کی خدمت میں حاضر آ کر ایمان و اخلاص کا اظہار کرتے اور اپنے کفر و ضلال کو مخفی کر کے واپس جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس وحی کے ذریعہ ان کی بد باطنی منکشف فرمائی اور بتا دیا کہ یہ آتے وقت بھی کافر ہی تھے اور آپ کی خدمت سے رخصت ہوتے ہوئے بھی بے ایمان ہی تھے۔ ان کا زبانی اقرار محض دھوکا اور فریب ہے۔ [1]

امام ابو جعفر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ نے بیان کیا ہے کہ بعض یہودی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ کر یہ بیان کرتے کہ وہ مومن ہیں' اور اسلام کے تمام احکام پر راضی ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے کفر اور گمراہی پر ڈٹے رہتے تھے اور اسی کافرانہ عقیدہ پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آتے اور اسی کفریہ عقیدہ پر رخصت ہوتے۔ [2]

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی ان کے دل میں ایمان داخل ہیں ہوا وہ کفر کے جس حال میں آپ کے پاس آئے تھے' اسی حال میں لوٹ گئے۔ کیونکہ ان کے دل سخت تھے اور ان کا یہ قول کہ ہم ایمان لائے' بالکل خلاف واقع اور جھوٹ ہے اور اس جھوٹ سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ مکر و فریب کرنے کی بہت کوشش اور جہد و جہد کریں' کیونکہ وہ مسلمانوں سے بہت بغض اور عدوات رکھتے تھے۔

۱۔ (روح المعانی)

۲۔ (جامع البیان' جز ٦ ص ٤٠٠' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذر اور ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت واذا جاء وکم قالوا امنا کے بارے میں فرمایا کہ یہودیوں میں سے کچھ لوگ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے تھے اور ان کو بتاتے تھے کہ وہ ایمان لانے والے ہیں اور اس دین پر راضی ہونے والے ہیں جس کو آپ لے کر آئے ہیں جبکہ وہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوتے تھے اپنی گمراہی کو اور کفر کے ساتھ داخل ہوتے تھے اور اسی کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے باہر نکل جاتے تھے۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت واذا جاء وک قالوا امنا وقد دخلوا بالکفر وھم قد خرجوا بہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ لوگ حق کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے داخل ہوتے اور ان کے دل کفر کو چھپائے ہوئے تھے۔ اسی کو فرمایا لفظ آیت وقد دخلوا بالکفر وھم قد خرجوا بہ۔

امام ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ یہ منافقین میں سے یہودی تھے انہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کفر کی حالت میں داخل ہوئے اور کفر کی حالت میں نکل گئے۔

﴿ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ گناہ، زیادتی اور حرام خوری میں بڑے سرگرم ہیں، بیشک وہ جو کچھ کر رہے ہیں بہت برا ہے۔ (۶۲) ان کے راہب اور پادری انھیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے' یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بہت برے کام ہیں۔ (۶۳)

بہت سے یہود کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ کذب بیانی، ارتکاب معصیت، ظلم وزیادتی اور حرام خوری میں اللہ اور انسانوں سے شرم کیے بغیر تیزی سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ "اثم" سے مراد وہ گناہ ہے جس کا نقصان کرنے والے کو ہوتا ہے جیسے جھوٹ، شرک، کفر و بدعت اور "عدوان" وہ گناہ ہے جس سے دوسرے کو بھی نقصان پہنچتا ہے جیسے ظلم وزیادتی، حق تلفی وغیرہ۔ "سحت" حرام مال جو ناجائز ذرائع سے کمایا جائے۔

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت

گناہ کی بات کہنے سے مراد جھوٹ بولنا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہتے تھے ہم ایمان لائے ہیں اور یہ جھوٹ ہے اور توراۃ میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرتے تھے' اور اس سے بھی توراۃ میں منع کیا گیا ہے اور ان کے علماء اس سے بھی منع نہیں کرتے تھے اور گناہ کرنے کی بہ نسبت گناہ سے منع نہ کرنا زیادہ مذموم ہے' کیونکہ

گناہ کرنے والا گناہ سے لذت حاصل کرتا ہے' اس لیے گناہ کرتا ہے اور گناہ سے منع نہ کرنا محض گناہ بے لذت ہے' اس لیے اس کی زیادہ مذمت ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کے ان علماء کی مذمت کی ہے جو ان کو گناہوں سے نہیں روکتے تھے۔

حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ ربانیوں سے مراد عیسائیوں کے علماء ہیں' اور احبار سے مراد یہود کے علماء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد یہودی ہیں' کیونکہ یہ آیات یہودیوں کے متعلق ہیں۔ ایک لفظ سے مراد یہود کے درویش ہیں اور دوسرے لفظ سے مراد یہود کے علماء ہیں۔ علامہ ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا علماء کی تنبیہ کے باب میں یہ سب سے سخت آیت ہے۔ ضحاکؒ نے کہا کہ قرآن مجید کی جس آیت سے سب سے زیادہ خوف پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہی آیت ہے۔ کیونکہ جو شخص نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں سستی اور کوتاہی کرے' اس کو اور برے کام کرنے والے شخص' دونوں کی مذمت کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دیا ہے۔ [1]

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ نے ایک فرشتہ کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں بستی والوں پر ان کی بستی کو الٹ دو۔ اس نے کہا اس بستی میں ایک بندہ ہے جس نے ایک پل بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا اس بستی کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو' کیونکہ میری وجہ سے اس شخص کا چہرہ ایک دن بھی غصہ سے متغیر نہیں ہوا۔ اس حدیث کے دو راویوں

۱۔ (زاد المسیر' ج ۲' ص ۳۹۱)

کی تضعیف کی گئی ہے۔لیکن ابن المبارک اور ابو حاتمؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔ [1]

امام ابو عیسی محمد بن عیسیٰؒ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو' اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو گے تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی (المائدہ: ۱۰۵) اور میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ [2]

حضرت حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا' ورنہ عنقریب اللہ تم پر عذاب بھیج دے گا' پھر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی' یہ حدیث حسن ہے۔ [3]

حضرت طارق بن شہابؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' کہ تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے' اور جو اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے بدلے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے' وہ اس کو دل سے بدلے اور یہ سب سے

۱۔(مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۷۰' المعجم الاوسط' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۶۵۷' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۴۱۵ ھ)

۲۔(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۷۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۳۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۵' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰' ۱۶' طبع دار الفکر بیروت و دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' ص ۷' ۵' ۲' طبع قدیم صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰۵' ۳۰۴' سنن کبری' للبیہقی' ج ۱۰' ص ۹۱)

۳۔(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۷۶' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۳۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۵)

کمزور ایمان ہے۔ [1]

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترمذی کی روایت میں ہے اور اللہ کی حدود میں مداہنت، یعنی سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثال اس طرح ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی، بعض لوگوں کے نام اوپر کی منزل کا قرعہ نکلا اور بعض لوگوں کے نام نچلی منزل کا، نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل پر گئے۔ پھر انھوں نے کہا: اگر تم کشتی کے پیندے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو اوپر کی منزل والوں کو زحمت نہیں ہوگی۔ اگر اوپر کی منزل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے چھوڑ دیا تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک لیا تو وہ بھی نجات پالیں گے اور نچلی منزل والے بھی۔ [2]

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جا رہے ہوں اور وہ ان گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں، اور پھر نہ مٹائیں تو اللہ ان کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور اس کی سند حسن ہے۔ [3]

۱۔ (صحیح مسلم، ایمان، ۷۸، (۴۹) ۱۷۵، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۱۴۰، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۱۷۹، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۵۰۲۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۷۵۔۴۰۱۳، مسند احمد، ج ۳، ص ۵۲۔۱۰ طبع قدیم، سنن کبری للبیہقی، ج ۱۰، ص ۹۰)

۲۔ (صحیح البخاری، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۴۹۳، ۲۶۸۶، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۱۸۰، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۹۷، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۳۸۹، طبع دار الفکر، ج ۴، ص ۲۷۳، ۲۷۰، ۲۶۸، طبع قدیم، سنن کبری للبیہقی، ج ۱۰، ص ۲۸۸، ۹۱)

۳۔ (صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۰، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۹، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۹، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۶۶۔۳۶۴، قدیم المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۲ رقم الحدیث: ۲۳۸۳، ۲۳۸۲)

ایک روایت میں ہے جس قوم میں گناہ کیے جائیں وہ قوم زیادہ اور غالب ہو پھر بھی مداہنت کرے اور خاموش رہے اور برائی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے' تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا۔ [1]

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات بیان کی جائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ [2]

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا' اے شخص اللہ سے ڈر' اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ کام تیرے لیے جائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا' تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا' جب انھوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا' ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے' وہ بہت برا کام تھا۔ (المائدہ: ۷۹۔۷۸)

پھر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں بخدا تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لیے مجبور کرنا' ورنہ اللہ تمہارے دل بھی

۱۔ (المعجم الکبیر' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۸۵۔۲۳۸۱۔۲۳۸۰' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۶۳۔۳۶۱' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ج ۹۱)

۲۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۱' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۴۴' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۱۱' مسند البزار' رقم الحدیث: ۳۳۳۱۳' مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۷۲)

ایک جیسے کردے گا' پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی تھی۔ [1]

نہی عن المنکر بھی علما ہی کی ذمہ داری ہے

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت وتری کثیرا منھم یسارعون فی الاثم والعدوان کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یہودی ہیں پھر فرمایا لفظ آیت لبئس ما کانوا یعملون۔ لولا ینھھم الربنیون والاحبار سے لے کر لفظ آیت لبئس ما کانو یصنعون تک یعنی وہ ایک ہی (جیسا) عمل کرتے تھے۔ پھر فرمایا اللہ نے ان کو منع نہیں کیا جیسے کہ ان لوگوں کو (منع نہیں کیا) جب انھوں نے (برے) عمل کئے۔

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وتری کثیرا منھم یسارعون فی الاثم والعدوان واکلھم السحت کے بارے میں فرمایا کہ یہ یہود کے احکام میں سے تھا تمہارے آگے (یعنی تم سے پہلے)۔

امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت لولا ینھھم الربنیون والاحبار سے فقہاء اور علماء مراد ہیں۔

امام ابوالشیخؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت لولا ینھھم سے علماء اور بڑے علماء مراد ہیں۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ انھوں نے لفظ آیت لبئس ما کانوا یصنعون کے بارے میں فرمایا کہ فقہاء اور علماء نے انھیں غلط بات کہنے اور حرام کھانے سے نہیں روکا

۱۔ (سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۳۷۔۴۳۳۶' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۹' ۳۰۵۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۶' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۹۱' طبع قدیم' امام احمد کی سند میں انقطاع ہے' اس لیے یہ سند ضعیف ہے' مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۷۱۳' طبع دارالحدیث قاہرہ المعجم الاوسط' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۲۳' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے سند کے تمام راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۶۹)

(تو یہ کتنا برا کام کر رہے ہیں)۔

امام ابن ابی حاتمؒ سے روایت ہے کہ علیؓ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! بلاشبہ تم سے پہلے لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور ان کے فقہاء اور علماء نے ان کو نہ روکا۔ جب سرکشی میں بہت بڑھ گئے اور ان کے فقہاء اور علماء نے ان کو نہ روکا تو ان کو عذاب نے پکڑ لیا۔ پھر ان کو نیکی کا حکم دیا گیا اور برائی سے روکا گیا۔ اس لیے کہ نیکی کا حکم کرنا اور گناہوں سے روکنا نہ رزق کو ختم کرتا ہے اور نہ موت کو قریب کرتا ہے۔

امام ابن مبارکؒ نے زھد میں عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے ضحاک بن مزاحمؒ سے روایت کیا کہ قرآن میں اس آیت سے بڑھ کر کوئی آیت میرے نزدیک زیادہ خوف والی نہیں یعنی لفظ آیت لولا ینھھم الربنیون والاحبار عن قولھم الاثم والعدوان واکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون دونوں فریقوں کے لیے برائی کا ذکر ہے۔

امام عبد بن حمیدؒ نے سلمہ بن نبیطؒ کے طریق سے ضحاکؒ سے روایت کی کہ لفظ آیت لولا ینھھم الربنیون والاحبار میں ربانیون اور احبار سے ان کے فقہاء ان کے قراء اور ان کے علماء مراد ہیں پھر ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو کوئی آیت اس آیت سے بڑھ کر ڈرانے والی نہیں۔

امام ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ نے جریرؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسی قوم جس کے درمیان ایسا آدمی ہو جو بدکاریاں کرتا ہو۔ جبکہ وہ لوگ طاقت رکھتے ہوں کہ اسے روکیں (مگر نہ روکیں) تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب دے گا۔

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا

بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ
وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا
وَّ كُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ
فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ
الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

”اور یہود نے کہا اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، حالانکہ انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اوران پر لعنت کی گئی ہے اس وجہ سے جو انھوں نے کہا۔ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے، جیسے چاہتا ہے اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔“ اللہ تعالیٰ ان میں سے بہت سے لوگوں کو سرکشی اور کفر میں ضرور بڑھا دے گا اور ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا۔ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ

زمین میں فساد کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔" (۶۴) اور اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں تو ہم ان سے ان کے گناہ جھاڑ دیں گے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کریں گے۔ (۶۵)

ربط آیت: اس سے پہلے اللہ تعالیٰ یہود کی برائیاں اور ان کے گناہ ذکر فرمائے تھے کہ وہ گناہ اور سرکشی میں تیزی سے دوڑتے ہیں حرام کھاتے ہیں اور حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مال حاصل کر کے جمع کر کے جمع کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا کفر بیان کیا' کہ انھوں نے اللہ عزوجل کی طرف بخل کو منسوب کیا' اور یہ ایسی جرات ہے جس کا ارتکاب کوئی صاحب عقل نہیں کر سکتا' ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' اللہ تعالیٰ ایسی نسبت سے پاک' بلند اور برتر ہے۔

شان نزول: (آیت) "وقالت الیہود ید اللہ"

طبرانیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں میں سے، ناش بن قیس نامی ایک شخص نے کہا کہ آپ کا پروردگار بخیل ہے، کچھ خرچ نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ابوالشیخ نے دوسرے طریقے پر ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ یہود بنی قینقاع کے سردار فخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص نباش بن قیس تھا۔ اس نے کہا آپ کا رب بخیل ہے' خرچ نہیں کرتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ

بندھے ہوئے ہیں۔[1]

ہر چند کہ کسی ایک یہودی نے یہ خبیث قول کہا تھا' لیکن چونکہ باقی یہود میں سے کسی نے اس قول سے برات کا اظہار نہیں کیا اور اس کا رد نہیں کیا اس لیے پوری قوم یہود کی طرف اس قول کی نسبت فرمائی۔

امام ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ عکرمہؒ نے کہا ہے کہ یہ آیت فخ اس یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ان الفاظ میں دی کہ اللہ کو کون قرض حسنہ دیتا ہے، حالانکہ وہ مال اللہ تعالیٰ ہی کا تھا، اسی نے دیا تھا اور اس کے دیے ہوئے میں سے ہی انھوں نے دینا تھا، تو یہودی بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے انداز بیان اور اس کے فضل و کرم پر غور کرتے اور سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کئی گنا بڑھا کر دینے کے لیے صدقے کی ترغیب دے رہا ہے اور اسے قرض کہہ رہا ہے، کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تو فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، تبھی وہ ہم سے قرض مانگتا ہے، یہ یہود کی انتہائی خست اور کمینگی تھی۔ وہی کمینگی اس آیت میں دوسرے الفاظ میں ذکر کی گئی ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے یعنی وہ بخیل ہے، کچھ دیتا نہیں بلکہ مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا، ہاتھ تو انھی کے بندھے ہوئے ہیں اور بخیلی انھی کی صفت ہے اور انھی گستاخیوں اور کمینگیوں کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں، وہ بے انتہا فضل و کرم کا مالک اور بے حد و حساب عطا فرمانے والا ہے، تمام خزانے اس کے پاس ہیں، جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ تمام مخلوق کی ہر حاجت اور ضرورت جو اسے پڑتی یا پڑ سکتی ہے وہی پوری کرتا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ : یعنی وہ بخیل ہے، تو اللہ نے ان کی اس خباثت کا جواب یہ دیا کہ

۱۔ (المعجم الکبیر' ج ۱۲ رقم الحدیث: ۱۲۴۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

۲۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۴۰۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس بدترین صفت کے مالک اب ہمیشہ کے لیے وہی لوگ رہیں گے اور ان پر ان کے اس مذموم قول کی وجہ سے لعنت بھیج دی گئی، چنانچہ ان کا حال ایسا ہی ہے کہ بخل، حسد، بزدلی اور ذلت ان کا مقدر بن گئی۔ گویا ہاتھوں کے باندھے جانے سے مراد بخل ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا) [بنی اسرائیل: ۲۹] "اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا کر لے اور نہ اسے کھول دے، پورا کھول دینا، ورنہ ملامت کیا ہوا، تھکا ہارا ہو کر بیٹھ رہے گا۔" اور فرمایا: (اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا) [الدھر: ٤] "یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔" اور فرمایا: (وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝25 وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝26 يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝27 مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝28 هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝29 خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝30 ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ) [الحآقۃ: ۲۵ تا ۳۱] "اور لیکن جسے اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔ اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش کہ وہ (موت) کام تمام کر دینے والی ہوتی۔ میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری حکومت مجھ سے برباد ہو گئی۔ اسے پکڑو، پس اسے طوق پہنا دو۔ پھر اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دو۔"

بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ : یعنی وہ بے پایاں فضل و کرم کا مالک اور بے حد و حساب عطا فرمانے والا ہے۔ ہر چیز کے اس کے پاس بے پناہ خزانے ہیں، اس کی مخلوق کو جو بھی نعمت حاصل ہے وہ اسی وحدہ لاشریک لہ کے پاس سے ہے، اس نے ہماری ضرورت کی ہر اس چیز کو پیدا فرمایا

ہے جس کی ہمیں رات دن، حضر وسفر اور تمام حالات میں ضرورت تھی، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ) [إبراهيم: ٣٤] "اور تمہیں ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمت شمار کرو تو اسے شمار نہ کر پاؤ گے۔ بلاشبہ انسان یقیناً بڑا ظالم، بہت ناشکرا ہے۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن کا خرچ کرنا اسے کم نہیں کرسکتا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے جب سے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا ہے اس کا خرچ کرنا اسے کم نہیں کرسکا، جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہے۔" اور فرمایا: "اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں موت ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بلند کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پست کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔"[1]

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جن، سب ایک میدان میں کھڑے ہوں، پھر مجھ سے مانگنا شروع کریں اور میں ہر ایک کو جو وہ مانگے دے دوں تب بھی میرے پاس جو کچھ ہے وہ کم نہیں ہوگا، مگر اتنا جیسے دریا میں سوئی ڈبو کر نکال لو (تو دریا کا پانی جتنا کم ہوتا ہے اتنا بھی میرا خزانہ کم نہیں ہوگا، اس لیے کہ دریا کتنا ہی بڑا ہو آخر محدود ہے اور میرا خزانہ بے انتہا ہے۔ پس یہ صرف مثال ہے)

---

[1]۔ [مسند أحمد: ٢/ ٣١٣، ح: ٨١٦۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وکان عرشہ علی الماء): ٤٦٨٤۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی النفقۃ: ٣٧/ ٩٩٣]

---"[1]

زیر تفسیر آیت اور دوسری بہت سی آیات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ موجود ہیں۔ بعض لوگ اس کا ترجمہ قبضہ قدرت وغیرہ کرتے ہیں اور ہاتھوں کا انکار کرتے ہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم اس کے ہاتھ مانیں گے تو وہ ہمارے جیسا ہو جائے گا، حالانکہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ان لوگوں کی بات درست نہیں، کیونکہ یہ تو اس وقت ہوگا جب ہم کہیں کہ اس کے ہاتھ ہمارے ہاتھوں جیسے ہیں، جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ ہیں مگر ہمارے جیسے نہیں، بلکہ ایسے ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہیں تو اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔جبکہ اس کے ہاتھوں کے انکار سے کئی احادیث اور قرآن کی آیات کا انکار لازم آتا ہے۔اب ہم سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی دیکھتا، سنتا اور موجود ہے تو کیا وہ ہمارے جیسا ہوگا؟ نہیں بلکہ اس کا سننا اور دیکھنا ہماری طرح نہیں، بلکہ ایسا ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔جس طرح اللہ کی ذات بے مثل ہے اسی طرح اس کی صفات بھی بے مثل ہیں۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا: یعنی یہ لوگ اگر ہدایت کے طلب گار ہوتے تو آپ پر نازل ہونے والی آیات سے صحابہؓ کے ایمان کی طرح ان کے ایمان میں بھی اضافہ اور ترقی ہوتی، مگر چونکہ ان کے دل عناد، بغض اور حسد سے بھرے ہوئے ہیں، اس لیے تیرے رب کی طرف سے جو کچھ بھی تجھ پر نازل ہوگا وہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو سرکشی اور کفر ہی میں زیادہ کرے گا، اسی کا نتیجہ تھا کہ جیسے جیسے قرآن اترتا ان کی سرکشی اور کفر بڑھتا جاتا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷]

عَلَيْهِمْ عَمًى أُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ)[حٰم السجدة:٤٤] "کہہ دے یہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا ہے اور وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا ہونے کا باعث ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں بہت دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔"

اور فرمایا: (وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا)[بنی اسرائیل:٨٢] "اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔"

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ: یعنی جب کبھی یہ لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتا ہے۔ غزوہ بنو نضیر ان لڑائیوں میں سے ایک ہے جس میں یہودیوں نے ابتدا کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے لڑائی کی آگ کو بجھا دیا اور یہودیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑ نہ سکے، ارشاد فرمایا: (هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ)[الحشر:٢] "وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا پہلے اکٹھ ہی میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تم نے گمان نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور انھوں نے سمجھ رکھا تھا کہ یقیناً ان کے قلعے انھیں اللہ سے بچانے والے ہیں۔ تو اللہ ان کے پاس آیا جہاں سے انھوں نے گمان نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں کے ساتھ برباد کر رہے تھے، پس عبرت حاصل کرو اے

آنکھوں والو!" اور فرمایا: (فَمَآ اَوۡجَفۡتُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ خَيۡلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰـكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ)[الحشر:٦] "تو تم نے اس پر نہ کوئی گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ اور لیکن اللہ اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔" اور فرمایا: (وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِغَيۡظِهِمۡ لَمۡ يَنَالُوۡا خَيۡرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الۡقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيۡزًا ۔ وَاَنۡزَلَ الَّذِيۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ وَقَذَفَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ فَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَتَاۡسِرُوۡنَ فَرِيۡقًا ۔ وَاَوۡرَثَكُمۡ اَرۡضَهُمۡ وَدِيَارَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ وَاَرۡضًا لَّمۡ تَطَـُٔوۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرًا)[الاحزاب:٢٥ تا ٢٧] "اور اللہ نے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا، ان کے غصے سمیت لوٹا دیا، انھوں نے کوئی بھلائی حاصل نہ کی اور اللہ مومنوں کو لڑائی سے کافی ہو گیا اور اللہ ہمیشہ سے بے حد قوت والا، سب پر غالب ہے۔ اور اس نے ان اہل کتاب کو، جنھوں نے ان کی مدد کی تھی، ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے اور دوسرے گروہ کو قید کرتے تھے۔ اور تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا تھا اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔" ایک مرتبہ یہودیوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو زہر دے کر قتل کرنا چاہا تو اللہ نے آپ کو بچا لیا۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ کی خدمت میں بکری کا گوشت بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔ یہ گوشت زہر آلود تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ یہاں جتنے یہودی ہیں سب کو جمع کرو۔ جب انھیں

آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے ان سے پوچھا: "کیا تم نے اس بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟" وہ کہنے لگے، ہاں! آپ نے پوچھا: "تمھیں اس بات پر کس چیز نے آمادہ کیا؟" انھوں نے کہا، ہم نے سوچا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ سچے نبی ہیں تو زہر آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ [1]

کچھ عرصہ بعد بنو قریظہ نے پھر جنگ کی ابتدا کی، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ نے جنگ کی ابتدا کی۔۔تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنو قریظہ کو (مدینہ) میں برقرار رکھا، یہاں تک کہ انھوں نے جنگ کی ابتدا کی۔ [2]

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ: سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کو صرف زیورات کے حصول کے لیے قتل کر دیا جو وہ پہنے ہوئے تھی۔ [3]

سیدنا سہل بن ابی حثمہؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کی قوم کے چند آدمی خیبر گئے، وہاں پہنچ کر وہ الگ الگ ہو گئے، پھر انھوں نے (وہاں) اپنے میں سے ایک آدمی کو مقتول پایا۔ جنھیں وہ مقتول ملے تھے، ان سے ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے ساتھی کو تم نے قتل کیا۔ انھوں نے کہا کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں قاتل کا پتا معلوم ہے، پھر یہ لوگ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ گئے اور کہا، یا رسول اللہ! ہم خیبر گئے اور پھر ہم نے وہاں ایک ساتھی کو مقتول پایا۔ آپ نے فرمایا: "بڑی عمر والے کو بات کرنے دو۔" پھر آپ نے (مقتول کے ورثا سے) فرمایا: "کیا تمہارے پاس گواہ ہیں، جنھوں نے قاتل کو قتل

۱۔[بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی سم النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۵۷۷۷]

۲۔[مسلم، کتاب الجھاد، باب إجلاء الیھود من الحجاز: ۱۷۶۶]

۳۔[بخاری، کتاب الدیات، باب من أقاد بالحجر: ۶۸۷۹۔ مسلم، کتاب القسامۃ، باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر: ۱۶۷۲]

کرتے ہوئے دیکھا ہو؟" انھوں نے کہا، گواہ تو کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا: "پھر یہودی (پچاس) قسمیں کھائیں گے۔" وہ کہنے لگے، ہم یہود کی قسموں پر راضی نہیں۔ اور ابو قلابہؒ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انھیں کہا: "تم پچاس آدمی قسمیں کھاتے ہو کہ واقعی تمہارے ساتھی کو یہود نے قتل کیا ہے؟" انھوں نے کہا، ہم تو ایسی قسمیں نہیں کھا سکتے۔ آپ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ عبداللہ بن سہلؓ کا خون رائگاں جائے۔ چنانچہ آپ نے زکوۃ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ اس کے وارثوں کو دلوا دیے۔ [1]

یہودیوں کی تاریخ اور ان کے موجودہ حالات جاننے والے ہر شخص کو معلوم ہے کہ کس طرح ہر لڑائی کے پیچھے یہودیوں کا خفیہ ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے کہ وہ ان کے منصوبے پورے نہیں ہونے دیتا۔ افسوس! اب مسلمانوں کے اکثر علماء وعوام کا بھی تقریباً یہی حال ہے کہ انھوں نے اللہ کے دین پر عمل چھوڑ رکھا ہے، بلکہ جب بھی موقع ملتا ہے اسلام کے کسی نہ کسی حکم سے انکار یا اس کی گستاخی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ یہودانہ خصلت ہے، جس کی وجہ سے وہ مسلمان ملکوں کے مالک ہو کر بھی کفار کے محکوم ہیں اور ان برکات سے محروم ہیں جو کتاب وسنت پر عمل کرنے اور برائیوں کو روکنے کے لیے جہاد کرنے کی صورت میں انھیں حاصل ہوتیں۔

اس آیت کا معنی ہے کہ اگر اہل کتاب اللہ اور اس کے رسول، یعنی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آتے اور اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے اور گناہ کرنے اور سرکشی کرنے سے اللہ سے ڈرتے، یعنی اللہ کی کتاب میں لفظی اور معنوی تحریف نہ کرتے، رشوت لے کر حرام مال نہ کھاتے تو ہم نہ

---

[1]۔ [بخاری، کتاب الدیات، باب القسامۃ: ٦٨٩٨]

صرف یہ کہ ان کے گناہوں کو مٹا دیتے' بلکہ ان کو جنت کی نعمتوں میں اخل کر دیتے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی خرابی اور ان کے مرض کا ذکر کیا تھا' اور اس آیت میں اس کے تدارک اور علاج کا ذکر فرمایا ہے۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ ؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ولوان اھل الکتب امنوا وتقفا کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایمان لاتے اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور بچتے ان چیزوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا۔

امام ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ ؒ نے مالک بن دینا ؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت جنت النعیم جنات نعیم سے مراد وہ جنات ہیں جو جنات الفردوس اور جنات عدن کے درمیان ہیں۔ اور ان میں ایسی لڑکیاں ہیں جن کو جنت کے گلاب کے پھولوں سے پیدا کیا گیا۔ عرض کیا ان میں کون رہے گا تو فرمایا جو لوگ کسی گناہ کا ارادہ کرتے تھے لیکن پھر جب اللہ جل جلالہ کی عظمت کو یاد کرتے تو اس سے رک جاتے۔

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ﴾

اور اگر وہ توراۃ، انجیل اور اس (کلام اللہ) کو قائم رکھتے جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے،

ان میں سے ایک جماعت اعتدال پسند ہے، اور ان میں سے اکثر برے کام کرتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ اَرْجُلِهِمْ: "اقامت توراۃ وانجیل" کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے احکام وحدود کو نافذ کرتے اور نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جو اوصاف ان دونوں کتابوں میں مذکور ہیں ان پر ایمان لے آتے، جو ان کے اسلام میں داخل ہونے پر منتج ہوتا اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لے آتے، تو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین سے اپنی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتا اور روزی کے تمام اسباب مہیا کر دیتا۔ یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی واطاعت روزی میں وسعت کا سبب ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ)[الاعراف:۹۶] "اور اگر واقعی بستیوں والے ایمان لے آتے اور بچ کر چلتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے بہت سی برکتیں کھول دیتے اور لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے انھیں اس کی وجہ سے پکڑ لیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔"

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تین شخص ایسے ہیں جن کے لیے دوگنا ثواب ہے: 1 وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو، اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور (پھر) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بھی ایمان لائے۔ 2 مملوک غلام، جب کہ وہ اللہ کے حق کو اور اپنے مالک کے حق کو ادا کرتا رہے۔ 3 وہ شخص جس کے پاس اس کی لونڈی ہو، اس نے اسے ادب سکھایا اور عمدہ

تربیت کی اور اسے اچھی و اعلیٰ تعلیم دی، پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا، پس اس کے لیے دو گنا ثواب ہے۔"[1]

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُوْنَ: اہل کتاب میں سے جو لوگ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آئے، جیسے عبداللہ بن سلامؓ، نجاشی اور سلمان فارسیؓ، انھیں اللہ تعالیٰ نے ایسی جماعت میں شمار کیا جو ایمان لائی اور سیدھی راہ پر گامزن ہوگئی، لیکن ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ اہل کتاب میں سے اکثر و بیشتر نے برے اعمال کا ارتکاب کیا، حق کو بدل دیا، اس سے اعراض کیا اور اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں حد سے تجاوز کر گئے۔ افراط و تفریط سے بچ کر چلنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ) [الاعراف: ۱۵۹] "اور موسیٰ کی قوم میں سے کچھ لوگ ہیں جو حق کے ساتھ رہنمائی کرتے اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔" اور فرمایا: (ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ) [فاطر: ۳۲، ۳۳] "پھر ہم نے اس کتاب کے وارث اپنے وہ بندے بنائے جنھیں ہم نے چن لیا، پھر ان میں سے کوئی اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے اور ان میں سے کوئی میانہ رو ہے اور ان میں سے کوئی نیکیوں میں آگے نکل جانے والا ہے، اللہ کے حکم سے۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔ ہمیشگی کے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے، ان میں انھیں سونے کے کنگن اور موتی

۱۔ [بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته وأہلہ: ۹۷۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۱۵۴]

پہنائے جائیں گے اوران کا لباس ان میں ریشم ہوگا۔"

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ ؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت ولو انھم اقاموا التورۃ والانجیل کے بارے میں فرمایا یعنی اگر وہ لوگ قائم کرتے توراۃ کو اور انجیل کو اور ان کے ساتھ عمل کرتے اور لفظ آیت وما انزل الیھم من ربھم یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور جو کچھ اتارا گیا اس پر (ایمان لائے) تو لفظ آیت لاکلوا من فوقھم یعنی ہم ان پر بارش بھیجتے (اور) لفظ آیت ومن تحت ارجلھم یعنی ان کے لیے زمین سے (اتنی پیداوار) اگتی میرے رزق میں سے جو ان کو کافی ہوجاتی پھر فرمایا لفظ آیت منھم امۃ مقتصدۃ یعنی اہل کتاب میں سے (کچھ لوگ) مسلمان بھی ہیں۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت لاکلوا من فوقھم یعنی ہم ان پر آسمان سے بہت بارش برساتے۔ لفظ آیت ومن تحت ارجلھم یعنی زمین میں بھی اس کی برکتیں نکلتیں۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ وہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں یعنی یہ لوگ کھاتے اس رزق میں سے جو اس سے نازل ہوتا اور اس رزق میں سے جو زمین سے اگتا۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابوالشیخ ؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم یعنی آسمان ان کو اپنی برکتیں عطا کرتا ہے اور زمین ان کو اپنی نباتات عطا کرتی (پھر فرمایا) لفظ آیت منھم امۃ مقتصدۃ یعنی (ان میں ایک معتدل امت ہے) جو اللہ کی کتاب پر ایمان لائے پھر اکثر قوم کی خدمت کرتے ہوئے فرمایا لفظ آیت وکثیر منھم ساء ما یعملون (یعنی ان میں سے اکثر برے اعمال کرنے والے ہیں۔

امام ابن جریر اور ابوالشیخ ؒ نے ربیع بن انسؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت امۃ مقتصدۃ سے مراد وہ

لوگ ہیں جنہوں نے دین میں نہ فسق کیا ہیں۔ اور نہ غلو کیا پھر فرمایا کہ غلو سے مراد رغبت ہے۔ اور فسق سے مراد ہے اس سے کوتاہی کرنا۔

امام ابوالشیخؒ نے سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت امۃ مقتصدۃ سے مراد ہے ایمان لانے والی (امت)۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے جبیر بن نفیرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا عنقریب علم اٹھالیا جائے گا میں نے عرض کیا یہ کس طرح ہوگا حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تیری ماں تجھے روئے۔ اے نفیر کے بیٹے! میں تجھ کو اہل مدینہ میں سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا کیا توراۃ اور انجیل یہودی ونصاری کے ہاتھوں میں نہیں ہے؟ لیکن ان کتابوں نے ان کو کیا فائدہ دیا جب انھوں نے اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا پھر (یہ آیت) پڑھی لفظ آیت ولو انھم اقاموا التورۃ والانجیل کتاب اللہ کی حفاظت عمل سے ہوگی۔

امام احمدؒ، ابن ماجہؒ نے ابن ابی الجعدؒ کے طریق سے زیاد بن لبیدؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک چیز کو بیان فرمایا ہو میں نے عرض کیا اور یہ چیز تو ہماری اولادوں کے چلے جانے کے بعد ہی ہوگی۔ یا رسول اللہ اور کس طرح علم چلا جائے گا کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور ہم اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے۔ قیامت کے دن تک (اسی طرح سلسلہ چلتا رہے گا) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا۔ اے ابن ام البید تیری ماں تجھ پر روئے میں تجھ کو مدینہ میں سب سے زیادہ سمجھدار آدمی سمجھتا تھا کیا یہ یہود اور انصاری توراۃ اور انجیل نہیں پڑھتے ہیں اور ان دونوں میں جو ہے اس سے نفع نہیں اٹھاتے۔

امام ابن مردویہؒ نے یعقوب بن زید بن طلحہؒ کے طریق سے زید بن اسلمؒ سے انھوں نے انس بن مالکؓ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ (پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو یہ بات بیان فرمائی کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی امت اکہتر فرقوں میں بٹ گئی۔ ان میں سے ستر دوزخ میں جائیں گے اور اس میں سے ایک جنت میں جائے گا۔ اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی امت بہتر فرقوں میں بٹ گئی۔ جن میں سے ایک جنت میں ہوگا اور اکہتر دوزخ میں ہوں گے۔ اور تم ان دونوں امتوں پر ایک فرقہ میں بڑھ کر تہتر ہو گے) ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا وہ کون ہوں گے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جماعت یعقوب بن زیدؒ نے فرمایا کہ علی بن ابی طالبؓ جب یہ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیان فرماتے تھے تو اس میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرماتے تھے یعنی لفظ آیت ولوان اھل الکتب امنوا واتقوا سے لے کر لفظ آیت ساء ما یعملون تک اور یہ آیت بھی تلاوت فرماتے لفظ آیت وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت۔

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٦٧ ﴾

"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا

ہے اسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ بیشک اللہ انکار کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

شان نزول: (آیت) "یا یہا الرسول بلغ ما انزل الیک"

ابوالشیخؒ نے حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت سے مشرف فرمایا تو میرے دل میں پریشانی ہوئی اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ لوگ ضرور میری تکذیب کریں گے تو مجھے اس چیز کا ڈر ہوا کہ میں تمام احکام کی تبلیغ کردوں، ورنہ مجھے عذاب دیا جائے گا۔

تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور ابن ابی حاتمؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار، کس طرح تبلیغ کروں میں اکیلا ہوں اور سب مل کر مجھ پر ہجوم کر جائیں گے تو اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جملہ نازل ہوا، (آیت) "وان لم تفعل فما بلغت رسلتہ"۔

اور حاکم وترمذیؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پہرہ دیا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی، (آیت) "واللہ یعصمک من الناس"۔ تو آپ نے خیمہ سے سر نکالا اور فرمایا کہ لوگو واپس چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

نیز طبرانیؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباسؓ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عم محترم ان حضرات میں سے تھے جو آپ کا پہرہ دیا کرتے تھے، جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی،

کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا تو انھوں نے پہرہ دینا چھوڑ دیا۔

نیز عصمۃ بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم رات کو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پہرہ دیا کرتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا تو پہرہ دینا چھوڑ دیا گیا۔

اور ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جب ہم اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی سفر میں ہوتے تو ہم آپکے لیے سب سے بڑا اور سب سے زیادہ سایہ دار درخت چھوڑ دیتے تھے جس کے نیچے آپ اتر کر آرام فرماتے، چنانچہ ایک دن ایسے ہی ایک درخت کے نیچے آپ نے آرام فرمایا اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی تو ایک شخص نے آکر وہ تلوار اتار لی اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بچا سکتا ہے تلوار رکھ دے اس نے تلوار رکھ دی، تب یہ آیت نازل ہوئی (آیت) "واللہ یعصمک من الناس"۔

اور ابن ابی حاتمؒ اور ابن مردویہؒ نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غزوہ بنی انمار کیا تو مقام ذات الرقیع میں ایک کھجوروں کے بلند باغ پر پڑاؤ کیا، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھے ہوئے تھے اور پیر کنوئیں میں لٹکا رکھے تھے۔

تو بنی نجار میں سے وارث نامی ایک شخص کہنے لگا کہ العیاذ باللہ میں ضرور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کروں گا، تو اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ کس طرح قتل کرے گا وہ کہنے لگا میں آپ سے آپ کی تلوار مانگوں گا، جب آپ اپنی تلوار دے دیں گے تو میں آپ کو قتل کردوں گا، چنانچہ وہ آیا اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ذرا اپنی تلوار تو دیجیے، میں سونگھتا ہوں، آپ نے تلوار دے دی تو اس کا ہاتھ

کانپنے لگا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے ارادہ کے درمیان حائل ہوگیا۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (آیت) "یایھا الرسول بلغ ماان (الخ)

اور ابن مردویہؒ اور طبرانیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کی جاتی تھی اور ابوطالب بنی ہاشم میں سے کچھ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بھیجنے کا ارادہ فرمایا، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا عم محترم اللہ تعالیٰ نے جن وانس سب سے میری حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے۔

نیز ابن مردویہؒ نے جابر بن عبداللہؓ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے اور اس سے اس چیز کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے مگر ظاہر اس کا مخالف ہے۔

تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیریؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں سہارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی' اس نے اللہ پر بہت برا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا: جس نے یہ کہا کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا' میں سہارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المؤمنین! مجھے مہلت دیں اور جلدی نہ کریں' کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا؟ اور بیشک انھوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا (التکویر: ۲۳) اور فرمایا اور بیشک

انھوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا (النجم: ۱۳) حضرت عائشہؓ نے فرمایا اس امت میں' میں سب سے پہلی ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ جبرائیل ہیں' جس صورت پر جبرائیل کو پیدا کیا ہے' آپ نے اس صورت پر جبرائیل (علیہ السلام) کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ آپ نے جبرائیل (علیہ السلام) کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا' ان کی عظیم خلقت (بناوٹ اور جسامت) نے تمام آسمان اور زمین کو بھر لیا تھا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ قول نہیں سنا آنکھیں اللہ کا ادراک (احاطہ کرتے ہوئے) نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے وہ وہی باریکیوں کو جاننے والا اور ظاہر و باطن سے خبردار ہے (الانعام: ۱۰۳) اور کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ قول نہیں سنا اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے اس کو وہ پہنچا دے جو اللہ چاہے (الشوریٰ: ۵۱) اور جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ کی کتاب سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے' اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا (المائدہ: ٦٧) اور جس نے یہ کہا کہ آپ کل کی بات کی (ازخود) خبر دیتے ہیں' تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ فرماتا ہے آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی (ازخود) غیب کو نہیں جانتا سوا اللہ کے۔ (النمل: ٦٥)۔[1]

۱۔ (صحیح مسلم' الایمان' ۲۸۷' (۱۷۷) ۴۳۲' صحیح ج ٦' رقم الحدیث: ۴۸۵۵' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷۹' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ۱۱۱۴۷' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۶۰۹۹' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ٦' ص ۲۴۱' طبع قدیم' جامع البیان' جز ٦' ص ۴۱٦)

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کی جاتی تھی۔ حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا (المائدہ: ٦٧) تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ' بیشک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا۔ [1]

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ متوفی ۳٦۰ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عم محترم حضرت عباسؓ ان مسلمانوں میں سے تھے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حفاظت کے انتظام کو ترک کر دیا۔ [2]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پہریداری

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲٥٦ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے اور جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واپس ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ واپس

۱۔ (سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ۳۰٥۷' المستدرک' ج ۲' ص ۳۱۳)

۲۔ (المعجم الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ٤۱۸' المعجم الاوسط' ج ٤' رقم الحدیث: ۳٥۳٤' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں عطیہ العوفی ایک ضعیف راوی۔ مجمع الزوائد: ج ۷' ص ۱۷)

آئے۔ایک وادی جس میں خاردار درخت بہت زیادہ تھے' اس میں انھوں نے دوپہر کے وقت قیام کیا' مسلمان درختوں کے سائے میں بکھر کر آرام کرنے لگے۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس میں تلوار لٹکا دی۔

حضرت جابرؓ نے کہا ہم لوگ سو گئے۔اچانک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں بلایا' ہم آپ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں سویا ہوا تھا' اس شخص نے میری تلوار نکال لی' میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی اور وہ مجھ سے کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ! لو وہ یہ بیٹھا ہوا ہے۔پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ [1]

علامہ علی بن برھان الدین حلبیؒ متوفی ۱۰۴۴ھ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

اس شخص کا نام غویرث بن الحارث تھا۔اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا میں تمہارے لیے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل نہ کروں؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں تم ان کو کیسے قتل کرو گے؟ اس نے کہا میں ان کی غفلت میں ان کے پاس جاؤں گا' وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گیا۔اس وقت تلوار آپ کی گود میں تھی' اس نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ذرا اپنی تلوار مجھے دکھائیں۔پھر تلوار آپ کی گود سے لے کر آپ پر سونت لی اور کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ مجھ سے ڈرتے نہیں۔آپ نے فرمایا نہیں' بلکہ اللہ مجھے تم سے بچائے گا' پھر اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۱۳۵ (رض) السیرۃ النبویہ لابن ہشام' ج ۳' ص ۲۲۷' الطبقات الکبری لابن سعد' ج ۲' ص ۶۱' سبل الھدی والرشاد' ج ۵' ص ۱۷۶)

وسلم) کو تلوار دے دی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے تلوار لے کر فرمایا اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ بہتر بدلہ لینے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے لڑوں گا' نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو جانے دیا' وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں' پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ [1]

امام ابن مردویہؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں یوں پڑھتے تھے لفظ آیت یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین (اور فرمایا) لفظ آیت وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے عشرہؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے علیؓ سے کہا کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں پر ظاہر نہ فرمائی ہو تو انھوں نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک اللہ کی قسم! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم کو کسی کالی چیز کا سفید میں سے وارث نہیں بنایا۔ واما قولہ تعالیٰ: لفظ آیت واللہ یعصمک من الناس۔

امام ابن مردویہؒ نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب باہر نکلتے تو ابو طالب آپ کے ساتھ اسی آدمی کو بھیجتے جو آپ کی حفاظت کرتے یہاں تک کہ یہ آیت لفظ

۱۔ (انسان العیون' ج ۲' ص ۵۷۴' حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔ فتح الباری' ج ۷' ص ۴۲۸)

آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی۔تو ابو طالب آپ کے ساتھ آدمی بھیجنے لگے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے میرے چچا! اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمادی اب کسی کو میرے ساتھ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

امام طبرانیؒ، ابوالشیخؒ، ابونعیمؒ سے دلائل میں ابن مردویہ اور ابن عساکرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نگہداشت کی جاتی تھی اور ابو طالب ہر دن آپ کے ساتھ بنو ہاشم میں سے ایک آدمی بھیجتے تھے جو آپ کی حفاظت کرتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا اے میرے چچا اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمادی ہے۔اب کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

امام ابونعیمؒ نے دلائل میں ابوذرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں سوتے تھے۔مگر ہم آپ کے اردگرد ہوتے تھے۔ کیونکہ ہم کو خوف تھا کہ کوئی اچانک حملہ نہ کردے یہاں تک کہ آیت العصمہ نازل ہوئی۔یعنی لفظ آیت واللہ یعصمک من الناس۔

امام طبرانی اور ابن مردویہؒ نے عصمہ بن مالک خطمیؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رات کو چوکیداری کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت لفظ آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی تو ہم نے چوکیداری چھوڑ دی۔

منجانب اللہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کے لیے لوگوں کے مقابلہ میں کافی ہے۔اور آپ کو ان سے بچائیں گے۔اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تبلیغ کا حکم فرمایا اور ہم کو یہ بات ذکر کی

گئی کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ کہا گیا کہ کاش آپ کوئی صاحب (یعنی چوکیدار) رکھ لیتے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جب تک میں لوگوں کے درمیان ہوں اللہ تعالیٰ میری نگہبانی کے ذمہ نہیں چھوڑے گا۔

امام ابن جریر اور ابو الشیخ ؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا ہے کہ جب (یہ آیت) لفظ آیت یا یھا الرسول سے لے کر لفظ آیت واللہ یعصمک من الناس تک نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میری چوکیداری (پہرہ داری) نہ کرو۔ بلاشبہ میرا رب میری حفاظت فرمائے گا۔

امام ابن جریر اور ابن مردویہؒ نے عبداللہ بن شفیق ؒ سے روایت کیا ہے کہ آپ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آپ کے پیچھے (حفاظت کے لئے) رہتے تھے۔ جب (یہ آیت) لفظ آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی تو آپ نے باہر نکل کر فرمایا اے لوگو! اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے میری حفاظت کر لی ہے۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابو الشیخ ؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہؓ برابر آپ کی چوکیداری کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت واللہ یعصمک من الناس تو چوکیداری چھوڑ دی گئی۔ جب آپ کو اس بات کی خبر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرے گا۔

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا

مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّ كُفۡرًا ۚ فَلَا تَاۡسَ عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۶۸﴾

کہہ دو: اے اہل کتاب! تمہاری کوئی بنیاد نہیں جب تک تم توراۃ، انجیل اور اس چیز (قرآن) کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے۔ لیکن وہ چیز جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے، وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی میں اضافہ کرے گی تو تم اس کافر قوم پر غم نہ کرو۔

شان نزول: (آیت) "قل یاھل الکتب لستم"

ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رافع اور سلام بن مشکم اور مالک بن صیف آکر کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ سمجھتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت اور اس کے دین پر ہیں اور جو کتاب ہمارے پاس ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہاں مگر تم نے نئی باتیں پیدا کر لی ہیں اور جو تمہاری کتاب میں ہے، اس کا انکار کرتے ہو اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دو، اسے چھپاتے ہو تو انھوں نے کہا جو ہمارے پاس ہے، ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور ہم ہدایت اور حق پر ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر بھی نہیں (الخ)۔

امام عبدالملک بن ہشام ؒ متوفی ۲۱۳ ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس رافع بن حارثہ' سلام بن مشکم' مالک بن الصیف اور رافع بن حریمہ آئے اور کہنے لگے یا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ آپ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت اور ان کے دین پر ہیں اور آپ اس توراۃ پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے پاس ہے اور آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے برحق ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! کیا تم نے دین میں کچھ نئی بدعات نکال لی ہیں اور اللہ نے تم سے جو عہد لیے تھے' تم نے ان کا انکار کر دیا' اور اللہ نے تم کو جن چیزوں کے بیان کرنے کا حکم دیا تھا' تم نے ان کو چھپالیا' سو میں تمہاری بدعات سے بری ہوں۔ انھوں نے کہا ہم ان چیزوں پر عمل کرتے ہیں جو ہمارے پاس ہیں اور بیشک ہم ہدایت اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے' نہ آپ کی اتباع کریں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کہ اہل کتاب تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ (الآیہ)۔ [1]

یعنی تم کچھ بھی دین پر نہیں ہو سکتے جب تک تم توراۃ وانجیل کو قائم نہ رکھو، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انبیائے کرام (علیہ السلام) پر نازل ہونے والی تمام کتابوں کے ساتھ ایمان نہ لاؤ اور ان کے مطابق عمل نہ کرو اور انھی کتابوں میں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کرو، ان پر ایمان لاؤ اور ان کی شریعت کی اقتدا کرو۔

مطلب یہ ہے کہ اگر پورے طور پر ان کتابوں پر عمل نہ کرو گے تو نہ تمہاری کوئی حیثیت ہے اور نہ تمہاری کوئی دین داری۔ یہی بات مسلمانوں پر بھی صادق آتی ہے کہ اگر وہ قرآن پر پوری طرح عمل نہیں کریں

۱۔ (السیرۃ النبویہ' ج ۲' ص ۱۸۱۔ ۱۸۰' جامع البیان' جز ۶' ص ۴۱۸۔ ۴۱۷)

گے تو ان کی کچھ حیثیت ہوگی نہ کوئی دین داری۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا : ارشاد فرمایا: (وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا) [بنی اِسرائیل:۸۲] "اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔"

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ ﴾

بیشک جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی (یعنی ستارہ پرست) اور عیسائی ان میں سے جو کوئی بھی ایمان لائے اللہ اور روز آخرت پر اور نیک عمل کرے تو ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

چار قوموں کو ایمان اور عمل صالح کی ترغیب اور آخرت میں نجات کا وعدہ

دوسری آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے چار قوموں کو مخاطب کر کے ایمان اور عمل صالح کی ترغیب اور اس پر فلاح آخرت کا وعدہ فرمایا۔ ان میں سے پہلے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، یعنی مسلمان ہیں، دوسرے اَلَّذِيْنَ هَادُوْا، یعنی یہود، تیسرے صابؤن، اور چوتھے نصاریٰ۔ ان میں تین قومیں مسلمان، یہود، نصاریٰ

معروف ومشہور اور دنیا کے اکثر خطوں میں موجود ہیں۔ صابؤن یا صابہ کے نام سے آج کل کوئی قوم معروف نہیں۔ اسی لیے اس کی تعیین میں علماء وائمہ کے اقوال مختلف ہیں۔ امام تفسیر ابن کثیرؒ نے بحوالہ قتادہؒ ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ صابؤن وہ لوگ ہیں جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور قبلہ کے خلاف نماز پڑھتے ہیں اور آسمانی کتاب زبور کی تلاوت کرتے ہیں (جو حضرت داؤد (علیہ السلام) پر نازل ہوئی تھی)۔

قرآن کریم کے اس سیاق سے بظاہر اسی کی تائید ہوتی ہے کہ چار آسمانی کتابیں جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے، توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن، اس میں ان چار کتابوں کے ماننے والوں کا ذکر آ گیا۔

اسی مضمون کی ایک آیت تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ سورہ بقرہ کے ساتویں رکوع میں گزر چکی ہے: (آیت) ان الذین امنوا والذین ھادوا تا ولاھم یحزنون اس میں بتقاضائے مقام بعض الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے سوا کوئی فرق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیاز کا مدار عمل صالح پر ہے

خلاصہ مضمون ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی نسبی، وطنی اور قومی خصوصیت کچھ نہیں جو شخص پوری اطاعت اعتقاد اور عمل صالح اختیار کرے گا، خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو، ہمارے یہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بعد نزول قرآن کے پوری اطاعت مسلمان ہونے میں منحصر ہے۔ کیونکہ کتب سابقہ توراۃ وانجیل میں بھی اس کی ہدایات موجود ہیں، اور قرآن کریم تو سراسر اسی کے لیے نازل ہوا۔ اسی لیے نزول قرآن اور بعثت خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد قرآن اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے بغیر نہ توراۃ وانجیل کا اتباع صحیح ہوسکتا ہے

نہ زبور کا۔تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ ان تمام اقوام میں سے جو مسلمان ہوجائے گا آخرت میں نجات وثواب کا مستحق ہوگا۔اس میں اس خیال کا جواب ہوگیا کہ یہ کفر ومعصیت اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شرارتیں جواب تک کرتے رہے ہیں۔مسلمان ہوجانے کے بعد ان کا کیا انجام ہوگا۔معلوم ہوا کہ پچھلے سب گناہ اور خطائیں معاف کردی جائیں گی اور آخرت میں نہ ان لوگوں کو اندیشہ رہے گا نہ کوئی غم ورنج پیش آئے گا۔

مضمون پر نظر کرنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کا ذکر نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ تو ایمان و اطاعت کے اس مقام پر ہیں جو اس آیت میں مطلوب ہے۔یہاں ذکر صرف ان لوگوں کا کرنا چاہیے جن کو اس مقام کی طرف بلانا ہے۔مگر اس طرز خاص میں کہ مسلمانوں کا ذکر بھی ان کے ساتھ ملا دیا گیا ایک خاص بلاغت پیدا ہوگئی۔اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے موقع پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے،خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو شخص اطاعت کرے گا وہ مورد عنایت وانعام ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ موافق کو بھی ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ہم کو جو موافقین کے ساتھ عنایت ہے وہ کسی نسبی یا قومی خصوصیت کی بناء پر نہیں بلکہ ان کی صفت اطاعت پر تمام عنایت وانعام کا مدار ہے۔اگر مخالف بھی اطاعت اختیار کرے گا وہ بھی اسی لطف وعنایت کا مستحق ہوگا۔

متذکرہ چار قوموں کو خطاب کرکے جس امر کی ہدایت دی گئی اس کے تین جز ہیں،ایمان باللہ،ایمان بالیوم الآخر اور عمل صالح۔

ایمان بالرسالہ کے بغیر نجات نہیں

ظاہر ہے کہ اس آیت میں تمام ایمانیات اور عقائد اسلام کی تفصیلات بیان کرنا منظور نہیں،نہ اس کا کوئی

موقع ہے۔ اسلام کے چند بنیادی عقائد ذکر کر کے تمام اسلامی عقائد کی طرف اشارہ کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا مقصود ہے اور نہ یہ کوئی ضروری بات ہے کہ ہر آیت میں جہاں ایمان کا ذکر آئے اس کی ساری تفصیلات وہیں ذکر کی جائیں اس لیے اس جگہ ایمان بالرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا ایمان بالنبوہ کا ذکر صراحۃ نہ ہونے سے کسی ادنی فہم وعقل اور انصاف و دانش رکھنے والے کو کسی شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ خصوصاً جبکہ پورا قرآن اور اس کی سینکڑوں آیتیں ایمان بالرسالت کی تصریحات سے لبریز ہیں جن میں یہ تصریحات موجود ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ارشادات رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر مکمل ایمان لائے بغیر نجات نہیں، اور کوئی ایمان وعمل بغیر اس کے مقبول ومعتبر نہیں۔ لیکن ملحدین کا ایک گروہ جو کسی نہ کسی طرح قرآن میں اپنے مکروہ نظریات کو ٹھونسنا چاہتا ہے، اور انھوں نے اس آیت میں صراحۃً ذکر رسالت نہ ہونے سے ایک نیا نظریہ قائم کرلیا جو قرآن وسنت کی بیشمار تصریحات کے قطعاً خلاف ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص اپنی اپنے مذہب یہودی، نصرانی یہاں تک کہ ہندو بت پرست رہتے ہوئے بھی اگر صرف اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور نیک کام کرے تو نجات آخرت کا مستحق ہوسکتا ہے۔ نجات اخروی کے لیے اسلام میں داخل ہونا ضروری نہیں (نعوذ باللہ منہ)

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن کی توفیق اور اس پر صحیح ایمان عطا فرمایا ہے۔ ان کے لیے قرآنی تصریحات سے اس مغالطہ کا دور کردینا کسی بڑے علم ونظر کا محتاج نہیں، قرآن کریم کا اردو ترجمہ جاننے والے حضرات بھی اس تخیل کی غلطی کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ چند آیات بطور مثال کے یہ ہیں:

(آیت) کل امن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ۔

"سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اس طرح کہ اس کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے

اس آیت میں واضح طور پر ایمان کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان میں یہ بھی واضح کر دیا کہ کسی ایک یا چند رسولوں پر ایمان لے آنا قطعاً نجات کے لیے کافی نہیں بلکہ تمام رسولوں پر ایمان شرط ہے اگر کسی ایک رسول پر بھی ایمان نہ لایا تو اس کا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر اور مقبول نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: (آیت)

ان الذین یکفرون باللہ تا اولئک ہم الکفرون حقا۔

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کر دیں، (کہ اللہ پر تو ایمان لائیں مگر اس کے رسولوں پر ایمان نہ ہو) اور وہ کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور وہ چاہیں کہ کفر و اسلام کے بیچ بیچ کا ایک راستہ نکال لیں تو سمجھ لو کہ وہی اصل میں کافر ہیں"۔

رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے:

لو کان موسیٰ حیاً لما وسعہ الا اتباعی،

"یعنی اگر بالفرض آج حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کو میرے اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا"۔

تو اب کسی کا یہ کہنا کہ ہر مذہب والے اپنے اپنے مذہب پر عمل کریں تو بغیر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے اور بغیر مسلمان ہوئے وہ جنت اور فلاح آخرت پا سکتے ہیں قرآن کریم کی مذکورہ

آیات کی کھلی مخالفت ہے۔

اس کے علاوہ اگر ہر مذہب وملت ایسی چیز ہے کہ اس پر ہر زمانہ میں عمل کر لینا نجات اور فلاح کے لیے کافی ہے تو پھر خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت اور نزول قرآن ہی بے معنی ہو جاتا ہے اور ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت بھیجنا فضول ہو جاتا ہے سب سے پہلا رسول ایک شریعت ایک کتاب لے آتا، وہ کافی تھی۔ دوسرے رسولوں، کتابوں شریعتوں کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ زیادہ سے زیادہ ایسے لوگوں کا وجود کافی ہوتا جو اس شریعت وکتاب کو باقی رکھنے اور اس پر عمل کرنے اور کرانے کا اہتمام کرتے جو عام طور پر ہر امت کے علماء کا فریضہ رہا ہے۔ اور اس صورت میں قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ (آیت) لکل جعلنا منکم شرعہ ومنھاجا، یعنی ہم نے تم میں سے ہر امت کے لیے ایک خاص شریعت اور خاص راستہ بنایا ہے۔ یہ سب بے معنی ہو جاتا ہے۔

اور پھر اس کا کیا جواز رہ جاتا ہے، کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اوپر اور اپنی کتاب قرآن پر ایمان نہ رکھنے والے تمام یہود ونصاریٰ سے اور دوسری قوموں سے نہ صرف تبلیغی جہاد کیا۔ بلکہ قتل وقتال اور سیف وسنان کی جنگیں بھی لڑی۔ اور اگر انسان کے مومن اور مقبول عنداللہ ہونے کے لیے صرف اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آنا کافی ہو تو بیچارہ ابلیس کس جرم میں مردود ہوتا کیا اس کو اللہ پر ایمان نہ تھا، یا وہ روز آخرت اور قیامت کا منکر تھا۔ اس نے تو عین حالت غضب میں بھی (آیت) الی یوم یبعثون کہہ کر ایمان بالآخرت کا اقرار کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مغالطہ صرف اس نظریہ کی پیداوار ہے کہ مذہب کو برادری کے نوتہ کی طرح کسی کو تحفہ میں دیا جا سکتا ہے اور اس کے ذریعہ دوسری قوموں سے رشتے جوڑے جا سکتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم

نے کھول کھول کر واضح کر دیا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری ہمدردی، احسان وسلوک اور مروت سب کچھ کرنا چاہیے، لیکن مذہب کی حدود کی پوری حفاظت اور اس کی سرحدوں کی پوری نگرانی کے ساتھ۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں اگر بالفرض ایمان بالرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر بالکل نہ ہوتا تو دوسری آیات قرآن جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جن میں اس کی اشد تاکید موجود ہے وہ کافی تھیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو خود اس آیت میں بھی ایمان بالرسول کی طرف واضح اشارہ ہے۔ کیونکہ اصطلاح قرآن میں ایمان باللہ وہی معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی ساری چیزوں پر ایمان ہو۔ قرآن کریم نے اپنی اس اصطلاح کو ان الفاظ میں واضح فرما دیا' (آیت) فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا، یعنی جس طرح کا ایمان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا صرف وہی ایمان باللہ کہلانے کا مستحق ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے ایمان کا بہت بڑا رکن ایمان بالرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھا۔ اس لیے مَن آمَنَ باللہ کے لفظوں میں خود ایمان بالرسول داخل ہے۔

﴿ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ ﴾

ہم نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے۔ جب

جب آیا ان کے پاس کوئی رسول ایسی بات لے کر جو ان کی خواہش کے خلاف ہوئی، تو ایک گروہ کی انھوں نے تکذیب کی اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بات سنیں گے اور اس کی اطاعت بجا لائیں گے مگر انھوں نے اس عہد و پیمان کو توڑ کر اپنی آراء و خواہشات کی پیروی کی اور انھیں اللہ کی شریعتوں سے مقدم قرار دیا، شریعتوں کی جو بات ان کی خواہشات کے مطابق تھی اسے لے لیا اور جو مطابق نہ تھی اسے بلا دریغ رد کر دیا۔ اگلی آیت میں بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے سمجھا کہ ہم کیسے ہی گناہ کر لیں، خواہ انبیاء تک کو قتل کریں، چونکہ ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں، اس لیے دنیا میں کسی قسم کی بدبختی و نحوست یا غلبہ دشمن جیسی کوئی بلا ہم پر نازل نہیں ہوگی۔

كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ : یعنی خواہش نفس کی پیروی میں وہ اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ انبیاء کو نہ صرف جھٹلاتے تھے، بلکہ انھیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے، ارشاد فرمایا: (اَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ)[البقرۃ: ۸۷] ”پھر کیا جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے تمہارے دل نہ چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا تو ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔“

آیت نمبر: ۷۰ یہ آیت سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ میثاق کا معنی یہ ہے کہ وہ عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور ان احکام کی پیروی کریں جن کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ

آپ ان کافروں پر غم گین نہ ہوں ہم نے ان کا عذر ختم کر دیا ہے ہم نے ان کی طرف رسل کو بھیجا انھوں نے عہود کو توڑا، یہ اس کی طرف راضع ہے جس کے ساتھ سورہ کا آغاز کیا گیا تھا اور یہ قول ہے: آیت: اوفوا بالعقود۔ آیت: کلما جآئھم، ھم ضمیر کا مرجع یہود ہیں۔ آیت: رسول بما لاتھوی انفسھم یعنی جو ان کی خواہشات کے مطابق نہ تھا آیت: فریقا کذبوا وفریقا یقتلون یعنی ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کیا جن کو انھوں نے جھٹلایا وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان جیسے دوسرے انبیاء کرام ہیں اور انھوں نے حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ وغیرہما کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت: یقتلون مضارع کا صیغہ ذکر فرمایا تو یہ آیت کا قافیہ کو ملانے کے لیے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اصل میں اس طرح تھا آیت: فریقا کذبوا، وفریقا قتلوا وفریقا یکذبون وفریقا یقتلون۔ یہ عربوں کی عادت اور طریقہ ہے پھر مختصر کر دیا۔ بعض نے فرمایا: فریقا کذبوا لم یقتلوھم وفریقا قتلوا فکذبوا اور یقتلون۔ فریق کی نعت ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱ ﴾

اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑ نہیں ہوگی، اس لیے اندھے بہرے بن گئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو ان میں سے بہت سے پھر اندھے بہرے بن گئے، اور اللہ ان کے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

فتنہ کے معنی

فتنہ کے کئی معانی ہیں۔ نقصانات اور مصائب کو بھی فتنہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بداعمالیوں کی جو سزا دیتا ہے اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں' اور اس آیت میں یہی معنی مراد ہے اور اللہ کے نیک بندوں کو جس آزمائش میں ڈالا جاتا ہے' اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں اس فتنہ کی وجہ سے نیک لوگوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ہاروت اور ماروت کو بھی فتنہ فرمایا ہے' کیونکہ ان کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دجال کو فتنہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بنو اسرائیل کا گمان یہ تھا کہ انھوں نے انبیاء (علیہم السلام) کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے' اس کی دنیا میں اس کو کوئی سزا نہیں ملے گی اور اس وجہ سے ان پر مصائب طاری نہیں ہوں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی' کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور اگر ان کو عذاب ہوا تو صرف چند دن عذاب ہوگا' جتنے دن انھوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔

بنو اسرائیل کا ہدایت سے دوبار اندھا اور بہرا ہونا

اس آیت میں بنو اسرائیل کے متعلق دو مرتبہ فرمایا ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے' اس کا معنی یہ ہے کہ انھوں نے دیکھ کر ہدایت حاصل کی اور نہ سن کر ہدایت حاصل کی' ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر قحط مسلط ہو گیا اور ان پر وبائیں طاری کی گئیں' لیکن انھوں نے اس سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی۔ پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف حسد اور بغض پیدا کر دیا گیا' وہ ایک دوسرے کے خلاف

لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے' لیکن انھوں نے اس سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

بنو اسرائیل ہدایت کو حاصل کرنے سے دو مرتبہ اندھے اور بہرے ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے زمانہ میں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی' اور ان میں سے بعض کو ایمان لانے کی توفیق دی۔ ان میں سے پھر بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں انھوں نے آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور کم لوگ ایمان لائے' جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ پہلی بار یہ اندھے اور بہرے اس وقت ہوئے جب انھوں نے بچھڑے کی پرستش کی' پھر انھوں نے توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا' پھر دوبارہ یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ جب انھوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کی اور یہ کہا: کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں۔

اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ جب ان کے پاس حضرت داؤد اور حضرت سلیمان (علیہما السلام) بھیجے گئے تو یہ ہدایت حاصل کرنے سے اندھے اور بہرے ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول کرلی اور اس کے بعد پھر یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔

علامہ طاہر بن عاشورؒ متوفی ۱۳۸۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دو تاریخی عظیم حادثوں کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد بنو اسرائیل کو پیش آئے۔ پہلا حادثہ وہ تھا جب اشور کا بادشاہ کئی مرتبہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا' یہ ۶۰۶' ۵۹۸' ۵۸۸' سال قبل مسیح کے واقعات ہیں' وہ تیسری مرتبہ یروشلم میں داخل ہوا' اس نے مسجد کو جلا دیا اور تمام بنو اسرائیل کو ہانک کر بابل لے گیا اور

وہاں ان کو قید کر دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور فارس کا بادشاہ کورش' اشوریین پر غالب آیا اور اس نے ۵۳۰ سال قبل مسیح بابل پر قبضہ کر لیا' اور یہودیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں اور ان کو آباد کریں۔ سو واپس گئے اور انھوں نے اپنی مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا' اس کے بعد انھوں نے پھر نافرمانی اور سرکشی کی اور یہ پھر ہدایت اور راہ حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے' اور تب دوسرا حادثہ پیش آیا۔ جب قیطس بن انبراطور رومانی نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا' حتیٰ کہ یہود بھوک سے مجبور ہو کر چمڑا کھانے لگے اور بعض اوقات بھوک سے بلبلا کر ایک دوسرے کو کھا جاتے تھے۔ اس نے دس لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا' اور ستانویں ہزار یہودیوں کو قید کر لیا' یہ ۶۹ء کا واقعہ ہے۔ پھر ابن انبراطور رومانی ۱۱۷ء سے ۱۳۸ء تک اس کے بعد حکمران رہا' اس نے ان کے شہر کو منہدم کر کے سپاٹ زمین بنا دیا اور اس وقت دنیا میں یہودیوں کی حکومت ختم ہو گئی تھی اور ان کا وطن ملیا میٹ ہو چکا تھا۔ [1]

یہ دونوں تاریخی حادثے جو بنو اسرائیل کی بداعمالیوں کی پاداش میں رونما ہوئے تھے' ان کی طرف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اشارہ کیا گیا ہے:

(آیت) "وقضینا الی بنی اسرآئیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا۔ فاذا جآء وعدا لھما بعثنا علیکم عبادالنا اولی باس شدید فجاسوا خلل الدیار وکان وعدا مفعولا۔ ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددنکم باموال وبنین وجعلنکم اکثر نفیرا۔ ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلھا فاذا جآء وعد الاخرۃ لیسوء وا وجوھکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبر واما علوا تتبیرا۔ عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا وجعلنا جھنم للکفرین حصیرا"۔ (بنو اسرائیل: ۸۔۴)

۱۔ (التحریر والتنویر' ج ۶' ص ۲۷۸۔۲۷۷)

ترجمہ: ہم نے بنواسرائیل کو کتاب میں قطعی طور پر یہ بتادیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دومرتبہ فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے، تو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے تم پر اپنے سخت بندے مسلط کردیئے سو وہ تمہاری تلاش کے لیے شہروں میں پھیل گئے اور یہ ایسا وعدہ تھا جو ضرور پورا ہونا تھا، پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دوبارہ لوٹا دیا' اور مال اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی اور تمہاری تعداد بڑھادی، اگر تم نے نیک کام کیے تو تم نے اپنی جانوں کے ساتھ بھلائی کی' اور اگر تم نے برے کام کیے تو اپنے ساتھ برائی کی' پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے دوسرے ظالموں کو تم پر مسلط کردیا' تاکہ وہ تمہارے چہروں کو مضمحل کردیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسا کہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں' اسے تباہ و برباد کردیں، عنقریب تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے پھر سرکشی کی تو ہم پھر عذاب دیں گے' اور ہم نے دوزخ کو کافروں کیلیے قید خانہ بنادیا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ میں لکھ دیا تھا کہ بنواسرائیل دوبار شرارت کریں گے۔ اس کی سزا میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہوجائیں گے۔ پہلے وعدہ سے مراد بخت نصر کا حملہ ہے جو ولادت مسیح سے ۵۸۸ سال قبل ہوا' اور دوسرے وعدہ سے قیطس (طیطوس) رومی کا حملہ ہے' جو ۶۹ء میں ہوا۔ ان دونوں حملوں میں یہودوں پر مکمل تباہی آئی اور مقدس ہیکل کو برباد کردیا گیا۔

چونکہ یہودیوں نے یہ گمان کیا تھا کہ انھوں نے رسولوں کی جو تکذیب کی ہے' اور ان کو قتل کیا ہے' ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ملے گی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کا رد کرنے کے لیے فرمایا کہ انھوں نے دوبار سرکشی کی اور ہر بار اللہ نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی' جس سے تمام یہودی ویران اور برباد ہوگئے' اور

ہر سزا کے بعد انھوں نے توبہ کی اور توبہ کے بعد وہ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے۔ سو اب اگر انھوں نے ہمارے رسول سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کی اور آپ کو قتل کرنے کی سعی کی، تو یہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے اور ایسا ہی ہوا، انھوں نے آپ کی تکذیب بھی کی اور دو بار آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ آپ کو اللہ نے ان کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کو قتل کیا گیا اور جلاوطن کیا گیا اور دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی۔

امام ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وحسبوا الا تکون فتنۃ سے یہود مراد ہیں۔

امام ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وحسبوا الا تکون فتنۃ میں فتنہ سے بلا مراد ہے۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت وحسبوا الا تکون فتنۃ سے مراد ہے کہ قوم نے گمان کیا کہ کوئی آزمائش نہ ہوگی پھر فرمایا لفظ آیت فعموا وصموا یعنی جب کبھی بھی ان پر آزمائش آئی تو وہ اس میں پڑ گئے اور اس میں ہلاک ہو گئے۔

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وحسبوا الا تکون فتنۃ سے مراد ہے کہ انھوں نے گمان کیا کہ وہ کسی آزمائش میں مبتلا نہیں کئے جائیں گے تو وہ حق سے اندھے ہو گئے۔

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ
وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ
النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا
اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ
يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

بیشک ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ خدا تو یہی مسیح ابن مریم ہے اور حالانکہ خود مسیح نے یہ کہا اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو، جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (۷۲) یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آئے تو جنھوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے دردناک سزا ہے۔ (۷۳) تو کیا وہ اللہ کی طرف توبہ نہیں کرتے اور

اس سے بخشش نہیں مانگتے، اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔(۷۴)

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد

یہ آیت ان عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حضرت مسیح (علیہ السلام) اور ان کی والدہ کو خدا کہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا قرار دیتے تھے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بداعمالیوں کا بیان فرمایا اور ان کے شبہات کا ابطلا کیا اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا رد شروع کیا ہے اور حضرت مسیح (علیہ السلام) کے متعلق جو ان کا الوہیت کا عقیدہ تھا اس کو باطل کیا ہے' اور خود حضرت مسیح (علیہ السلام) کے قول سے ان کا رد کیا ہے' اور یہ ان کے خلاف حجت قاطعہ ہے۔

نصاریٰ میں سے ایک فرقہ یعقوبیہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے' وہ کہتے ہیں کہ اللہ تین اقانیم (اصلوں) سے مرکب ہے۔ باپ' بیٹا اور روح القدس۔ باپ اللہ ہے اور بیٹا مسیح ہے اور باپ (اللہ) بیٹے (مسیح) میں حلول کر کے اس کے ساتھ متحد ہو گیا' اور وہ روح القدس بن گیا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے اور ان کے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے' حالانکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے پیدا ہوتے ہی جو کلمہ سب سے پہلے کہا' وہ یہ تھا "میں اللہ کا بندہ ہوں"۔

(آیت) "قال انی عبداللہ اتنی الکتاب وجعلنی نبیا' وجعلنی مبارکا این ما کنت واوصانی بالصلوۃ والزکوۃ مادمت حیا"۔(مریم:۳۱۔۳۰)

ترجمہ: (مسیح نے کہا) بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ اور میں جہاں بھی ہوں' مجھے برکت والا بنایا اور جب تک میں زندہ ہوں' مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا۔

اوراس آیت میں حضرت مسیحؑ کا یہ قول نقل فرمایا اے بنواسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' بیشک جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا' تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

امام ابن منذرؒ نے محمد بن کعبؒ سے روایت کیا کہ جب عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا تو بنی اسرائیل کے علماء میں سے سو آدمی جمع ہوئے۔ ان کے بعض لوگوں نے کہا تم لوگ بہت ہو ہم خوف کرتے ہیں، دس آدمی نکال دو تو انھوں نے دس نکال دیئے۔ پھر انھوں نے کہا تم لوگ بہت ہو ہم خوف کرتے ہیں گروہ بندی کا۔ دس اور نکال دو انھوں نے دس نکال دیئے۔ پھر انھوں نے کہا تم بہت ہو دس اور نکال دو تو انھوں نے دس اور نکال دیئے۔ اور انھوں نے کہا تم بہت ہو دس اور نکال دو یہاں تک کہ دس باقی رہ گئے پھر انھوں نے کہا تم اب بھی زیادہ ہو پھر اور نکال دو (اب) چار باقی رہ گئے بعض نے کہ تم لوگ عیسیٰؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ غیب کا علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ انھوں نے کہا واقعی اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی غیب کو نہیں جانتا اس آدمی نے کہا وہ اللہ تھا۔ جب تک اس نے چاہا زمین میں رہا۔ پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ دوسرے آدمی نے کہا ہم عیسیٰؑ کو جانتے ہیں اور ہم اس کی ماں کو بھی جانتے ہیں کہ وہ (یعنی عیسیٰؑ) اس کے بیٹے ہیں۔ تیسرے آدمی نے کہا میں ایسا نہیں کہتا جیسے تم کہتے ہو۔ ہم کو عیسیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اس کی روح ہے اور اس کا حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف القاء کیا ہم تو وہی کہتے ہیں جیسے انھوں نے اپنی ذات کے لیے کہا۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم نے بہت ہی ناروا بات کی یہ لوگ (یعنی چاروں آدمی) لوگوں کے پاس آئے ان لوگوں نے ان میں سے ایک آدمی سے پوچھا۔ تو نے کیا کہا؟ اس نے کہا میں

نے کہا وہ اللہ جو زمین میں رہا۔ جب تک اس نے چاہا۔ پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ جب اس نے خیال کیا تو لوگوں میں سے ایک جماعت نے اس کی تابعداری کی۔ اور یہ لوگ نسطور اور یعقوبیہ ہیں۔ پھر چوتھا آدمی نکلا تو لوگوں نے اس سے پوچھا تو نے کیا کہا؟ اس نے کہا کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اس کی روح اور اس کا کلمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مریمؑ کی طرف القاء کیا۔ لوگوں میں سے ایک جماعت نے اس کی تابعداری کی۔ محمد بن کعبؒ نے فرمایا ہر جماعت کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا لفظ آیت لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ (سورہ النساء آیت ١٥٦) پھر یہ آیت پڑھیں لفظ آیت وبکفرھم وقولھم علی مریم بھتانا عظیما پھر (یہ آیت) پڑھی لفظ آیت ولوان اھل الکتب امنوا سے لے کر لفظ آیت منھم امۃ مقتصدۃ وکثیر منھم ساء ما یعملون (المائدہ آیت ٦٦) تک محمد بن کعبؒ نے فرمایا کہ یہی امت مقتصدہ ہے جن لوگوں نے کہا کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ ہے اس کا کلمہ ہے اور اس کی روح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم (علیہ السلام) کی طرف القاء کیا۔

یہاں ان نصاریٰ کی تکذیب کی جارہی ہے جو اقانیم ثلاثہ کا عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تین کے مجموعے میں سے ایک ہے، یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس، یا باپ، بیٹا اور ماں۔ تینوں مل کر ایک معبود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر ٹھہرایا اور کہا کہ معبود تو صرف ایک ہے، اس لیے اللہ نے انھیں دھمکی دی کہ اللہ کی وحدانیت پر قطعی دلائل ہونے کے باوجود اگر وہ اپنی افترا پردازی اور کذب بیانی پر اڑے رہے تو قیامت کے دن انھیں آگ کا عذاب دیا جائے گا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ : یعنی اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک قرار دینے والے بھی کافر ہو گئے، جب کہ معبود تو ایک ہی ہے، اب خواہ وہ تین اقانیم، باپ، بیٹا، روح القدس کو الگ

الگ معبود قرار دیں، یا کہیں یہ تین الگ الگ نہیں بلکہ مل کر ایک ہی الٰہ ہیں، بہر حال یہ عقیدہ رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کافر قرار دیا۔ پھر نیکی کا لبادہ اوڑھ کر شرک پھیلانے والے وہ ظالم جو یہ کہیں کہ ہر چیز ہی اللہ ہے اور اسے وحدت الوجود کا نام یا کوئی اور نام دیں، ان کے کافر ہونے میں بھی کیا شک ہے؟ بلکہ اس عقیدے سے تو قرآن وسنت اور اسلام کی ہر بات اور ہر حکم ہی باطل ٹھہرتا ہے کہ حکم دینے والا بھی وہی ہے اور جسے حکم دیا گیا وہ بھی وہی ہے۔ جنت و دوزخ بھی اور ان میں جانے والے بھی سب ایک ہیں، غرض یہ عقیدہ اسلام کی جڑ اکھاڑ دینے کے لیے بنایا گیا ہے۔ پھر کیسی توحید اور کہاں کی نماز؟ غرض سب کچھ ایک ہے تو دین کی کون سی چیز باقی رہ جاتی ہے؟

متقدمین اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد

قدیم عیسائی یہ کہتے تھے کہ اللہ، مریم اور عیسیٰ تین خدا ہیں اور قرآن مجید نے انہی لوگوں کو رد کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(آیت) "واذ قال اللہ یعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ قال سبحنک ما یکون لی ان اقول مالیس لی بحق"۔ (المائدہ:۱۱۶)

ترجمہ: اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم: کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو، وہ عرض کریں گے تو پاک ہے، میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔

اور متاخرین عیسائی یہ کہتے ہیں کہ جوہر واحد تین اقانیم (اصلیں) باپ، بیٹا اور روح القدس، اور یہ تینوں ایک خدا میں جیسے سورج تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ قرص، شعاع اور حرارت۔ اور باپ سے ان کی مراد

ہے ذات' اور بیٹے سے مراد ہے کلمہ' اور روح سے مراد ہے حیات۔ وہ کہتے ہیں کہ کلمہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت عیسیٰ ؑ کے جسم میں مختلط ہو گیا' جیسے پانی شراب میں مخلوط ہو جاتا ہے' یا پانی دودھ میں مخلوط ہو جاتا ہے' اور ان کا زعم ہے کہ باپ خدا ہے' بیٹا خدا ہے اور روح خدا ہے۔

عیسائیوں کا یہ قول بدیہی البطلان ہے' کیونکہ تین ایک نہیں ہوتا اور ایک تین نہیں ہوتا اور عیسائیوں کے اس قول سے زیادہ فاسد اور باطل قول دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

نصاریٰ تین خدا مانتے ہیں

امام ابن ابی شیبہؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور مجاہدؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ کے بارے میں فرمایا کہ نصاریٰ کہتے ہیں لفظ آیت ان اللہ ثالث ثلثۃ (یعنی تین خداؤں میں سے ایک ہے) اور وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں تین فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک فرقہ نے کہا وہ اللہ ہے دوسرے فرقہ نے کہا وہ اللہ کا بیٹا ہے، تیسرے فرقہ نے کہا وہ اللہ کا بندہ اور اس کی روح ہے اور یہی فرقہ معتدل ہے۔ اور اہل کتاب میں سے یہی لوگ مسلمان ہیں۔

امام ابن ابی اور ابن ابی حاکمؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ کے بارے میں فرمایا کہ نصاریٰ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ وہ عیسیٰ اور اس کی ماں ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ (المائدہ آیت ۱۱۶) ابن ابی حاتمؒ نے کہا کہ ہم کو عبداللہ بن بلال دمشقیؒ سے اور احمد بن ابی الحواریؒ نے بیان کیا کہ

ابوسلیمان دارانیؒ نے فرمایا اے احمد، اللہ کی قسم ان کی زبانوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی حرکت دیتے ہیں ان کے اس قول لفظ آیت ثالث ثلثہ (کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس سب کی زبانوں کو گونگا کر دیتے۔ پھر فرمایا (اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَہٗ) (کیا یہ اپنے عقائد باطلہ کو چھوڑ کر اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے) یعنی انھیں کفریہ عقائد پر برابر اصرار ہے ان عقائد کو چھوڑیں اور اللہ کے حضور میں توبہ کرلیں اور مغفرت طلب کریں اگر ایسا کریں گے تو اللہ مغفرت فرما دے گا اللہ غفور رحیم ہے کافر و مشرک توبہ کرے اور ایمان قبول کرے تو جو اللہ کے یہاں معتبر ہے تو اس کی بھی بخشش ہو جاتی ہے۔

﴿ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ ﴾

"مسیح ابن مریمؑ ایک رسول ہے ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھیں ہم ان کے لیے کس طرح کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، پھر وہ کیسے بہکے جاتے ہیں۔"

ربط آیت:

اس سے پہلی آیات میں عیسائیوں کے دو گروہوں کا ذکر تھا یعقوبیہ جن کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ (علیہ

السلام) میں حلول کر گئے ہیں اور ملکانیہ کا ذکر تھا جو اقانیم ثلاثہ کے قائل ہیں، اور نسطوریہ فرقے کا ذکر دسویں پارے میں آتا ہے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی تردید فرماتے ہیں کہ نہ تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے نہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حلول کیا تھا، نہ خدائی کا تیسرا رکن تھے۔ ارشاد ربانی ہے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے خدا نہ ہونے پر دلائل

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ان رسولوں کی جنس میں سے ایک رسول ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' جس طرح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے معجزات پیش کیے ہیں۔ اس طرح ان رسولوں نے بھی معجزات پیش کیے تھے' اگر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے مادرزاد اندھے بینا کیے' کوڑھیوں کو شفا دی اور مردوں کو زندہ کیا' تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے لاٹھی کو زندہ کیا اور اس کو دوڑتا ہوا اژدھا بنا دیا' اور سمندر کو چیر کر اس میں بارہ راستے بنا دیئے اور لاٹھی کو زمین پر مارا تو اس سے چشمے ابلنے لگے اور اگر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بغیر مرد کے پیدا ہوئے ہیں تو حضرت آدم (علیہ السلام) مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا ہوئے' جب دوسرے انبیاء معجزہ دکھانے سے خدا نہیں ہوئے تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) معجزہ دکھانے سے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے' اس سے مقصود حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی ماں کے متعلق عیسائیوں کے اس دعوی کو باطل کرنا ہے کہ وہ دونوں خدا ہیں' اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ہر وہ شخص جس کی ماں ہو' وہ حادث ہوتا ہے' یعنی وہ پہلے موجود نہیں تھا' اس کے بعد موجود ہوا اور جس

شخص کی یہ صفت ہو وہ مخلوق ہے خالق نہیں۔

(۲) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے اور جو شخص اپنی نشو ونما اور بقا میں کھانے کا محتاج ہو وہ مخلوق ہے خدا نہیں ہے۔

(۳) اگر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی ماں خدا ہوتے تو وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے اور جب وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے تو کھانے کے بغیر بھوک کی تکلیف کو مٹانے پر قادر ہوتے اور جب وہ ایسا نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ وہ خدا نہیں ہیں۔

موجودہ بائبل میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا پورا شجرہ نسب لکھا ہوا ہے۔

یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراھام کا نسب نامہ: ابراھام سے اضحاق پیدا ہوا اور اضحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے (الی قولہ) اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا' یہ مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوئے۔ جو مسیح کہلاتا ہے۔

پس سب پشتیں ابراھام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لیکر کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔ [۱]

غور کیجئے: جس شخص کا پورا شجرہ نسب موجود ہے' جو اپنی ماں مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا' پیدا ہونے سے پہلے موجود نہیں تھا' وہ اپنی پیدائش سے پہلے موجود سارے جہان کا خالق کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اس کی خدائی اور استحقاق عبادت کب زیبا ہے؟

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے کھانے پینے کا ذکر کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر وہ خدا

۱۔ (متی کی انجیل' باب' آیت ۱۷۔۱' ملخصا' ص ۵' مطبوعہ لاہور)

ہوتے تو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوتے۔ان کے کھانے پینے کا ذکر موجودہ بائبل میں بھی ہے۔

وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے یہ یسوع آپ ان کے بیچ آ کھڑا ہوا اور ان سے کہا: تمہاری سلامتی ہو، مگر انھوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں' اس نے ان سے کہا: تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں' مجھے چھو کر دیکھو' کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی' جیسا میں دیکھتے ہو۔اور یہ کہ اس نے انھیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے، جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے، انھوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا، اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔ [1]

انجیل کے اس اقتباس میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) لوگوں کو یقین دلا رہے ہیں کہ وہ گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسان ہیں' روح نہیں ہیں اور وہ کھاتے بھی ہیں۔حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے یقین دلایا ہے کہ وہ مادی انسان ہیں' روح نہیں اور مادہ سے مجرد نہیں ہیں' تو پھر وہ خدا کیونکر ہو سکتے ہیں؟ نیز انجیل میں ہے اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا' اسے بھوک لگی۔ [2]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھوک لگتی تھی اور وہ کھانے پینے کے محتاج تھے اور جو کسی چیز کا بھی محتاج ہو' وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

موجودہ بائبل کے مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ انسان تھے' ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے' ان کا جسم انسانوں کی طرح گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنا ہوا تھا۔ان میں تمام انسانی صفات

۱۔(لوقا کی انجیل' باب ۲۴۔آیت ۴۳۔۳۶' ص ۸۱ مطبوعہ لاہور)

۲۔(متی کی انجیل' باب ۲۱ آیت ۱۳' ص ۲۵' مطبوعہ لاہور)

تھیں، انھوں بھوک لگتی تھی، وہ کھاتے پیتے بھی تھے، سوتے جاگتے بھی تھے، انھیں دور سے تکلیف بھی ہوتی تھی، کیونکہ انجیل میں مذکور ہے اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا "ایلی ایلی لما شبقتنی" یعنی اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ [1]

اب ایسے شخص کے متعلق کوئی صاحب عقل انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسا شخص خدا ہے تمام جہاں کا پیدا کرنے والا ہے، بائبل کے متعلق حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو یہودیوں نے پھانسی پر لٹکا دیا اور تین دن تک وہ مردہ رہے، اس کے بعد جی اٹھے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مسیح خدا تھے تو جب وہ تین دن مردہ رہے، تو ان کے بغیر یہ کائنات کیسے چلتی رہی؟ انجیل میں ہے:

یاد کرو جب وہ گلیل میں تھا اس نے تم سے کہا تھا ضرور ہے، کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور مصلوب ہو اور تیسرے دن جی اٹھے۔ [2]

اس اقتباس میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے آپ کو اب آدمؑ فرمایا تھا، نہ کہ ابن اللہ سو ان کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھنا اور ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنا ان پر افتراء اور بہتان ہے اور اس مضمون کی آیات خود ساختہ اور من گھڑت ہیں، جو بعد کے عیسائی مصنفین نے وضع کر کے اللہ کے اصل کلام میں ملا دی ہیں، یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیے کہ موجودہ انجیل میں کچھ عبارات تو وہ ہیں جو دراصل اللہ کا کلام ہیں۔ ہم نے سورہ آل عمران کی ابتداء میں ان کی مثالیں دی ہیں اور قرآن مجید ان ہی کا مصدق ہے اور دوسری عبارات وہ ہیں جو عیسائی مصنفین نے بطور خود لکھی ہیں۔

۱۔ (متی، باب ۲۷، آیت ۴۷، ص ۳۳)

۲۔ (لوقا کی انجیل: باب ۲۴، آیت ۸۔۷، ص ۸۰، مطبوعہ لاہور)

حضرت مریم کے نبیہ نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے اوران کی ماں بہت سچی ہیں' ان کو صدیقہ اس لیے فرمایا کہ وہ گناہوں سے بہت پاک تھیں' اور اللہ کی عبادت کرنے کی بہت جدوجہد کرتی تھیں اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کی تصدیق کی۔

شیخ ابن حزمؒ عورتوں کی نبوت کے قائل ہیں۔ وہ حضرت سارہؑ' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ماں سیدہ مریم کو نبیہ مانتے ہیں' کیونکہ قرآن مجید میں ان کی طرف وحی کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔ جمہور علماء اسلام کے نزدیک یہ وحی بہ معنی الہام ہے' اور نبی صرف مرد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری"۔ (یوسف:۱۰۹)

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے سوائے مردوں کے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا جن کی طرف ہم بستیوں کے رہنے والوں سے وحی کرتے تھے۔

﴿ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٧٦ ﴾

آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ الوہیت مسیح کی تردید میں چوتھی دلیل ہے، یعنی وہ دونوں اپنے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ یہود نے انھیں ایذائیں اور دکھ پہنچائے، وہ ازخود ان کی مدافعت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہود نے سیدہ مریمؑ [پر زنا کی تہمت لگائی۔ عیسیٰ (علیہ السلام) کی زندگی بھر ان کے درپے رہے، حتیٰ کہ حکومت سے ساز باز کر کے انھیں سولی پر چڑھوانے کی کوشش کی، لیکن یہ دونوں نہ اپنے آپ کی مدافعت کر سکے، نہ یہود کا کچھ بگاڑ سکے، پھر کیا وہ الوہیت میں شریک قرار دیے جا سکتے ہیں؟

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا: نفع ونقصان کا اختیار رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا) [بنی اسرائیل: ٥٦] ”کہہ پکارو ان کو جنھیں تم نے اس کے سوا گمان کر رکھا ہے، پس وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کے مالک ہیں اور نہ بدلنے کے۔“ اور فرمایا: (وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ) [یونس: ١٠٦] ”اور اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کو مت پکار جو نہ تجھے نفع دے اور نہ تجھے نقصان پہنچائے، پھر اگر تو نے ایسا کیا تو یقیناً تو اس وقت ظالموں سے ہوگا۔“ اور فرمایا: (قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) [الانعام: ٧١] ”کہہ دے کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے اور نہ ہمیں نقصان دے اور ہم اپنی ایڑیوں پر پھیر دیے جائیں، اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہے، اس شخص کی طرح جسے شیطانوں نے زمین میں بہکا دیا، اس حال میں کہ حیران

ہے، اسی کے کچھ ساتھی ہیں جو اسے سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہہ دے اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی اصل راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم جہانوں کے رب کے فرمان بردار بن جائیں۔" اور فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) [الأعراف: ١٩٤] "بیشک جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں، پس انھیں پکارو تو لازم ہے کہ وہ تمہاری دعا قبول کریں، اگر تم سچے ہو۔"

حضرت عیسیٰؑ کی عبادت گزاری سے ان کے خدا نہ ہونے پر استدلال

اس آیت میں حضرت مسیح (علیہ السلام) کے خدا نہ ہونے پر ایک اور دلیل قائم کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ذاتی طور پر کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ انھوں نے جو پرندے بنا کر اڑائے، جن مردوں کو زندہ کیا، جن کوڑھیوں کو شفا دی اور جن مادرزاد اندھوں کو بینا کیا، یہ سب کام انھوں نے اللہ کی دی ہوئی قدرت سے کیے، وہ اپنی ذاتی طاقت اور قدرت سے کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کے مالک تھے تو ان کو خدا سے دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر ان باتوں کے کوئی آٹھ روز بعد ایسا ہوا کہ وہ پطرس اور یوحنا اور یعقوب کو ہمراہ لے کر پہاڑ پر دعا کرنے گیا، جب وہ دعا کر رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی اور اس کی پوشاک سفید براق ہوگئی۔ [1]

اور ان دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا کرنے کو نکلا اور خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گزار دی۔

۱۔ (لوقا کی انجیل، باب ۹، آیت ۲۹، ۔۲۸، مطبوعہ لاہور)

۔۔۔[1]

پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا' جب کر چکا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا: اے خداوند! جیسا یوحنا نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا' تو بھی ہمیں سکھا' اس نے ان سے کہا: جب تم دعا کرو تو کہو: اے باپ تیرا نام پاک مانا جائے' تیری بادشاہی آئے' ہماری روز کی روٹی ہمیں ہر روز دیا کر، اور ہمارے گناہ معاف کر' کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرض دار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔[2]

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ساری ساری رات دعا کرنا' بکثرت دعا کرنا اور اپنے پیروؤں کو بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تعلیم دینا' اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے نفع اور نقصان کے مالک نہیں تھے' اور نہ ان کے پیروکار ان کو ایسا جانتے تھے' اور نہ ان کو خدا سمجھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خدا کی عبادت کرتے تھے' اور یہ کہتے تھے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں' پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان وشوکت اسے دکھائی' اور اس سے کہا: اگر تو مجھے جھک کر سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا: شیطان دور ہو' کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔[3]

پولس رسول یسوع مسیح کے متعلق لکھتے ہیں:

اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اس دعائیں اور التجائیں کیں'

۱۔ (لوقا کی انجیل' باب ٦' آیت ١٢' ص ٥٨' مطبوعہ لاہور)

۲۔ (لوقا کی انجیل' باب ١١' آیت ٤۔١' ص ٦٥' مطبوعہ لاہور)

۳۔ (متی کی انجیل' باب ٤' آیت ١١۔٨' ص ٧' مطبوعہ لاہور)

جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا' اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی' اور باوجود بیٹا ہونے کے اس نے دکھ اٹھا اٹھا کر فرمان برداری کی۔ [1]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بہت عبادت گزار' فرمان بردار اور رو رو کر اللہ سے دعائیں کرنے والے تھے' اور جو تمام جہان کا خدا ہو' اور اپنی قدرت سے نفع اور نقصان کا مالک ہو' وہ کسی کی عبادت اور فرمان برداری کرنے اور کسی سے رو رو کر دعائیں کرنے سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

نیز پولس رسول لکھتے ہیں:

ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی حمد ہو' جو رحمتوں باپ اور ہر طرح کی تسلی کا خدا ہے۔ [2]

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک یسوع مسیح خدا نہ تھے' بلکہ یسوع مسیح خدا خدا کو ماننے والے تھے۔ اسی کی وہ عبادت کرتے تھے' اسی کی فرمان برداری کرتے تھے اور اسی سے رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا پولس رسول کا اور ہم سب کا خدا ہے۔ اس کو باپ کہنا اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کا بیٹا اور خداوند کہنا' یہ سب عیسائی علماء کی بعد کی تحریفات ہیں۔ باپ ہونا اور بیٹا رکھنا مخلوق کی صفات ہیں' اللہ عزوجل اس سے بلند ہے' اس کی صفات وہی ہیں جو صرف اس کے شایان شان ہیں اور مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہیں' جیسے وہ عبادت کا مستحق ہے' اس کا کوئی شریک اور مثیل نہیں' وہ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہے۔ اس کی ہر صفت مستقل اور غیر سے مستغنی ہے' اور وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

۱۔ (عبرانیوں کے نام پولس رسول کا خط' باب ۵' آیت ۸۔۷' ص ۲۱۴' مطبوعہ لاہور)

۲۔ (کرنتھیوں کے نام پولس رسول کا دوسرا خط' باب ۱' آیت ۳' ص ۱۶۸' مطبوعہ لاہور)

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ ﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان لوگوں سے) کہو کہ اے اہل کتاب، اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرو جو (تم سے) پہلے (خود) گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

عقائد نصاریٰ کے بطلان کی توضیح کے بعد انھیں حق کی اتباع اور باطل سے دور رہنے کی نصیحت کی جارہی ہے کہ اے اہل کتاب! حد سے تجاوز نہ کرو اور جن کی تعظیم کا تمھیں حکم دیا گیا ہے ان کے بارے میں اتنا غلو نہ کرو کہ انھیں مقام نبوت سے ہٹا کر مقام الوہیت تک پہنچا دو، جیسا کہ تم نے مسیح (علیہ السلام) کے ساتھ کیا اور اپنے ان گمراہ علماء کی اتباع نہ کرو جو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی راہ حق سے بھٹکا دیا۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ : اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں بہت آگے بڑھ گئے تھے، عقائد کے معاملہ میں کسی نے سیدنا عزیر (علیہ السلام) کو اور کسی نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ کا بیٹا بنا دیا، یہی حال دیگر عقائد و اعمال کا تھا، ارشاد فرمایا: (وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ)[التوبۃ:۳۰] "اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کا اپنے مونہوں کا کہنا ہے، وہ ان لوگوں کی بات کی مشابہت کر رہے ہیں جنھوں نے ان سے پہلے کفر کیا۔ اللہ انھیں مارے، کدھر بہکائے جا رہے ہیں۔"

اور فرمایا: (وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ)[المائدۃ:۱۸] "اور یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، کہہ دے پھر وہ تمھیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے سزا کیوں دیتا ہے، بلکہ تم اس (مخلوق) میں سے ایک بشر ہو جو اس نے پیدا کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔" اور فرمایا: (وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ)[البقرۃ:۱۱۱] "اور انھوں نے کہا جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے مگر جو یہودی ہوں گے یا نصاریٰ۔ یہ ان کی آرزوئیں ہی ہیں، کہہ دے لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو۔" حقیقت یہ ہے کہ دین میں جو بھی خرابی آئی ہے وہ اسی غلو (راہ اعتدال کو چھوڑنے) کی وجہ سے ہے، اسی لیے سیدنا عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے اتنا نہ بڑھانا جتنا نصاریٰ نے ابن مریم کو بڑھایا ہے، میں تو اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا تم میرے متعلق بس یہی کہا کرو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔"[1]

۱۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب (واذکر فی الکتب مریم):۳۴۴۵]

مگر مسلمانوں نے بھی اس قدر غلو کیا کہ اپنے ائمہ کو نبی کا درجہ دے کر ان کی بے دلیل بات پر عمل کو بھی واجب قرار دیا۔ اسی طرح جو ایسا نہ کرے اسے لا مذہب قرار دیا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اللہ تعالیٰ والی صفات ہونے کا عقیدہ اپنا لیا کہ وہ بھی ہر بات سنتے اور جانتے ہیں اور کائنات میں ان کا حکم بھی چلتا ہے، بعض نے تو اللہ اور رسول کو ایک ہی ذات قرار دے دیا۔ اگر کوئی ان کے اس باطل عقیدہ کی تردید کرے تو کہتے ہیں، یہ اولیاء کو، نبی کو اور اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے، حالانکہ ہم اللہ کو اپنا معبود اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنا رسول اور اولیاء کو اللہ کے مقرب بندے مانتے ہیں، مگر اولیاء کو نبی نہیں مانتے اور رسول کو اللہ نہیں مانتے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مبالغہ و بے فائدہ موشگافیاں کرنے والے (یعنی بال کی کھال نکالنے والے) ہلاک ہو گئے۔"[1]

غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ: ارشاد فرمایا: (وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ)[البقرۃ: ۱۷۰] "اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت پاتے ہوں۔"

امام ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ، قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت لاتغلوا فی دینکم

۱۔ [مسلم، کتاب العلم، باب ھلک المتنطعون: ۲۶۷۰]

کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نئی نئی باتیں نہ گھڑ لیا کرو۔

امام ابن ابی حاتمؒ سے روایت ہے کہ ابن زیدؒ نے لفظ آیت لاتغلوا فی دینکم کے بارے میں فرمایا کہ غلو سے مراد ہے حق کو چھوڑ دینا۔ انھوں نے جو غلبہ کیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ اللہ کے لیے بیوی اور اولاد کو تجویز کرتے تھے۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ربیع بن انسؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی تھا جو لوگوں کا حاکم بن گیا اس نے ایک زمانے تک کتاب وسنت پر عمل کیا۔ اس کے پاس شیطان آیا اور وہ کہنے لگا۔ تو اس بات اور اس پر عمل کر رہا ہے جس پر پہلے بھی عمل ہوتا رہا ہے۔ اور اس لیے تیری تعریف نہیں کی جاتی۔ لیکن تو اپنے پاس سے کوئی نیا کام شروع کر۔ اور اس کی طرف بلا اور اس پر لوگوں کو مجبور کر۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک عرصہ ایسا کرنے کے بعد اسے یاد آیا اور اس نے مرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنی بادشاہی اور اپنے ملک کو چھوڑ دیا اور اس نے عبادت کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ کئی دن اپنی عبادت میں لگا رہا۔ پھر اس کے پاس کوئی آیا اور اس سے کہا گیا اگر تو توبہ کرے اپنے گناہوں سے جو تو نے اپنے اور اپنے رب کے درمیان کئے قریب ہے کہ تیری توبہ قبول کر لی جائے۔ لیکن فلاں اور فلاں تیرے راستے (یعنی تیرے دین) میں گمراہ ہو گئے یہاں تک کہ وہ دنیا سے چلے گئے۔ (اس حال میں) کہ وہ گمراہی پر تھے (اب تیرے لیے ان کی ہدایت کیسی ہوگی) اس لیے تیرے لیے کبھی توبہ نہیں ہے۔ ہم نے اس میں اور اس جیسے کے بارے میں یہ آیت سنی ہے لفظ آیت قل یاھل الکتب لاتغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل کے۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخؒ نے سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ

آیت ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا کے بارے میں فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنے پیروکاروں کو بھی گمراہ کیا۔ (پھر فرمایا) لفظ آیت عن سواء السبیل یعنی سیدھے راستے سے واللہ اعلم

﴿ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸ ﴾

بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے کفر کیا' ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت ہوئی۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھ جایا کرتے تھے۔

تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: بنو اسرائیل پر ہر زبان میں لعنت کی گئی۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے عہد میں ان پر توراۃ میں لعنت کی گئی' حضرت داؤد (علیہ السلام) کے عہد میں ان پر زبور میں لعنت کی گئی اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں ان پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی۔ [1]

۱۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ٤٢٦)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے کوئی شخص جب اپنے کسی بھائی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو سختی سے منع کرتا' اور دوسرے دن جب اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع نہ کرتا اور اس کے ساتھ مل جل کر رہتا اور کھاتا پیتا' جب انھوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دل ایک دوسرے کی طرح کر دیئے اور ان کے نبی حضرت داؤد (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی زبانوں سے ان پر لعنت کی۔ پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور ضرور برائی کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق پر عمل کرنے کے لیے مجبور کر دینا' ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کی طرح کر دے گا اور تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی ہے۔ [1]

المائدہ: ٦٣ کی تفسیر میں ہم نے اس حدیث کو زیادہ تخریج کی ہے اور اس کو سنن ترمذی، ابوداؤد' سنن ابن ماجہ اور المعجم الاوسط کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

ابن زیدؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر انجیل اور زبور میں لعنت کی گئی ہے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ایمان کی چکی گھوم رہی ہے۔ جس طرف قرآن پھرے' تم اس طرف پھر جاؤ۔ جن چیزوں کو فرض کرنا تھا' اللہ تعالیٰ ان سے فارغ ہو چکا ہے۔ بیشک بنو اسرائیل میں سے ایک گروہ نیک لوگوں کا تھا' وہ نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے' ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر آروں سے چیر دیا اور ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ باقی بچے جن کو بادشاہوں کے پاس

۱۔ (جامع البیان' جز٦ ص٤٢٨۔٤٢٧' مسند ابویعلیٰ' ج٨' رقم الحدیث: ٥٠٣٥' مسند احمد' ج١' ص٣٩١' طبع قدیم)

جانے اور ان کی مجالس میں بیٹھے بغیر قرار نہیں آیا' پھر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے بغیر ان کو چین نہیں آیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا' ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ [1]

حافظ عبداللہ بن یوسف زیلعی ؒ متوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابویعلی موصلی ؒ نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن الحارث سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو ولیمہ میں بلایا۔ جب وہ گئے تو وہاں لھو (گانے بجانے) کو سنا تو حضرت ابن مسعود ؓ واپس آ گئے۔ اس نے پوچھا آپ کیوں واپس آئے؟ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا' وہ ان ہی میں سے ہوگا اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہوا' وہ اس عمل کے مرتکبین میں شریک ہوگا۔ اور امام ابن المبارک ؒ نے کتاب الزھد والرقائق میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری ؓ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا۔ انھوں نے وہاں (گانے بجانے کی) آواز سنی تو واپس آ گئے' ان سے پوچھا گیا' آپ کیوں نہیں گئے؟ تو فرمایا: میں نے آواز سنی اور جس شخص نے کسی جماعت میں اضافہ کیا' اس کا شمار ان ہی میں ہوگا اور جو کسی عمل سے راضی ہوا' وہ اس عمل میں شریک ہوگا۔ [2]

حافظ زیلعی ؒ' حافظ عسقلانی اور علامہ زبیدی ؒ نے یہ حدیث مسند ابویعلی کے حوالے سے بیان کی ہے' لیکن مجھے یہ حدیث مسند ابویعلی کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملی اور نہ ہی مجھے حضرت ابوذر ؓ کی روایت امام

۱۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۴۲۹)

۲۔ (نصب الرایہ' ج ۴' ص ۳۴۷۔۳۴۶' اتحاف السادۃ المتقین' ج ۶' ص ۱۲۸' مسند الفردوس للدیلمی' رقم الحدیث: ۵۶۲۱' المطالب العالیہ العسقلانی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۶۰۵)

ابن المبارکؒ کی کتاب الزھد میں ملی۔

﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ ﴾

انھوں نے ایک دوسرے کو برے کام کرنے سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ برا راستہ تھا جو انھوں نے اختیار کیا تھا۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ: یعنی وہ ایک دوسرے کو برائی سے منع نہیں کرتے۔ ان کے نیک لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اگر کچھ لوگ برے کام کر رہے ہیں تو کرتے رہیں، ان کا وبال خود ان پر ہوگا، ہم تو اپنی جگہ نیک ہیں۔ حالانکہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ ہو تو ایمان کا آخری درجہ یعنی کمزور ترین ایمان بھی نہیں رہتا۔

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے، اگر استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھا دے) اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"[1]

سیدنا حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس ذات گرامی کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے، یا پھر قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے ہاں سے عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعا کرو گے تو وہ تمہاری دعا

۱۔[مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من ال ایمان: ۴۹]

بھی قبول نہیں فرمائے گا۔"[1]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول! ہم (مسلمان) کب نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا چھوڑ بیٹھیں گے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب تمہارے اندر وہ چیزیں (یعنی خرابیاں) ظاہر ہو جائیں گی جو تم سے پہلی قوموں میں ظاہر ہوئی تھیں۔" ہم نے کہا، اللہ کے رسول! ہم سے پہلی امتوں میں کیا ظاہر ہوا تھا؟ آپ نے فرمایا: "حکومت کم عمر (یا بچگانہ ذہن رکھنے والے) افراد میں اور بے حیائی بڑوں میں (جوان تو بدکاری میں ملوث ہوں گے ہی، بوڑھے بھی باز نہیں آئیں گے) اور علم تمہارے ذلیل لوگوں میں (یعنی بدکردار اور فاسق لوگ علم تو حاصل کریں گے، لیکن اس پر عمل نہیں کریں)۔"[2]

امام عبدالرزاقؒ، احمد، عبد بن حمیدؒ، ابوداؤدؒ، الترمذیؒ (نے اس کو حسن بھی کہا ہے) ابن ماجہؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتمؒ، ابوالشیخ، ابن مردویہ اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے ملتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ (اے آدمی) اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دے جو (برا) کام کر رہا ہے۔ یہ تیرے لیے حلال نہیں۔ پھر اس سے اگلے دن ملاقات کرتا تھا تو اس کا یہ کردار اسے نہ روکتا تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھنے سے جب انھوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیئے (یعنی ایک جیسا کر دیا) اسی کو فرمایا لفظ آیت لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد (سے لے کر) لفظ آیت فاسقون تک پھر فرمایا ہرگز نہیں اللہ کی قسم تم ضرور نیکی کا حکم کرتے رہو اور ضرور برائی سے روکتے رہو اور ظالم کے ہاتھوں کو ضرور پکڑتے رہو اور حق پر آمادہ

۱۔[مسند أحمد: ۵/ ۳۸۸، ح: ۲۳۳۶۳۔ ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی الأمر بالمعروف والنھی عن المنکر: ۲۱۶۹]

۲۔[ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب قولہ تعالیٰ: (یأیھا الذین امنوا علیکم أنفسکم): ۴۰۱۵]

کرتے رہو۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابوالشیخؒ، طبرانی اور ابن مردویہؒ، ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بنی اسرائیل جب کوئی برا کام کرتے تھے تو ان کے علماء ان کو سرزنش کرتے ہوئے ان کو روکتے تھے۔ پھر ان کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ گویا کہ گزشتہ روز انھوں نے کوئی برائی نہ کی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس طرز عمل کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کے دلوں کو بعض سے ٹکرا دیا (یعنی ایک جیسا کر دیا) اور انبیاء میں سے ایک نبی کی زبان کے ساتھ ان پر لعنت کی، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم کرتے رہو، برائی سے روکتے رہو اور تم ضرور حق پر آمادہ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے بعض کے دلوں کو بعض سے ٹکرا دے گا۔ (یعنی ایک جیسا کر دیں گے) اور ضرور تم پر لعنت کریں گے جیسے ان پر لعنت کی۔

دین پر قائم رہنے کی تاکید

امام عبد بن حمیدؒ نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا عطیہ کو لے لو جب تک وہ عطیہ ہے جب تمہارے دین سے دور کرنے کے لیے رشوت ہو تو اس کو مت لو۔ اور ہرگز تم اس کو نہ چھوڑو گے کہ تم کو روکے گا اس سے فقر اور خوف۔ یاجوج کی اولاد آ چکی ہے۔ اور اسلام کی چکی عنقریب گھومے گی۔ جہاں قرآن گھومے تم بھی اس طرف گھوم جاؤ۔ (یعنی اس پر عمل کرو) قریب ہے کہ بادشاہ اور قرآن آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑیں اور مختلف حکم دیں۔ عنقریب تم پر ایسے بادشاہ ہوں گے جو تمہارے لیے ایک حکم سے فیصلہ کریں گے جب کہ ان کے لیے اور حکم ہوگا۔ اگر تم ان

کی اطاعت کرو گے تو وہ تم کو گمراہ کر دیں گے۔ اور اگر ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تم کو قتل کر دیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ہم ان کو پالیں تو ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا اللہ کی اطاعت میں موت بہتر ہے گناہ کی زندگی سے۔ سب سے پہلے بنی اسرائیل میں جو نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ وہ ان کو نیکی کا حکم کرتے تھے اور ان کو برائی سے روکتے تھے سرزنش کرتے ہوئے پھر جب ان میں سے ایک اپنے دوست سے ملتا تھا جس پر کل اس نے عیب لگایا تھا تو اس کے ساتھ کھاتا اور پیتا تھا اس طرح گویا کہ اس پر عیب ہی نہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے داؤد (علیہ السلام) کی زبان سے ان پر لعنت فرمائی۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرنے والے اور حد سے گزرنے والے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تم پر ضرور برے لوگوں کو مسلط کر دے گا۔ پھر تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے تو تمہاری دعائیں قبول نہ کی جائیں گی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم کرتے رہو، برائی سے روکتے رہو، اور ظالم کے ہاتھ پکڑے رہو۔ اور حق پر آمادہ کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعض کے دلوں کو بعض سے ٹکرا دے گا۔ (یعنی ایک جیسا کر دیں گے)۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد یعنی زبور (میں ان پر لعنت کی گئی) اور عیسیٰ یعنی انجیل میں (ان پر لعنت کی گئی۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت لعن الذین کفروا کے بارے میں فرمایا کہ ان پر یہ نبی کی زبان میں لعنت کی گئی اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے

زمانہ میں قرآن میں ان پر لعنت کی گئی۔

امام ابوالشیخ ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت لعن الذین کفروا کے بارے میں فرمایا کہ نبی کے بعد بھی انھوں نے اس فاسقوں کے ساتھ میل جول رکھا۔تو اللہ تعالیٰ نے بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ ٹکرا دیا۔اور وہ لعنت کیے گئے اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی زبان پر۔

امام ابوعبیدہؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ ؒ نے ابو مالک غفاریؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اسی آیت کے بارے میں فرمایا کہ وہ لوگ داؤد (علیہ السلام) کی زبان پر لعنت کئے گئے۔اور ان کو بندر بنا دیا گیا۔اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی زبان پر لعنت کئے گئے اور ان کو سور بنا دیا گیا۔

امام عبد بن حمید اور ابوالشیخ ؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ قتادہؒ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے داؤد کی زبان پر اس کے زمانہ میں ان پر لعنت کی اور ان کو ذلیل بندر بنا دیا۔اور انجیل میں عیسیٰ ؑ کی زبان پر ان پر لعنت کی گئی اور ان کو سور بنا دیا گیا۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم ؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون پوچھا کہ ان میں سے بعض کا کیا قصور تھا انھوں نے کہا یعنی وہ لوگ اس برائی کو نہ روکتے تھے جن کو وہ لوگ کرتے تھے۔

امام ابوالشیخ ؒ نے ابوعمرو بن عاص ؓ سے روایت کیا ابن زبیر ؓ نے کعب ؓ سے پوچھا اللہ تعالیٰ کی کیا کوئی نشانی ہوتی ہے بندوں میں جب وہ ان پر ناراض ہوتے ہیں۔فرمایا ہاں۔ان کو ذلیل کرتے ہیں۔اس حال میں کہ نہ وہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور نہ برائی سے روکتے ہیں۔اور قرآن میں ہے لفظ آیت لعن

الذین کفروا من بنی اسرائیل۔

امام احمدؒ، ترمذیؒ، (انہوں نے اس کو حسن بھی کہا ہے) اور امام بیہقیؒ نے حذیفہ بن یمانؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم کرتے رہو۔ اور برائی سے روکتے رہو۔ یا عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب کو بھیج دیں گے۔ پھر تم دعا کرو گے تو قبول نہ ہوگی۔

امام ابن ماجہؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔ پہلے اس کے کہ تم دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ کی جائے۔

امام احمدؒ نے عدی بن عمیرؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو عذاب نہیں دیتے۔ خاص لوگوں کے علم کی وجہ سے یہاں تک کہ جب وہ برے کام کو اپنے درمیان سے دیکھیں حالانکہ اس کو روکنے پر قادر دیکھیں تا کہ جب انھوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ عام اور خاص کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

امام خطیبؒ نے مالکؒ کی روایت میں ابوسلمہؓ سے روایت کیا کہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو خاص لوگوں کی وجہ سے عذاب نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ وہ برائی کو اپنے درمیان دیکھیں۔ حالانکہ وہ اس بات پر قادر ہوں کہ ان کو روک دیں مگر وہ ان لوگوں کو نہیں روکتے۔ جب انھوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ عام اور خاص سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

امام خطیبؒ نے روایت مالکؒ میں ابوسلمہؓ سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم) نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میری امت میں سے کچھ لوگ اپنی قبروں سے بندر اور سور کی شکل میں نکلیں گے۔ انھوں نے نافرمانی کے ساتھ نرمی کی ہوگی اور ان کو روکنے سے خاموشی اختیار کی ہوگی۔ جبکہ وہ اس کی طاقت رکھتے تھے۔

امام حکیم ترمذیؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی۔ تو اسلام کی ہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔ اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کریں گے۔ تو اللہ جل شانہ کی نگاہ میں گر جائے گی۔

﴿ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ ﴾

آپ ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں جو کافر ہیں یقیناً برا ہے جو انھوں نے اپنے لیے آگے بھیجا اللہ کی ان پر ناراضگی ہوئی اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، وہ کتنی بری چیز ہے جو انھوں نے اپنی آخرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ دائمی عذاب

میں رہنے والے ہوں گے۔ (المائدہ: ۸۰) اس آیت میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خطاب ہے یا یہ خطاب عام ہے اور ہر مخاطب مراد ہے' اور ان میں سے اس سے مراد اہل کتاب ہیں یا بنو اسرائیل اور فرمایا ہے آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے اس سے مراد کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں' بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت مکہ گئی تھی' تا کہ ان مشرکین کے ساتھ اشتراک کر کے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں' لیکن بات نہیں بنی۔ انھوں نے جو کام کیے ہیں' یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کا موجب ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور اللہ کی ناراضگی کے متعلق یہ حدیث نقل کی ہے۔ امام ابن ابی حاتمؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے مسلمانو! تم زنا سے بچے رہنا' کیونکہ زنا پر چھ چیزیں مترتب ہوتی ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں' دنیا میں اس فعل سے رونق چلی جاتی ہے۔ تنگ دستی اور مفلسی آتی ہے اور عمر کم ہوتی ہے اور آخرت میں اس فعل کی وجہ سے رب تعالیٰ ناراض ہوتا ہے' اور حساب سخت ہوتا ہے اور دوزخ میں دائمی عذاب ہوتا ہے۔ (دوام سے مراد لمبا عرصہ ہے) پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کو تلاوت کیا۔ امام ابن مردویہؒ نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے لیکن اس کی ہر سند ضعیف ہے۔ [1]

امام ابن ابی حاتم اور ابو الشیخؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت لبئس ما قدمت لھم انفسھم سے مراد ہے کہ ان کے نفس ان کو حکم دیں۔

۱۔ (تفسیر ابن کثیر' ج ۲ ص ۶۲۲) میں کہتا ہوں کہ تعدد اسانید کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور خرائطیؒ نے مساوی الاخلاق میں، ابن مردویہ اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں (انہوں نے اس کو ضعیف بھی کہا ہے) امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے حذیفہؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے مسلمانو کی جماعت تم زنا سے بچو اس سے چھ عذاب ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ جو دنیا میں ہیں وہ یہ ہیں۔ اس کی طرف (بدکاری کا) اچھا ہونا دائمی فقر اور عمر کا کم ہونا اور تین آخرت میں یہ ہیں۔ اللہ کا ناراض ہونا۔ حساب کا لمبا ہونا اور دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (یہ آیت) پڑھی۔ لفظ آیت لبئس ما قدمت لھم انفسھم ان سخط اللہ علیھم وفی العذاب ھم خلدون۔

﴿ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ ﴾

"اور اگر وہ اللہ اور نبی اور اس دین پر ایمان لاتے اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے تو انھیں دوست نہ بناتے اور لیکن ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔"

قول باری ہے ولو کانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء اگر یہ لوگ اللہ، نبی اور نبی پر نازل شدہ کتاب پر ایمان رکھتے تو انھیں ہرگز اپنا دوست نہ بناتے۔ حسن اور مجاہدؒ سے مروی ہے یہ آیت ان منافقین کے بارے میں ہے جو یہود میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ یہ لوگ اللہ پر، اس کے نبی پر ایمان نہیں رکھتے تو انھیں ہرگز اپنا دوست نہ بناتے حسن اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں ہے جو یہود میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ یہ لوگ اللہ پر، اس کے نبی پر

ایمان نہیں رکھتے اگرچہ ایمان کا اظہار بھی کرتے ہیں ایک قول ہے کہ نبی سے مراد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ہیں، آپ پر ان یہودیوں کا ایمان نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ مشرکین کو اپنا رفیق اور دوست بناتے ہیں۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) اگر یہ یہودی اللہ پر صحیح ایمان لاتے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر اور توراۃ پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے۔

(۲) اگر یہ یہودی اللہ پر کامل ایمان لاتے اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور قرآن مجید پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے۔

﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ﴾

تم ایمان والوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور اہل ایمان کی دوستی سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان کے اندر عالم اور راہب ہیں اور یہ تکبر نہیں کرتے۔

شان نزول: (آیت) "ولتجدن اقربھم"

ابن ابی حاتمؒ نے سعید بن مسیبؒ، ابوبکر بن عبدالرحمن اور عروۃ بن زبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عمرو بن امیہ ضمری کو روانہ کیا اور ان کے ساتھ حضرت نجاشیؓ کے پاس ایک خط بھیجا چنانچہ وہ نجاشی کے پاس آئے، نجاشی نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نامہ مبارک پڑھا اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کے ساتھ دوسرے مہاجرین کو بلایا اور علماء وتارک الدنیا راہبوں کو حکم دیا وہ آئے پھر حضرت جعفرؓ کو حکم دیا، انھوں نے سب کے سامنے سورہ مریم کی آیات تلاوت کیں، چنانچہ قرآن کریم پر ایمان لے آئے اور سب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ان ہی حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے (آیت) "ولتجدنھم"۔ سے "۔فاکتبنا مع الشاھدین"۔ تک یہ آیات نازل فرمائیں۔[1]

نجاشی کا اسلام لانا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ نجاشیؓ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک وفد بھیجا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا' وہ مسلمان ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' پھر وہ وفد نجاشی کے پاس گیا اور اس کو خبر دی تو نجاشی بھی مسلمان ہو گیا' اور وہ تادم مرگ مسلمان رہا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا۔

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

اس کی نماز جنازہ پڑھو' پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدینہ میں اس پر نماز پڑھی اور نجاشی (کا جنازہ) اس وقت حبشہ میں تھا۔ [1]

مسلمانوں کا حبشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ کا ان کو واپس بلانے کی سعی کرنا

امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہؓ (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ) بیان کرتی ہیں کہ جب ہم حبشہ میں پہنچے تو ہمیں نجاشی نے وہاں پناہ دی' ہم نے اپنے دین کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ہم کو نہ کوئی ایذا دی جاتی تھی' نہ ہم کوئی ناگوار بات سنتے تھے۔ جب یہ خبر قریش کو پہنچی تو انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہمارے متعلق نجاشی کے پاس دو قوی آدمی بھیجے جائیں اور مکہ کی عمدہ چیزوں میں سے نجاشی کے لیے ہدیئے بھیجے جائیں۔ ان لوگوں کو چمڑا پسند تھا' تو انھوں نے بہت سے چمڑے جمع کر لیے' ان کے سرداروں میں سے ہر شخص کو انھوں نے چمڑے اور تحفے دینے کا فیصلہ کیا' پھر انھوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو یہ ہدیئے دے کر روانہ کیا اور ان سے کہا: مسلمانوں کے متعلق نجاشی سے بات کرنے سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیئے دے دیئے جائیں وہ حبشہ پہنچ گئے اور نجاشی کے ساتھ ملاقات سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیئے دیئے اور ہر سردار سے یہ کہا: تمہارے بادشاہ ملک میں ہمارے چند نادان لڑکوں نے آ کر پناہ لی ہے' وہ اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور تمہارے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں' جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ تم جانتے ہو' اور ہماری قوم نے اپنے معزز لوگوں کو بھیجا ہے تاکہ وہ ان کو واپس لے جائیں۔ سو جب ہم بادشاہ سے اس معاملہ میں بات کریں

۱۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۳' مطبوعہ ۱۴۱۵ھ)

توتم بادشاہ کو یہ مشورہ دینا کہ وہ ان کو ہمارے حوالے کردیں اور بادشاہ ان سے بات نہ کرے۔

کیونکہ ہماری قوم ان کے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ سرداروں نے کہا اچھا' پھر انھوں نے نجاشی کو ہدیئے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کرلیا۔ پھر انھوں نے کہا اے بادشاہ آپ کے ملک میں ہمارے کچھ نادان لوگ آگئے ہیں جو اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں' اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لیکر آئے ہیں جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ آپ' اور ہم کو آپ کی طرح ان کی قوم کے معزز لوگوں نے بھیجا ہے' جو ان کے آباء واجداد اور رشتہ دار ہیں' تا کہ آپ انھیں واپس لے جائیں۔ سو جب ہم بادشاہ سے اس معاملہ میں بات کریں تو تم بادشاہ کو یہ مشورہ دینا کہ وہ ان کو ہمارے حوالے کردیں اور بادشاہ ان سے بات نہ کرے۔

کیونکہ ہماری قوم ان کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ سرداروں نے کہا اچھا' پھر انھوں نے نجاشی کو ہدیئے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کرلیا۔ پھر انھوں نے کہا اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ نادان لوگ آگئے ہیں جو اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں' اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے' وہ ایک نیا دین لیکر آئے ہیں جس کو ہم پہنچانتے ہیں نہ آپ' اور ہم کو آپ کی طرف ان کی قوم کے معزز لوگوں نے بھیجا ہے' جو ان کے آباء واجداد اور راشتہ دار ہیں' تا کہ آپ انھیں واپس بھیج دیں۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو اس سے زیادہ اور کوئی بات ناپسند نہیں تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سنے' اس کے سرداروں نے کہا ان دو آدمیوں نے سچ کہا ہے۔ ان لوگوں کے کرتوتوں کو ان کی قوم ہی بہتر طور سے جانتی ہے' سو آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کردیجئے' تا کہ یہ ان کو ان کی قوم کے پاس واپس لے جائیں۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا یہ سن کر نجاشی غضبناک ہوا' اس نے کہا نہیں خدا کی قسم' میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جن لوگوں نے میری پناہ لی ہے اور میرے ملک میں آئے ہیں اور جنہوں نے دوسروں کی بجائے مجھے اختیار کیا ہے' جب تک میں ان سے سوالات کر کے تحقیق نہ کرلوں' ان کو تم لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ اگر وہ ایسے ہی نکلے جیسا تم نے کہا ہے' تو میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گا' اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں ان کی حفاظت کروں گا۔ اگر وہ ایسے ہی نکلے جیسا تم نے کہا ہے تو میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گا اور اگر ایسا نہ ہوا جیسا تم نے کہا ہے تو میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں ان کی حفاظت کروں گا' اور جب تک یہ میری پناہ میں رہیں گے' ان سے حسن سلوک کروں گا۔ پھر اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب کو بلایا۔ جب مسلمان آ گئے' تو نجاشی نے اپنے علماء کو بھی بلایا اور وہ اس کے گرد اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئے۔

حضرت جعفر کا نجاشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرانا

پھر نجاشی نے مسلمانوں سے سوال کیا' وہ کونسا دین ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور تم اس کی وجہ سے نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ان ادیان میں سے اور کسی دین میں داخل ہوئے؟ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا جس شخص نے ان کو جواب دیا' وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ تھے۔ انھوں نے کہا اے بادشاہ' ہم جاہلوں کی قوم تھے' بتوں کی عبادت کرتے تھے' مردار کھاتے تھے' بے حیائی کے کام کرتے تھے' رشتوں کو توڑتے تھے' پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے' ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا' ہم اسی حال پر تھے کہ اللہ نے ہم میں سے ہی ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا۔ جن کے نسب' ان کے صدق' ان کی امانت داری اور ان کی پاکیزگی کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔

انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی' تا کہ ہم اس کو واحد مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس سے پہلے ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے' اس کو چھوڑ دیں' اور انھوں نے ہمیں سچ بولنے' امانت ادا کرنے' رشتوں کو ملانے' پڑوسیوں سے نیک سلوک کرنے' حرام کاموں اور خون ریزیوں سے باز رہنے کا حکم دیا اور بے حیائی کے کاموں' جھوٹ بولنے' یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے سے منع کیا' اور ہم کو حکم دیا کہ ہم فقط اللہ کی عبادت کریں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم کو نماز پڑھنے' زکوۃ ادا کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا انھوں نے اسلام کے تمام احکام گنوائے۔ سو ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور ہم اس پر ایمان لے آئے' اور وہ اللہ کے پاس سے جو احکام لائے تھے' ہم نے ان پر عمل کیا اور فقط اللہ وحدہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا اور جن چیزوں کو انھوں نے ہم پر حرام کیا تھا' ان کو ہم نے حرام قرار دیا' اور جن چیزوں کو انھوں نے ہمارے لیے حلال کیا تھا' ان کو ہم نے حلال رکھا۔ اس بناء پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی۔

انہوں نے ہم کو عذاب میں مبتلا کیا اور ہم کو ہمارے دین سے چھڑانے کے لیے آزمائشوں میں مبتلا کیا' تا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے چھڑا کر بتوں کی عبادت کی طرف لے آئیں' اور پھر ان ہی بدکاریوں کو حلال کرنے لگیں جن کو ہم پہلے حلال سمجھ کر کرتے تھے۔ سو جب انھوں نے ہم پر قہر اور ظلم کیا اور ہم پر ہماری معیشت کو تنگ کر دیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم نے دوسروں کی بجائے آپ کو پسند کر لیا اور آپ کی پناہ میں رغبت کی' اور ہم نے یہ امید رکھی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا پھر نجاشی نے کہا کیا تم کو اللہ کے کلام کی کچھ آیتیں یاد ہیں؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں نجاشی نے کہا مجھے سناؤ۔ تو حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا خدا کی قسم وہ آیتیں سن کر نجاشی رونے لگا اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور اس کے علماء بھی رونے لگے اور ان کے مصاحف ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ پھر ان سے نجاشی نے کہا بیشک یہ دین اور جس دین کو عیسیٰ لے کر آئے تھے' یہ دونوں دین ایک ہی طاق سے نکلے ہیں' پھر ان دونوں مشرکوں سے کہا: جاؤ! تم واپس جاؤ بخدا میں ان مسلمانوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔

کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا جب وہ دونوں نجاشی کے دربار سے نکل گئے تو عمرو بن العاص نے کہا بخدا میں کل پھر اس کے پاس جاؤں گا اور اس کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا جس سے ان کی جڑ کٹ جائے گی۔ عبداللہ بن ربیعہؓ نے کہا ایسا نہ کرو' اگرچہ یہ ہمارے مخالف ہیں' لیکن ہماری ان کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں' اس نے کہا میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ اللہ کے بندے ہیں' پھر اگلے دن وہ گیا اور نجاشی سے کہا: اے بادشاہ! یہ عیسیٰ ابن مریم کے متعلق بہت سخت بات کہتے ہیں۔ آپ ان کو بلا کر ان سے پوچھئے کہ یہ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا پھر بادشاہ نے ہم کو بلوایا اور اس جیسی آزمائش ہم پر پہلے نہیں آئی تھی' جب سب لوگ جمع ہو گئے تو بادشاہ نے پوچھا تم لوگ عیسیٰ بن مریمؑ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ جب ان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے کہا ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے' اس کے رسول اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور وہ کلمہ ہیں جو اس

نے کنواری پاک دامن مریم کی طرف القاء کیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا پھر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھایا۔ پھر کہا بخدا تم نے جو کچھ بیان کیا ہے' عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اس سے ایک تنکے سے بھی زیادہ نہیں ہیں۔ جب نجاشی نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے متعلق یہ کہا: تو اس کے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں نے غصہ سے پھنکارنا شروع کر دیا۔ نجاشی نے کہا: ہر چند کہ تم غصہ سے پھنکار رہے ہو (اور مسلمانوں سے کہا) تم میری سرزمین میں مامون ہو' جو شخص تم کو گالی دے گا' اس پر جرمانہ ہوگا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور میں اس کے بدلہ میں تم میں سے کسی شخص کو ایذا پہنچاؤں۔ ان لوگوں کے ہدیئے اور تحفے ان کو واپس کر دو۔ ہم کو ان کی ضرورت نہیں ہے' بخدا جب اللہ نے مجھے میرا ملک واپس کیا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں ان سے کیسے لوں گا؟

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا تو وہ دونوں (عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ) نجاشی کے پاس سے ناکام اور نامراد ہو کر لوٹے' اور ہم نجاشی کے ملک میں اچھے گھر اور اچھے پڑوسی کی حیثیت سے رہے۔ اسی اثناء میں نجاشی کے ملک پر کسی نے حملہ کیا' ہم نے اس کے غلبہ کے لیے اللہ سے دعا کی' حتیٰ کہ وہ کامیاب ہو گیا اور ہم اس کے ملک میں اچھی طرح رہے۔ حتیٰ کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس مکہ واپس آ گئے۔ [1]

امام ابن ابی حاتمؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ قسیسین سے مراد ہے ان کے علماء۔

امام ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ قسیسین سے مراد ہے ان کے عبادت گزار۔

---

[1]۔ (علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے) (مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۷۴۰' طبع دار الحدیث: قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۴۰' طبع دار الفکر بیروت' مسند احمد' ج ۱' ص ۲۰۳۔۲۰۱' طبع قدیم' السیرۃ النبویہ' ج ۱ ص ۳۷۵۔۳۷۳' الروض الانف' ج ۱ ص ۲۱۴۔۲۱۰' مجمع الزوائد' ج ۶' ص ۲۷۔۲۴' البدایہ النہایہ' ج ۳' ص ۷۵۔۷۲)

امام ابن جریرؒ نے ابن اسحاقؒ سے روایت کیا کہ میں نے زھریؒ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا یعنی لفظ آیت ذلک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لایستکبرون اور لفظ آیت واذا خاطبھم الجھلون قالوا سلما (سورہ فرقان آیت ٦٣) کے بارے میں تو انھوں نے فرمایا میں نے برابر اپنے علماء کو سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

امام ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتمؒ، الحاکمؒ (اور انھوں نے اس کو صحیح بھی قرار دیا) اور امام ابن مردویہؒ نے چند طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فاکتبنا مع الشھدین سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت ہے اور دوسرے لفظ میں یوں ہے کہ وہ لوگ گواہی دینے والوں سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت مراد لیتے ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں گواہی دی کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا اور رسولوں کے بارے میں بھی گواہی دی کہ انھوں نے بھی اللہ کا پیغام پہنچایا۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن زبیرؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصلحین میں قوم صالحون سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اصحاب مراد ہیں۔

﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا

مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾
فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع

اور جب انھوں نے اس چیز کو سنا جو نازل کی گئی رسولوں کی طرف تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں اس وجہ سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا، وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجیے جو تصدیق کرنے والے ہیں۔ (۸۳) اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ اور اس پر ایمان نہ لائیں جو حق میں سے ہمارے پاس آیا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر لے گا۔ (۸۴) ان کے اس کہنے کی وجہ سے اللہ ان کو ایسی جنتیں عطا کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بدلہ ہے نیکی کرنے والوں کا۔ (۸۵) رہے وہ لوگ جنھوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا اور انھیں جھٹلایا تو وہ جہنم کے مستحق ہیں

(۸۶)۔

شان نزول: (آیت) "واذا سمعوا"

ابن ابی حاتمؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نجاشیؓ نے اپنے ساتھیوں میں سے تیس پسندیدہ حضرات کو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت اقدس میں بھیجا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے سامنے سورہ یسین کی تلاوت فرمائی وہ سب حضرات رونے لگے تو ان کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہے۔

اور امام نسائیؒ نے عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت نجاشیؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی اور امام طبرانیؒ نے ابن عباسؓ سے اسی طرح اس سے مفصل روایت نقل کی ہے۔

امام ابن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ ھ نے اپنی کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ [۱]

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزیؒ المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب نجاشی کے پاس پہنچے اور انھوں نے قرآن کریم پڑھا اور ان کے علماء اور راہبوں نے قرآن مجید سنا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ نجاشی نے اپنے تیس بہترین اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بھیجے۔ آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا' ان پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رونے لگے' انھوں نے کہا بہ خدا ہم اس کو پہچانتے ہیں اور وہ مسلمان ہو گئے اور

۱۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۹' مطبوعہ ۱۴۱۵ھ)

نجاشی کو جا کر خبر دی تو وہ بھی مسلمان ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے"۔ اس کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) علی بن ابی طلحہؒ نے کہا اس سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی امت ہے۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب ہیں:

(۳) حسن بصریؒ نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔

(٤) زجاج نے کہا اس سے مراد انبیاء (علیہم السلام) اور مومنین ہیں۔ [۱]

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیات نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے ایمان اور ان کی صفات بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی تھیں۔ جب انھوں نے جعفر طیارؓ کی زبانی قرآن سنا تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ان آیات میں قرآن کریم سن کر ان پر جو اثر ہوا اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ان کے ایمان لانے کا تذکرہ ہے۔ شاہ حبشہ نجاشی اگرچہ آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا، تاہم مسلمان ضرور ہو چکا تھا اور اس پر واضح دلیل یہ ہے کہ جب وہ فوت ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو اس کی وفات کی خبر دی، پھر اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ [۲]

نیز قرآن کریم میں بعض اور مقامات پر اس قسم کے نصرانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا: (وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ) [آل عمران: ۱۹۹] "اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یقیناً ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا، اللہ کے لیے عاجزی کرنے والے

۱۔ (زاد المسیر ج۲، ص۴۰۹، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب الصفوف علی الجنازۃ: ۱۳۱۸]

ہیں۔" اور فرمایا: (اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۔ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ) [القصص: ٥٢ تا ٥٥] "وہ لوگ جنھیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، یقیناً یہی ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بیشک ہم اس سے پہلے فرمان بردار تھے۔ یہ لوگ ہیں جنھیں ان کا اجر دوہرا دیا جائے گا، اس کے بدلے کہ انھوں نے صبر کیا اور وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو ہٹاتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ سلام ہے تم پر، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرلے۔ (المائدہ: ٨٤)

نیک لوگوں کی تفسیر میں تین قول ہیں۔

(١) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب ہیں۔

(٢) ابن زیدؒ نے کہا اس سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اصحاب ہیں۔

(۳) مقاتلؒ نے کہا اس سے مراد مہاجرین اولین ہیں۔ [۱]

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ: یعنی ہم کیوں ایمان نہ لائیں حالانکہ ہم طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں اپنے نیک بندوں کے ساتھ داخل کرے، یعنی ہمیں ضرور ایمان لانا چاہیے۔ ایمان لائے بغیر قیامت کے دن نیک بندوں کے ساتھ داخل ہونے کی توقع اور طمع سراسر جہالت اور حماقت ہے۔ ارشاد فرمایا: (وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ)[آل عمران: ۱۹۹] "اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یقیناً ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا، اللہ کے لیے عاجزی کرنے والے ہیں۔"

سیدنا ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تین شخص ایسے ہیں کہ جن کے لیے دوگنا ثواب ہے: 1 وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو، اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور پھر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بھی ایمان لائے۔ 2 مملوک غلام، جب وہ اللہ کے حق کو اور اپنے مالک کے حق کو ادا کرتا رہے۔ 3 وہ شخص جس کے پاس اس کی لونڈی ہو، اس نے اسے ادب سکھایا اور عمدہ تربیت کی اور اسے اچھی اور عمدہ تعلیم دی، پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا، پس اس کے لیے دوگنا ثواب ہے۔" [۲]

ایمان کا بدلہ

۱۔ (زاد المسیر ج۲، ص۴۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمتہ وأہلہ: ۹۷]

جن لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قرآن مجید سنا اور کہا کہ یہ سچے نبی ہیں اور یہ سچی کتاب ہے ان کے لیے ان کے اس کہنے کے بدلے میں اللہ نے بڑا اچھا انعام تجویز کر رکھا ہے جو ان کو آخرت میں دیا جائے گا اور چونکہ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا اس لئے اس آیت میں اس کو اس طرح کہا گیا ہے کہ دے دیا گیا۔ یہ لوگ جو قرآن مجید سن کر ایمان لائے عیسائیوں میں بہت زیادہ تھے اور یہودیوں میں بہت کم اسی لیے پچھلی آیتوں میں کہا گیا ہے کہ یہود مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں اور نصاریٰ اتنے نہیں۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ پر موقوف نہیں جس قوم میں یہ صفات ہوگی یعنی دین کا علم دنیا سے دل ہٹا ہوا ہونا اور تکبر نہ ہونا وہ قوم مسلمانوں سے بہت جلد محبت کرنے لگے گی ورنہ پھر وہ مسلمانوں کے سخت دشمن ہوں گے۔

ارشاد ہے کہ اللہ ایمان لانے والوں کو بدلے میں سرسبز اور سیراب باغوں میں رہنے کی جگہ دے گا جس میں خوشگوار نہریں بہتی ہوں گی اور ان کے رہنے کی جگہ ہمیشہ کے لئے ہی ہوگی نیک لوگوں کو اور اچھے اعمال والوں کی جزا یہی ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ جو لوگ ہماری اتاری ہوئی آیتوں کو جھوٹی بتلاتے ہیں ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

یہود اور نصاریٰ کا طرز عمل

قرآن مجید انسان کو اس دنیا میں اس راستے پر چلنا سکھاتا ہے جس پر چلنے سے اس کو یہاں بھی چین اور آرام ملے اور مرنے کے بعد تو یقیناً اس کو بڑی سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔

قرآن مجید کے سمجھانے کا طریقہ اس قدر عجیب و غریب ہے کہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی اس پر ٹھنڈے دل سے

اور کرے اور اس کی سمجھ میں نہ آئے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہر ایک کو آسانی سے نصیب نہیں ہوتا کچھ ایسی مشکلات آڑے آجاتی ہیں کہ نہ سننے کا موقع ملتا ہے نہ پڑھنے کا نہ سمجھنے کا بلکہ بعض کو زد ہو جاتی ہے اور آخر یہ ٹھان لیتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے یہ کیا کہتا ہے ہم تو وہی کریں گے جو ہمارا دل چاہے۔

انسان کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے قرآن مجید اس سے آگاہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے گا لیکن وہ اس کی وجہ سے سمجھانا نہیں چھوڑتا اور کسی کی ضد دشمنی اور مخالفت کی نہ اسے پروا ہے نہ ڈر ہے جو کہتا ہے اپنے مقرر طرز میں نہایت آسانی اور زور کے ساتھ کہتا ہے۔

اس صورت میں بہت سے پہلے کافی یہود و نصاریٰ اور منافقوں کا کچا چٹھا کھولا جا رہا ہے اور مقصود یہ ہے کہ جس کی قسمت سے بچنا ہو ان برائیوں سے بچے اور صحیح راستہ اختیار کرے ان پانچوں قسم کے لوگوں میں سے جس کا جی چاہے ایمان لا کر اور نیک کام کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوار لے ورنہ وہ پچھتائے گا اور ایک وقت آئے گا کہ وہ سر پکڑ کر روئے گا۔

یہود و نصاریٰ کا ذکر زیادہ اس لیے کیا گیا تھا کہ ان سے توقع تھی کہ یہ بات کو سمجھیں گے خود گمراہی سے روکیں گے اور دوسروں کو بھی روکیں گے لیکن یہود کا یہ حال تھا کہ پہلے زمانے میں نیک ہونے کا اقرار کر کے پھر گئے اور اپنے نصیحت کرنے والوں کو اذیتیں پہنچائیں یہاں تک کہ نبیوں تک کو قتل کر ڈالا نصاریٰ ان سے کسی قدر بہتر تھے انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ وہ نفرت نہیں برتی جیسی یہودیوں نے برتی لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے بھی اسلام کو اور رسول اسلام کو نہ مانا اور اپنے ہی خیالات میں پھنسے رہے۔ آخر میں جو سبق سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سے وہ شخص نفع اٹھائے گا جو دین کا علم سیکھے گا اور دنیا سے زیادہ

دل نہ لگائے گا اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا نہ سمجھے گا یعنی تکبر میں مبتلا نہ ہوگا عیسائیوں میں پہلے یہی باتیں تھیں اور یہود ان سے کورے تھے اس لیے ان کے دل بنسبت یہودیوں کے اسلام کی طرف جلد مائل ہوجاتے تھے ہمیں یہ کرنا چاہیے کہ پچھلے سبقوں پر خوب غور کریں اور دیکھیں کہ کہیں وہ برائیاں ہم میں تو نہیں ہیں جو یہودیوں میں تھی اور اگر خدانخواستہ اپنے میں ان کی سی کوئی برائی پائیں تو اس سے اپنے آپ کو پاک کریں۔

الْجَحِيْمِ : جہنم کی آگ کی شدت بیان کرتے ہوئے سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمہاری یہ (دنیا کی) آگ، جسے ابن آدم جلاتا ہے، یہ جہنم کی آگ کا ستر واں حصہ ہے۔" صحابہؓ نے عرض کی، اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! (انسانوں کو جلانے کے لیے تو دنیا کی) یہی آگ کافی تھی؟ آپ نے فرمایا: "لیکن وہ تو دنیا کی آگ سے انہتر (٦٩) درجے زیادہ گرم ہے اور اس کا ہر حصہ اس دنیا کی آگ کے برابر گرم ہے۔"[1]

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۸۷ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸ ﴾

---

[1]۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة: ٣٢٦٥۔ مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب جهنم أعاذنا الله منها: ٢٨٤٣]

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت قرار دو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں، اور حد سے آگے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھ جانے والے کو پسند نہیں فرماتا۔(۸۷) اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے جو چیز حلال ہے پاکیزہ (اور) کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔(۸۸)

شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا"

امام ترمذیؒ وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں جس وقت گوشت کھاتا ہوں تو عورتوں کے لیے ہیجان ہوجاتا ہے اور شہوت کا غلبہ ہوجاتا ہے، اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کرلیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو شخص اس نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان میں سے لذیذ چیزیں اپنے اوپر حرام مت کرو۔

اور ابن جریرؒ نے عوفیؒ کے واسطہ سے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کچھ حضرات نے جن میں عثمان بن مظعونؓ بھی تھے، گوشت اور عورتوں کے اپنے حرام کرلیا تھا اور اپنے عضو تناسل کے کاٹنے کا ارادہ کرلیا تھا تاکہ شہوت بالکل ختم ہوجائے اور عبادت خداوندی کے لیے کامل طور پر فارغ ہوجائیں، تب یہ آیت نازل ہوئی،

نیز اسی طرح عکرمہؒ، ابوقلابہؒ، مجاہدؒ، ابو مالکؒ، نخعی اور سدیؒ وغیرہ کی مرسل روایتیں نقل کی ہیں جن میں سدیؒ کی روایت میں ہے کہ وہ دس حضرات تھے جن میں ابن مظعونؓ اور علی ابن ابی طالبؓ بھی

تھے۔

اور عکرمہؒ کی روایت میں ابن مظعونؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، مقداد بن اسود اور سالم مولی ابوحذیفہؓ کا ذکر ہے اور مجاہدؒ کی روایت میں ابن مظعونؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا ذکر ہے۔

اور ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں بواسطہ سدیؒ، صغیرؒ، کلبیؒ، ابوصالحؒ، ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، مقداد بن اسودؓ اور سالم مولی ابی حذیفہؓ تھے یہ سب اس پر متفق ہوئے کہ اللہ کی طرف کامل توجہ اور محض اس کی عبادت کے لیے سب اپنے عضو تناسل کاٹ ڈالیں اور عورتوں سے علیحدہ رہیں اور گوشت و چربی نہ کھائیں، اور ٹاٹ پہنیں اور بقدر ضرورت کھائیں، اور زمین میں راہبوں کی طرح پھریں ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اور ابن ابی حاتمؒ نے زید بن سلمؒ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن رواحہؓ کے رشتہ داروں میں سے ایک مہمان آیا اور عبداللہ بن رواحہؓ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تھے جب اپنے گھر آئے تو دیکھا کہ مہمان نے ان کے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں کھایا، تو اپنی بیوی سے کہا کہ میری وجہ سے ابھی تک میرے مہمان کو بٹھائے رکھا یہ کھانا مجھ پر حرام ہے ان کی بیوی بولیں کہ میرے اوپر بھی حرام ہے، مہمان نے کہا تو پھر مجھ پر بھی حرام ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے جب یہ دیکھا تو کھانے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا چلو بسم اللہ پڑھ کر کھالو۔

اس کے بعد رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں تشریف لے گئے اور آپ (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) سے سارا واقعہ بیان کیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! جن چیزوں کی طرف تمہارا دل مائل ہوتا ہے ان کی لذت حاصل کرنے سے اپنے آپ کو منع نہ کرو، جس طرح عیسائیوں کے علماء اور راہبوں نے کھانے پینے کی عمدہ اور لذیذ چیزوں کو اور عورتوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور بعض نے اپنے آپ کو گرجوں میں مقید کرلیا اور بعض سیاحت کرنے لگے۔ سوائے مسلمانو! تم ان کی طرح حد سے نہ بڑھنا۔

اس مضمون کی قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

(آیت) "یایھا الذین امنوا کلوا من طیبات مارزقنا کم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون"۔ (البقرہ:۱۷۲)

ترجمہ: اے ایمان والو ان حلال چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

(آیت) "قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبت من الرزق" (الاعراف:۳۲)

ترجمہ: آپ کہئے کہ اللہ کی اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور حلال چیزوں کو (کس نے حرام کیا ہے؟)

عبادات اور معاملات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث

(آیت) "والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما"۔ (الفرقان:۶۷)

ترجمہ: اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو یہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا

خرچ کرنا میانہ روی سے ہوتا ہے۔

(آیت) "وات ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل ولاتبذر تبذیرا"۔ (بنواسرائیل:٢٦)

ترجمہ: اور (اے مخاطب) رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو اور بے جا خرچ نہ کرو۔

(آیت) "ولاتجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولاتبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا"۔ (بنواسرائیل:٢٩)

ترجمہ: اور اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ' اور نہ اس کو پوری طرح کھول دے کہ بیٹھا رہ ملامت زدہ' تھکا ہارا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج کے حجروں میں تین شخص آئے (ان میں حضرت علی بن ابی طالب ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ بھی تھے۔ [1]

اور انھوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب انھوں نے آپ کی عبادت کے معمول کے متعلق بتایا گیا' تو انھوں نے اس عبادت کو کم سمجھا اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)؟ آپ کے تو ہر اگلے اور پچھلے (بظاہر) ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ (مغفرت سے مراد آپ کے درجات کی بلندی ہے) تو ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا' تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف

١۔ (مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث:١٠٣٧٤)

لے آئے۔ آپ نے فرمایا تم وہ لوگ ہو' جنہوں نے اس اس طرح کہا ہے۔ سنو بہ خدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں' لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں' سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔ [1]

حضرت ابوجحیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداءؓ کو آپس میں بھائی بنایا۔ ایک حضرت سلمانؓ' حضرت ابوالدرداءؓ سے ملنے گئے تو انھوں نے حضرت ام الدرداءؓ کو پھٹے پرانے کپڑے پہنے دیکھا' انھوں نے کہا یہ آپ نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ انھوں نے کہا آپ کے بھائی ابوالدرداءؓ کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جب حضرت ابوالدرداءؓ آئے تو انھوں نے ان کے لیے کھانا تیار کیا' حضرت سلمانؓ نے کہا آپ بھی کھایئے۔ انھوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ حضرت سلمانؓ نے کہا جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے' میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ پھر حضرت ابوالدرداءؓ نے کھانا کھایا' جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداءؓ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا سو جائیں' وہ سو گئے' پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ انھوں نے پھر کہا۔ سو جائیں' جب رات کا آخری حصہ رہ گیا تو حضرت سلمانؓ نے کہا اب کھڑے ہوں۔ پھر دونوں نے نماز (تہجد) پڑھی' پھر حضرت سلمانؓ نے کہا آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے اور آپ کے اہل (بیوی) کا آپ پر حق ہے' ہر حقدار کو اس کا حق ادا کریں۔ حضرت ابوالدرداءؓ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے

۱۔ (صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ٥٠٦٣' مصنف عبدالرزاق' ج ٦' رقم الحدیث: ١٠٣٧٤)

فرمایا سلمانؓ نے سچ کہا۔ [1]

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے' اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا یہ فلاں عورت ہے' اس کی نمازوں کا بڑا چرچا ہے۔ آپ نے فرمایا چھوڑو' اتنا عمل کرو جو ہمیشہ کر سکو' بخدا اللہ اس وقت تک نہیں اکتاتا جب تم نہ اکتاؤ' اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر بندہ ہمیشگی کرے۔ [2]

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گھر میں داخل ہوئے تو دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ رسی کیسی ہے؟ تو بتایا یہ زینبؓ کی رسی ہے جب وہ (نماز میں) تھک جاتی ہیں تو اس رسی کے سہارے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا نہیں اس کو کھول دو' تم میں سے کوئی شخص جب تک خوشی سے نماز پڑھ سکتا ہے' پڑھے اور جب تھک جائے' تو بیٹھ جائے۔ [3]

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۶۸' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۲۱' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۰' سنن کبری للبیہقی' ج ۴' ص ۲۷۶)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۳' صحیح مسلم' مسافرین' ۲۲۱' (۷۸۵) ۱۸۰۳' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۴۱' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۰۵۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۲۳۸' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۴۲۹۹' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۶' ص ۵۱' طبع قدیم' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۲۶۰)

۳۔ (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۵۰' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۴۲)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خطبہ دے رہے تھے' اچانک ایک شخص کو (دھوپ میں) کھڑے ہوئے دیکھا' آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہؓ نے کہا یہ ابواسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا' بیٹھے گا نہیں' نہ سایہ میں آئے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور نہ روزہ رکھے گا۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس سے کہو کہ بات کرے' سایہ میں آئے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (۱)

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر بیت اللہ جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے سوچا کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے متعلق فتوی معلوم کروں' میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ حج کو جائے اور سوار ہو۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ اس کے پیدل چلنے سے مستغنی ہے' اس سے کہو سوار ہو۔ (۲)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیکھا' ایک بوڑھا شخص جو چل نہیں سکتا تھا' اسے اس کے دو بیٹے پکڑ کر چلا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ صحابہؓ نے کہا اس نے پیدل حج کرنے کہ کی نذر مانی تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے کہ یہ

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۷۰۴' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۰۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۳۶' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۰۲۹' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۶۸' طبع قدیم)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۶۶' صحیح مسلم' نذر' ۱۱' (۱۶۴۴) ۴۱۷۲' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۴۱' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۹۹' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۸۱۴)

اپنے نفس کو عذاب دے اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔ [1]

امام احمد بن حنبل ؒ متوفی ۲۴۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک لشکر میں گئے' ایک شخص ایک غار میں گیا جس میں پینے کے لیے پانی بھی تھا' اس شخص کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ اس غار میں رہے تو اس میں پانی بھی ہے اور اس کے اردگرد سبزیاں بھی ہیں' وہ دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد ہو کر اس غار میں رہ کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں۔

اگر آپ نے اجازت دے دی' تو میں اس غار میں رہوں گا' ورنہ نہیں رہوں گا۔ اس نے آپ سے عرض کیا یا نبی اللہ! میں ایک غار کے پاس سے گزرا اس میں زندگی بسر کرنے کے لیے پانی بھی ہے اور سبزیاں بھی ہیں' میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس غار میں رہوں اور دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد ہو جاؤں۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں مبعوث کیا گیا' میں ملت حنیفہ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں' جو بہت آسان ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اللہ کی راہ میں ایک صبح کرنا یا ایک شام گزارنا' دنیا و مافیہا سے بہتر ہے' اور تم میں سے کسی ایک شخص کا جہاد کے لیے صف میں کھڑے ہونا اس کی (تنہا) ساٹھ سال کی نمازوں سے

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۶۵' صحیح مسلم' نذر ۹' (۱۶۴۲) ۴۱۶۹' سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۰۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۴۲' سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۸۶۲' ۳۸۶۱' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۲۱۲۸' مسند ابویعلی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۵۳۲' صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۳۸۳' ابن الجارود' رقم الحدیث: ۹۳۹' سنن کبری للبیہقی' ج ۱۰' ص ۷۸)

بہتر ہے۔ [1]

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بلاشبہ دین آسان ہے جو شخص اس دین کو مشکل بنانے کی کوشش کرے گا' دین اس پر غالب آجائے گا۔ (الحدیث)۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو' مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ [3]

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(آیت) "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"۔ (البقرہ: ۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے' تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

ہر چند کہ اس آیت میں اللہ کے دیئے ہوئے حلال رزق سے کھانے کا ذکر ہے' لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو۔ اس میں کھانے پینے کے علاوہ لباس' مکان' سواری اور ازدواج کی نعمتیں شامل ہیں اور بالخصوص کھانے پینے کی نعمتوں کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ انسان کی اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ کھانے اور لباس میں لذائذ اور مرغوبات کے متعلق بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ ان کو ترک کرنا اور ان سے اعراض کرنا افضل ہے' تاکہ انسان نفسانی خواہشوں کا غلام نہ بن جائے

۱۔ (علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۲۱۹۲' طبع' دار الحدیث: قاہرہ۔ مسند احمد' ج ۵' ص ۲۶۶' طبع قدیم المعجم الکبیر للطبرانی' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۸۶۸' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۲۷۹)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

۳۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۲۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب اللہ نے انسان کو وسعت دی ہو تو اس کو توسع اختیار کرنا چاہیے۔ لذیذ کھانے، عمدہ لباس، خوبصورت مکان اور اعلیٰ درجہ کی سواریوں سے متمتع ہونا چاہیے اور اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے۔ اور حق داروں کے حقوق کو ادا کرتا رہے، تاہم توسط اور اعتدال زیادہ پسندیدہ ہے۔ کبھی مرغوبات نفسی سے حظ حاصل کرے اور کبھی نفس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے، تاکہ فقر اور غنا کے دونوں مرتبوں کا جامع ہو جائے۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گھر میں جو مل جاتا تھا وہ آپ کھا لیتے تھے۔ کبھی گوشت اور میٹھی چیزوں کی طرح عمدہ اور لذیذ طعام تناول فرماتے اور کبھی بہت سادہ کھانا کھاتے۔ آپ نمک، زیتون کے تیل یا سرکہ کے ساتھ جو کی روٹی کھا لیتے تھے۔ کبھی آپ بھوکے رہتے اور پیٹ پر دو دو پتھر باندھ لیتے اور کبھی سیر ہو کر کھانا تناول فرماتے۔ غرض آپ کی سیرت طیبہ میں تنگ دست اور خوش حال اور غنی اور فقیر سب کے لیے نمونہ ہے۔ آپ طعام سے زیادہ مشروبات کا اہتمام کرتے تھے اور آپ کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی بہت پسند تھا، اور آپ ہر حال میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ خرچ کم کرتے تھے اور نہ فضول خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

(آیت) "لینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتہ اللہ لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتھا"۔ (الطلاق:۷)

ترجمہ: صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ ہر شخص کو اس کے مطابق مکلف کرتا ہے جتنا اس کو دیا ہے۔

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ
بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ
مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ
اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ ﴾

تمہاری قسموں میں جو غیر ارادی ہیں، ان پر تو اللہ تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ لیکن جن قسموں کو تم نے پختہ کیا ہے، ان پر مواخذہ کرے گا۔ سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اس معیار کا جو تم عام طور پر اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنانا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ جو کوئی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جبکہ تم قسم کھا بیٹھو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے احکام کی وضاحت کرتا ہے، تاکہ تم اس کے شکر گزار رہو۔

مناسبت اور شان نزول

امام ابوجعفر محمد ابن جریرؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ (المائدہ: ۸۷) تو جن مسلمانوں نے اپنے اوپر عورتوں اور گوشت کو حرام کر لیا تھا انھوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب ہماری ان قسموں کا کیا ہوگا جو ہم کھا چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اللہ تعالیٰ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ (الآیہ)۔ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں عورتوں نے گوشت اور رات کی نیند ترک کرنے کی قسمیں کھائی تھیں' اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان پر کفارہ لازم کر دیا' یعنی وہ قسم توڑیں اور کفارہ ادا کریں۔

یمین کا لغوی اور اصطلاحی معنی

یمین کے از روئے لغت تین معنی ہیں۔ (۱) قوت' (۲) داہنا ہاتھ (۳) قسم۔

یمین بہ معنی قوت اس آیت میں ہے:

(آیت) "ولو تقول علینا بعض الاقاویل، لاخذنا منہ بالیمین"۔ (الحاقہ: ۴۵۔۴۴)

ترجمہ: اور اگر وہ (رسول) کوئی بھی بات ہم پر بنا کر اپنی طرف سے کہتے تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے۔

۱۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۱۹۔۱۸' مطبوعہ ۱۴۱۵ھ)

یمین کا معنی داہنا ہاتھ بھی اس وجہ سے ہے کہ اس میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔ یمین بہ معنی دایاں ہاتھ اس آیت میں ہے:

(آیت) "واما ان کان من اصحب الیمین، فسلم لک من اصحب الیمین"۔ (الواقعہ:۹۱۔۹۰)

ترجمہ: اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں سے ہو (تو اس سے کہا جائے گا) تجھ پر سلام ہو (تو) دائیں طرف والوں سے ہے۔

یمین کا تیسرا معنی قسم ہے جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اور قسم پر یمین کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے کے لیے حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ نیز قسم کے ذریعہ سے قسم کھانے والا اپنے کلام کو قوی اور موکد کرتا ہے۔

قسم کھانے کا جواز اور مشروعیت

قسم کھانا مشروع ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی قسم کھائی ہے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے کی یہ چند مثالیں ہیں:

(آیت) "والنجم اذا ھوی"۔ (النجم:۱)

ترجمہ روشن ستارے کی قسم جب وہ غروب ہوا۔

(آیت) "لا اقسم بھذا البلد"۔ (البلد:۱)

ترجمہ: میں اس شہر کی قسم فرماتا ہوں۔

(آیت) "والشّمس وضحھا"۔ (الشّمس:۱)

ترجمہ: سورج اور اس کی چمک کی قسم۔

(آیت) "والضحی واللیل اذا سجی"۔ (الضحی: ۲۔۱)

ترجمہ: چاشت کی قسم اور رات کی قسم جب وہ (تاریکی کا) پردہ ڈالے۔

اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان آیات میں قسم کھانے کا حکم دیا ہے:

(آیت) "ویستنبؤنک احق ھو قل ای وربی انہ لحق وما انتم بمعجزین"۔ یونس: ۵۳)

ترجمہ: اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا واقعی وہ (دائمی عذاب) برحق ہے؟ آپ کہئے ہاں میرے رب کی قسم وہ برحق ہے اور تم (میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

(آیت) "قال الذین کفروا لا تاتینا الساعۃ قل بلی وربی لتاتینکم عالم الغیب"۔ (سبا: ۳)

ترجمہ: اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہئے میرے رب عالم الغیب کی قسم وہ ضرور تم پر آئے گی۔

(آیت) "زعم الذین کفروا ان لن یبعثوا قل بلی وربی لتبعثن"۔ (التغابن: ۷)

ترجمہ: کافروں نے اپنے فاسد گمان سے کہا: وہ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے' آپ کہئے کیوں نہیں! میرے رب کی قسم: تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

احادیث میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئے اور آپ سے سواری طلب کی۔ آپ نے فرمایا تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس سواری نہیں ہے۔ خدا کی

قسم میں تم کو سوار نہیں کروں گا' پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہماری طرف چتکبرے کوہان والے تین اونٹ بھیجے۔ ہم نے کہا ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سواری طلب کرنے گئے تھے تو آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہم کو سواری نہیں دیں گے' ہم نے آپ کے پاس جا کر آپ کو اس قسم کی خبر دی' آپ نے فرمایا میں جب بھی کسی چیز کی قسم کھاتا ہوں پھر اس کے غیر کو بہتر سمجھتا ہوں تو میں وہی کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔ [1]

جھوٹ کا خدشہ نہ ہو تو زیادہ قسمیں کھانے کا جواز:

فقہاء کے نزدیک ہر چند کہ قسم کھانا مباح ہے لیکن کثرت قسم کھانا مکروہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ قسم کھانے کی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(آیت) "۔ولا تطع کل حلاف مھین"۔ (القلم: ۱۰)

ترجمہ: اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا' انتہائی ذلیل ہے۔

لیکن اگر بہ افراط قسمیں نہ کھائی جائیں تو پھر قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بلا کراہت جائز ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قسم کھانا مطلقا مکروہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم"۔ (البقرہ: ۲۲۴)

ترجمہ: اور اللہ (کے نام) کو تم اپنی قسموں کے لیے بہانہ نہ بناؤ۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بہت قسم کھاتے تھے' بعض اوقات ایک حدیث میں کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

۱۔ (صحیح مسلم' الایمان' ۱۰ (۱۶۴۹)، ۴۱۹، صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۳۸۵' ج ۷' رقم الحدیث: ۷۵۵۵' سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۷۸۰' مسند احمد' ج ۷' رقم الحدیث: ۱۹۵۳۶)

آپ نے خطبہ کسوف میں فرمایا اے محمد کی امت اللہ کی قسم اللہ سے زیادہ اس پر کوئی غیرت دار نہیں ہے کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے' اے امت محمد اللہ کی قسم اگر تم وہ چیزیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ۔ [1]

آپ نے ترک دنیا کو ارادہ کرنے والے صحابہؓ سے فرمایا سنو: خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں' لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ [2]

آپ نے ابو طالب سے اس کے مرتے وقت فرمایا سنو اللہ کی قسم میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے تمہاری استغفار سے منع نہ کیا جائے۔ [3]

عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا' اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا' اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا۔ پھر فرمایا انشاء اللہ۔ [4]

اس ایک حدیث میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین بار قسم کھائی ہے۔

اور بہ افراط قسمیں کھانا اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں یہ خدشہ ہے کہ انسان کسی جھوٹ پر اللہ کی قسم کھالے اور مانعین نے جو آیت پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کی دلیل نہیں ہے' کیونکہ

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۱ رقم الحدیث: ۱۰۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۶ رقم الحدیث: ۵۰۶۳)

۳۔ (صحیح البخاری' ج ۲ رقم الحدیث: ۱۳۶۰)

۴۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۸۵)

پوری آیت اس طرح ہے:

(آیت) "ولاتجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس"۔(البقرہ:۲۲۴)

ترجمہ: اور اللہ (کے نام) کو تم اپنی قسموں کے لیے بہانہ نہ بناؤ جن سے مقصد نیکی' خدا خوفی اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے باز رہنا ہو۔

یعنی کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ نیکی نہیں کرے گا' خدا خوفی نہیں کرے گا اور لوگوں کے درمیان صلح نہیں کرائے گا' پھر اور نیک کاموں سے یہ کہہ کر باز رہے کہ میں تو یہ کام کرنے کی قسم کھا چکا ہوں' سوائے اس شخص پر لازم ہے کہ وہ نیکی کر کے قسم توڑنے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے کسی چیز کی قسم کھائی پھر وہ اس چیز کے خلاف کرنے کو بہتر جانے تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔[1]

اپنا حق ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے متعلق فقہاء کے نظریات

جب حاکم کے سامنے اپنے حقوق پر قسم کھانی ہو تو اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنا حق ترک کر دیا جائے اور قسم نہ کھائی جائے اور یہ اولی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اپنے حق پر قسم کھانا جائز ہے۔ پہلی رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت مقدادؓ میں اس رقم کے متعلق اختلاف تھا' جو حضرت عثمانؓ سے قرض لی تھی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ کے پاس گواہ نہیں تھے' اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت مقدادؓ پر قسم لازم کی۔ حضرت مقدادؓ نے حضرت عثمانؓ پر قسم لوٹا دی۔ حضرت عثمانؓ نے قسم کھانے کی بجائے ان کے قول کے مطابق رقم لے لی اور خود قسم نہیں کھائی۔ اور فرمایا: میں

۱۔ (صحیح مسلم' ایمان' ۱۱' (۱۶۵۰) ۴۱۹۲)

نہیں چاہتا کہ مقداد پر کوئی مصیبت آئے اور یہ کہے کہ یہ مصیبت عثمانؓ کی قسم کی وجہ سے آئی ہے۔ سو دونوں صحابہ نے قسم پر اپنا حق چھوڑنے کو ترجیح دی' اور دوسرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ محمد بن کعب القرظیؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھا۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! قسم کھانے کی وجہ سے اپنے حقوق نہ چھوڑنا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے بیشک میرے ہاتھ میں عصا ہے' اور عمر بن شبہؒ نے کتاب قضاۃ البصرۃ میں اپنی سند کے ساتھ شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابیؓ نے ایک کھجور کے درخت کے متعلق حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ کا اس درخت پر دعوی تھا' تو حضرت عمرؓ پر قسم آئی۔ حضرت زیدؓ نے کہا تم امیر المومنین سے قسم کو معاف کردو' حضرت عمرؓ نے فرمایا امیر المومنین کو کیوں معاف کیا جائے؟ اگر مجھے معلوم ہو کہ کسی چیز پر میرا حق ہے اور قسم کھانے سے مجھے وہ حق مل جائے گا تو میں ضرور قسم کھاؤں گا ورنہ میں قسم کو ترک کردوں گا' اور اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے یہ کھجور کا درخت میرا درخت ہے اور اس پر ابی کا کوئی حق نہیں ہے۔ جب وہ دونوں عدالت سے نکلے تو حضرت عمرؓ نے وہ درخت ابی کو بخش دیا۔ ان سے کہا گیا اے امیر المومنین! آپ نے قسم کھانے سے پہلے ابی کو درخت کیوں نہیں دیا' حضرت عمرؓ نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں نے قسم نہیں کھائی تو لوگ میرے بعد اپنے حقوق پر قسم نہیں کھائیں گے اور یہی طریقہ مقرر ہو جائے گا' اور یہ حق پر سچی قسم ہے تو جس طرح یہ قسم حاکم کے علاوہ دوسرے کے سامنے کھانا جائز ہے' وہ حاکم کے سامنے بھی جائز ہے۔ [1]

۱۔ (المغنی ج ۹' ص ۳۸۹۔۳۸۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۰۵ھ)

قسم کھانے کا طریقہ

قسم اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی کھائی جاتی ہے۔ مثلاً اس طرح قسم کھائے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' یا اس ذات کی قسم جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس طرح قسم کھاتے تھے' اس ذات کی قسم محمد کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مثلاً یہ ہیں اللہ' رحمن' رحیم' خالق' باری' رزاق' رب' وغیرہ۔ ان اسماء کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے اور اللہ کی صفات یہ ہیں' اللہ کی عظمت اللہ کا جلال' اللہ کی قدرت' اللہ کا علم' اللہ کا کلام وغیرہ' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یوں قسم کھاتے "لا ومقلب القلوب" دلوں کے پلٹنے والے کی قسم۔ [1]

اگر کسی شخص نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں' اس میں اگر وہ قسم کی نیت کرے گا تو قسم ہے' ورنہ نہیں۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ سواروں کی ایک جماعت میں اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو ندا کر کے فرمایا: سنو اللہ تمہیں تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ سو جس شخص نے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔ [2]

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۷۳۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۹۲)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۱۰۸' صحیح مسلم الایمان' ۳' (۱۶۴۶) ۴۱۷۸)

غیر اللہ کی قسم سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور حقیقی تعظیم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے' اس لیے غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہ نہیں کیا جائے گا۔ نیز جس کی قسم کھائی جائے اس کو گواہ بنایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی یہ شان نہیں کہ وہ ہر وقت ہر چیز پر گواہ ہو۔ اس لیے اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا اگر میں سو مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اس کو توڑ دوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایک بار غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کروں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے۔ مثلاً فرمایا: (آیت) "والطور:۱) پہاڑ طور کی قسم"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکم کا پابند نہیں ہے۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے' جو چاہے کرے' اس پر کوئی سوال یا اعتراض نہیں ہے اور پہاڑ طور' درخت انجیر وغیرہ کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی فضیلت ظاہر کی ہے۔ نیز یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی ذات پر گواہ ہیں۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی ؒ متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں

کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہاں کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے' اور عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے' اور ہمارے زمانہ میں فقہاء نے اسی پر فتوی دیا ہے اور حدیث میں ممانعت اس پر محمول ہے جب اس قصد سے غیر اللہ کی قسم کھائے کہ اگر قسم پوری نہیں کی تو وہ حانث ہوگا اور اس کا کفارہ ادا کرے گا' اور جب یہ قصد نہ ہو تو پھر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے' جیسے کوئی کہے کہ تمہارے باپ کی قسم! یا تمہاری زندگی کی قسم۔ [1]

۱۔ (درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۳ ص ٤٦ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت ۱٤۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفیؒ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں چونکہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کرنے میں تساہل برتتے ہیں' اس لیے لوگ تاکید اور توثیق کے لیے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تم طلاق کی قسم کھاؤ مثلاً اگر میں نے فلاں کو فلاں کام نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق' توثیق کے حصول کے لیے طلاق کی قسم کھائی جاتی ہے۔ اس میں حرف قسم نہیں ہوتا' اور کبھی حرف قسم کے ساتھ باپ یا زندگی کی قسم کھائی جاتی ہے اس لیے توثیق مطلوب نہیں ہوتی' اور نہ اس میں قسم پوری نہ کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ جس کی قسم کھائی جائے صرف اس کے ساتھ تعلق اور محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے' اور اگر طلب توثیق کے لیے حرف قسم کے ساتھ غیر اللہ کی قسم کھائی جائے تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے' کیونکہ میں غیر اللہ کو تعظیم میں اللہ کے ساتھ مشابہ کرنا ہے۔ [1]

یمین لغو کی تعریف

ازہری نے کہا ہے: کہ لغو کے کلام عرب میں دو معنی ہیں۔ ایک معنی بے فائدہ اور باطل کلام جس سے کوئی عقد نہ کیا جائے۔ دوسرا معنی ہے فحش اور بے ہودہ کلام' جو گناہ کا موجب ہو۔ قرآن مجید میں ہے

(آیت) "لا یسمعون فیھا لغوا الا سلما"۔ (مریم: ٦٢)

ترجمہ: وہ جنت میں کوئی فضول اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے بجز سلام کے۔

علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن علی شیرازی شافعیؒ متوفی ٤٥٥ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا ارادہ قسم کھانے کا نہ ہو اور بلا قصد اس کی زبان پر قسم کے الفاظ آجائیں' یا وہ شخص کسی چیز پر قسم کھانے کا ارادہ کرے اور اس کی زبان سے کوئی چیز نکل جائے تو یہ یمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ

۱۔ (درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۳ ص ٤٧ ـ ٤٦' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت ١٤٠٧ھ)

تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور حضرت ابن عمرؓ' ابن عباس اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کہے' نہیں' خدا کی قسم! ہاں خدا کی قسم اور جو چیز زبان پر بلا قصد آجائے اس میں مواخذہ نہیں ہوتا' جیسے سبقت لسان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ (۱)

علامہ ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسیؒ متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کو گمان ہو کہ یقینی طور پر فلاں واقعہ ہوا اور وہ اس پر قسم کھالے اور درحقیقت واقعہ اس کے خلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ ہے۔ (۲)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلیؒ متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص اپنے گمان کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور وہ اس کے گماں کے مطابق نہ ہو تو یہ یمین لغو ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت ابو مالکؓ' حضرت زرارہ بن اوفیؓ کا یہ نظریہ ہے۔ حسن بصریؒ' نخعیؒ' امام مالکؒ' امام ابوحنیفہؒ' امام اوزاعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے کہا اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے۔ امام احمدؒ سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ (۳)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفیؒ ۵۹۳ لکھتے ہیں:

ایک شخص ماضی کے کسی واقعہ پر قسم کھائے اور اس کے گمان میں وہ واقعہ اسی طرح ہو اور درحقیقت واقعہ

۱

۲۔ (بدایۃ المجتہد' ج۱ ص۲۹۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

۳۔ (المغنی ج۹ ص۳۹۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اس کے برخلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے مواخذہ نہیں فرمائے گا اور ایک شخص کے متعلق قسم کھائے کہ یہ زید ہے اور اس کا یہی گمان ہو اور وہ درحقیقت عمرو ہو تو یہ بھی یمین لغو ہے۔ [1]

یمین منعقدہ کی تعریف

مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے تو یہ یمین منعقدہ ہے۔ اس قسم کو پورا کرنا لازم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ (المائدہ: ۸۹) اور جب اس قسم کو توڑ دے تو اس کا کفارہ دینا لازم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اللہ تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے۔ الآیہ (المائدہ: ۸۹) اس قسم میں کفارہ بالاتفاق مقرر ہے' خواہ کسی طاعت پر قسم کھائی ہو یا کسی معصیت پر' لیکن اگر اس نے کسی معصیت پر قسم کھائی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ معصیت نہ کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہے' خواہ اس نے عمداً قسم توڑی ہو' یا بھول کر' یا خطا سے' یا جبر سے' کیونکہ قرآن مجید نے قسم توڑنے پر مطلقاً کفارہ لازم کیا ہے اور اس میں عمد اور نسیان کا فرق نہیں کیا۔ [2]

امام شافعی اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نسیان' خطا یا جبر سے قسم توڑ دی' تو اس پر کفارہ نہیں

۱۔ (ھدایہ اولین' ص ۴۷۹۔۴۷۸' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

۲۔ (بدایۃ المجتہد' ج ۱ ص ۳۰۴' بدائع الصنائع' ج ۳' ص ۱۷)

ہے۔[1]

امام شافعی اور امام احمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میری امت سے خطا نسیان اور جبر سے مواخذہ اٹھالیا گیا ہے۔[2]

یمین غموس کی تعریف

ماضی یا حال کے کسی واقعہ پر عمداً جھوٹی قسم کھائی جائے تو یہ یمین غموس ہے اور اس کا ارتکاب پر جھوٹی قسم کھانے والا عذاب کا مستحق ہوگا۔ اس میں کفارہ نہیں ہے اس پر توبہ لازم ہے' کیونکہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ پر توبہ لازم ہے۔ فقہاء احناف' فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ کا یہی مذہب ہے۔[3]

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے قسم کھائی اور وہ اس میں جھوٹا تھا تاکہ کسی مسلمان شخص کے مال کو حاصل کرے تو اللہ اس پر جنت کو حرام کردے گا اور اس کو دوزخ میں داخل کردے گا۔[4]

حضرت عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے

۱۔ (المہذب' ج۲ ص۱۲۸' المغنی' ج۹' ص۳۹۱)

۲۔ (المعجم الاوسط' ج۹' رقم الحدیث: ۸۲۶۹' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

۳۔ (بدائع الصنائع' ج۳ ص۱۵' ۳' الشرح الکبیر علی ھامش الدسوقی' ج۲' ص۱۲۸' المغنی ج۹ ص۳۹۲)

۴۔ (صحیح مسلم' ایمان ۲۱۸' (۱۳۷) ۳۴۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۳۲۴' سنن الدارمی' رقم الحدیث: ۲۵۰۵' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۵۰۸۷' مسند احمد' ج۵' ص۲۶۰' سنن کبریٰ' ج۱۰' ص۱۷۹)

جھوٹی قسم کھا کر کوئی فیصلہ کروایا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ [1]

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا گناہ کبیرہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا یا فرمایا: یمین غموس (جھوٹی قسم) اور شعبہ کہتے ہیں آپ نے فرمایا: کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا' یمین غموس' ماں باپ کی نافرمانی کرنا یا فرمایا کسی کو قتل کرنا۔ [2]

امام شافعی کے نزدیک یمین غموس میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور یمین غموس میں جھوٹ کا گناہ کفارہ سے ساقط ہو جاتا ہے' جیسے یمین منعقدہ میں قسم توڑنے کا گناہ کفارہ سے ساقط ہوتا ہے۔ [3]

کفارہ قسم کی مشروعیت

کفارہ کا لفظ کفر سے مشتق ہے' کفر کا معنی ہے ستر اور ڈھانپنا۔ سو توڑنے کی وجہ سے جس گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے کفارہ اس گناہ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ کفارہ کی مشروعیت سورہ مائدہ کی زیر تفسیر آیت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھروں کو کھلاتے ہو' یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی

۱۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۲۴۲' مسند احمد ج ۴' ص ۴۴۱۔۴۳۶)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۶۸۷۰' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۳۲' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۰۲۲' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۵۵۶۲' مسند احمد' ج ۲' ص ۶۹۰۱)

۳۔ (المہذب' ج ۲' ص ۱۲۸)

حفاظت کرو (المائدہ:۸۹) اور حسب ذیل حدیث سے بھی کفارہ کی مشروعیت ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی، پھر وہ اس کے خلاف کرنے کو بہتر جانے تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔ [۱]

کفارہ قسم کے احکام میں مذاہب ائمہ

قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ کفارہ قسم میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یا ان کو کپڑے پہنانا ہے اور یا غلام آزاد کرنا ہے، اور جو شخص ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

فقہاء احناف کے نزدیک کھانا کھلانے سے مراد یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا پیش کر دیا جائے اور ان کو کھانے کی اجازت دی جائے، اس کو اصطلاح میں اباحت کہتے ہیں۔ اس سے مراد ان کو اس کھانے کا مالک بنانا نہیں ہے، اور باقی فقہاء کے نزدیک اس طعام کا مالک بنانا ضروری ہے۔ کھانے کی مقدار میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہر مسکین کو ایک کلوگرام گندم دی جائے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر مسکین کو دو کلو گندم یا چار کلو کھجور یا جو دیئے جائیں یا ان کی قیمت دی جائے۔

اگر ایک مسکین کو دس روز صبح و شام کھانا کھلایا جائے یا دس دن تک ہر روز اس کو دو کلو گندم یا اس کی قیمت دی جائے تو یہ جائز ہے، لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں بیک وقت دس آدمیوں کا کھانا دے دیا

۱۔ (صحیح مسلم، ایمان، ۱۱، (۱۶۵۰) ۴۱۹۲)

جائے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دس مسکینوں کی بھوک مٹانے کا حکم دیا ہے' خواہ بیک وقت یا دس دنوں میں اور یہ مقصود اس صورت میں حاصل نہیں ہوگا۔ جن مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے وہ مسلمان ہوں۔ فقہاء احناف کے نزدیک ذمی کو بھی کھانا کھلایا جاسکتا ہے' اور باقی فقہاء کے نزدیک کافر کو قسم کا کفارہ کھلانا جائز نہیں ہے۔

اگر کفارہ میں کپڑے دیئے جائیں تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی ان کا مالک بنانا ضروری ہے' بخلاف کھانا کھلانے کے کیونکہ اس سے مقصود بھوک کو مٹانا ہے اور وہ فقط کھانے کی اجازت سے بھی مٹ جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اتنا کپڑا ہونا چاہیے جس سے عام بدن چھپ جائے اور امام احمدؒ کے نزدیک جتنی مقدار سے نماز جائز ہو جائے اور امام مالکؒ کے نزدیک جتنے کپڑے سے تمام بدن چھپ جائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک کپڑے کا اطلاق دو چادروں پر ہوتا ہے' یہ مقدار ضروری ہے' ورنہ مردوں کو قمیص' شلوار اور ٹوپی دی جائے اور عورتوں کو قمیص' شلوار اور دوپٹہ۔

اس دور میں غلامی کا رواج ختم ہو گیا ہے' اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ضابطہ یہ ہے کہ ایسا غلام آزاد کیا جائے جو کامل الاعضاء ہو اور عیب دار نہ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ غلام عام ہے' مومن ہو یا کافر' کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقا فرمایا (آیت) "او تحریر رقبۃ" (المائدہ: ۸۹) اور اس کو کسی قید سے مقید نہیں کیا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے' کیونکہ کفارہ قتل خطا میں فرمایا ہے۔ (آیت) "او تحریر رقبۃ مؤمنۃ" (النساء: ۹۲) ائمہ ثلاثہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید دو الگ الگ احکام میں ذکر

کیے جائیں تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاتا اور جس حکم میں کوئی چیز مطلق ذکر کی گئی ہے وہاں اس کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا' اور جہاں اس کو مقید ذکر کیا ہے وہاں اس پر عمل ہوگا۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر قسم توڑنے والا دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا ان کو کپڑے پہنانے یا غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو' تو وہ تین دن کے روزے رکھے گا۔ امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ضروری نہیں ہے لیکن اگر اس نے لگاتار تین دن کے روزے رکھے تو یہ مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے (آیت) "فصیام ثلاثۃ ایام" (المائدہ :۸۹) اور امام ابوحنیفہ اور امام احمدؒ کے نزدیک لگاتار تین روزے رکھنا ضروری ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی قرات میں ہے "فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات"۔ ہر چند کہ یہ قرات متواتر نہیں ہے' لیکن یہ آیت خبر واحد اور آپ سے روایت کے درجہ میں ہے اور خبر واحد حجت ہوتی ہے اور اس سے قرآن کے کسی حکم میں زیادتی ہوسکتی ہے۔ جس طرح عمداً روزہ توڑنے کے کفارہ میں جو ساٹھ روزے لگاتار رکھے جاتے ہیں ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور ان کا لگاتار رکھنا صرف حدیث سے ثابت ہے۔ سو اسی طرح اس کا حکم ہے۔ [1]

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ

۱۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد' ج ٤' ص ١٩٥' المہذب' ج ٢' ص ١٤٢' بدایۃ المجتہد' ج ٢' ص ١٠٧' ١٠٥' ردالمحتار' ج ٣' ص ٦٢۔٦٠' فتح القدیر' ج ٥' ص ٩١۔٧٥)

تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ وَیَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَہُوۡنَ ﴿۹۱﴾

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں، شیطان کے کاموں میں سے ہیں لہٰذا تم ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۹۰) شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟۔ (۹۱)

شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر

امام احمدؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے تو لوگوں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان دونوں چیزوں کے بارے میں دریافت کیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (آیت) "یسئلونک عن الخمر والمیسر"۔ (الخ) تو لوگوں نے کہا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر ان چیزوں کو حرام نہیں، بلکہ بڑے گناہ کو بیان کیا، چنانچہ حسب سابق سب لوگ شراب پیتے رہے، اسی دوران ایک

دن مہاجرین میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی تو قرأت میں گڑبڑ کی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس سخت حکم نازل فرمایا کہ (آیت) "یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر "۔تا منتھون"۔اس آیت کے نزول پر صحابہ کرامؓ بولے، اے ہمارے پروردگار ہم باز آ گئے، اس کے بعد کچھ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس حرمت سے پہلے بہت حضرات شہید ہو گئے اور اپنے بستروں پر انتقال فرما گئے اور وہ شراب بھی پیتے تھے اور جوئے کا مال بھی کھاتے تھے اور اب اس کو اللہ تعالیٰ نے گندی باتیں شیطانی کام فرما دیا ہے۔(تو اس کا معاملہ کیا ہوگا)

خمر: انگور کا کچھ شیرہ' جو پڑے پڑے سڑ کر بدبودار ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ نشہ آور ہو جاتا ہے' اس کو خمر کہتے ہیں۔خمر کا معنی ہے ڈھانپنا اور نشہ انسان کی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔

میسر: ہر وہ عقد جس کی رو سے ہارنے والا جیتنے والے کو ایک معین اور پہلے سے طے شدہ رقم ادا کرنے' اس کو میسر کہتے ہیں۔میسر یسر سے بنا ہے' اور جوئے کے ذریعے جیتنے والے فریق کو ہارنے والے فریق کی رقم آسانی سے مل جاتی ہے۔اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں۔

ازلام: تیروں کی ہیئت کی پتلی پتلی لکڑیاں' ان سے زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال اور شگون معلوم کرتے تھے اور فال نکالتے تھے۔

انصاب: بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر جن کی عبادت کی جاتی تھی اور بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔[1]

رجس: جو چیز حسا یا معنا گندی اور ناپاک ہو' انسان کی طبیعت اس سے گھن کھائے یا عقل اس کو برا جانے یا

۱۔(المفردات' ج۲' ص۶۳۸)

شریعت نے اس کو ناپاک قرار دیا ہو۔

شراب کی تحریم کے متعلق احادیث

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس ؒ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ آئے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے۔ مسلمانوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہئے کہ اس میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (وقتی) فائدہ ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے زیادہ بڑا ہے۔ (البقرہ: ۲۱۹) تو لوگوں نے کہا اس میں ہمارے لیے رخصت ہے' ہم شراب پئیں گے اور جوا کھیلیں گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں گے حتی کہ ایک شخص نے سورہ کافرون کی پہلی اس طرح پڑھی " قل یایھا الکفرون اعبد ما تعبدون"۔ آپ کہئے کہ اے کافرو! میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو پتا نہیں چلا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! تم نماز کے قریب مت جاؤ درآنحالیکہ تم نشہ میں ہو۔ (النساء: ۴۳) پھر بھی شراب پیتے رہے اور جب نماز کا وقت آتا تو شراب پینا چھوڑ دیتے اور اس وقت نماز پڑھتے جب انھیں علم ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں وہ اسی معمول پر برقرار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ کیا تم باز آنے والے ہو تو مسلمانوں نے کہا اے رب' ہم باز آ گئے۔ [1]

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۴۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ میری وجہ سے کئی آیات نازل ہوئی ہیں' ایک (لقمان: ۱۵) ہے۔ دوسری (انفال: ۱) ہے۔ (اور ایک یہ آیت ہے اس کی تفصیل یہ ہے) میں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے پاس گیا' انھوں نے کہا چلو ہم تمہیں کچھ کھلائیں اور شراب پلائیں اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے' میں ان کے ساتھ باغ میں گیا۔ وہاں ان کے پاس ایک اونٹ کا بھنا ہوا سر تھا' اور ایک مشک میں شراب تھی۔ میں نے اس میں سے کھایا اور شراب پی' پھر ان کے درمیان مہاجرین اور انصار کا ذکر چھڑ گیا۔ میں نے کہا مہاجرین انصار سے زیادہ اچھے ہیں' ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی میری ناک پر ماری جس سے میری ناک زخمی ہوگئی' میں نے جا کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس واقعہ کی خبر دی' تب اللہ تعالیٰ عزوجل نے میری وجہ سے شراب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں'۔ (الآیہ)۔ [1]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم مجلس شراب میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے' اس وقت شراب حلال تھی' اچانک میں اٹھا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام پیش کیا' اور اس وقت شراب کی تحریم کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں'۔ (المائدہ: ۹۰)

اور اس کے آخر میں تھا' کیا تم باز آنے والے ہو؟ میں اپنے اصحاب کے پاس گیا اور ان پر یہ دو آیتیں

۱۔ (صحیح مسلم' فضائل الصحابہ' ۴۳' (۴۸' (۱۷۴۸) ۶۱۲۱' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵۶۷۔ ۱۶۱۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۲۸۵)

پڑھیں۔ بعض کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا جس سے انھوں نے شراب پی لی تھی اور بعض کی شراب برتن میں تھی' انھوں نے گلاس سے شراب انڈیل دی اور برتن کی شراب بہادی اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔ اے ہمارے رب' ہم باز آ گئے۔ [1]

خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء

قرآن مجید' احادیث متواترہ اور اجماع فقہاء سے خمر حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حقیقت میں خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں' جو پڑے پڑے سڑ کر جھاگ چھوڑ دے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں لغت میں خمر کا یہی معنی ہے اور یہی حقیقت ہے۔ البتہ' مجازاً ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا جاتا ہے۔ احادیث اور آثار میں جہاں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا گیا ہے وہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کے برعکس ائمہ ثلاثہؒ یہ کہتے ہیں کہ خمر کا معنی ڈھانپنا ہے۔ شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہر نشہ آور مشروب حقیقتاً خمر ہے۔ اب ہم لغت کے حوالوں سے خمر کا معنی بیان کرتے ہیں۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو' کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ابوحنیفہ دینوریؒ نے کہا ہے کہ دانوں سے جو شراب بنائی جاتی ہے' اس کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہؒ نے کہا میرے گمان میں یہ علامہ دینوری کا تسامح ہے کیونکہ خمر کی حقیقت انگور ہیں' نہ کہ دوسری اشیاء اور عرب انگوروں کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہؒ نے کہا میرے گمان میں انگوروں کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ خمر انگوروں سے بنائی جاتی ہے۔ ابوحنیفہ دینوریؒ نے اس قول کی حکایت کی ہے اور کہا: کہ یہ یمن کی لغت ہے۔ نیز انھوں نے کہا

۱۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۴۷' المستدرک' ج ۱' ص ۱۴۱' السنن الکبریٰ' ج ۸' ص ۲۸۶۔۲۸۵)

کہ قرآن مجید میں ہے آ "انی ارانی اعصر خمرا" میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر نچوڑ رہا ہوں یہاں خمر سے مراد انگور ہیں۔ ابن عرفہ نے کہا کہ خمر نچوڑنے کا معنی ہے انگور نچوڑ کر خمر حاصل کرنا اور جب انگوڑ نچوڑ لیے جائیں تو اس سے خمر حاصل ہوتی ہے' اس لیے اس نے کہا میں خمر نچوڑ رہا ہوں۔ ابوحنیفہؒ نے بعض راویوں سے نقل کیا کہ انھوں نے یمن کے ایک شخص کو دیکھا جو انگور اٹھائے جا رہا تھا، انھوں نے اس سے پوچھا تم نے کیا اٹھایا ہوا ہے؟ اس نے کہا خمر' سو اس نے انگوروں پر خمر کا طلاق کیا۔ [1]

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفیؒ ۵۹۳ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک خمر کی تعریف یہ ہے' انگور کا کچا پانی جب نشہ آور ہو جائے۔ اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک بھی خمر کا یہی معنی معروف ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں' کیونکہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔ [2]

اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث ہے خمر ان دو درختوں سے (بنائی جاتی) ہے یہ فرما کر آپ نے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔ [3]

خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب مطلقا حرام ہے' خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل' اور امام ابوحنیفہؒ

۱۔ (لسان العرب' ج ٤' ص ٢٥٥' مطبوعہ ایران' تاج العروس' ص ١٨٧۔١٨٦' مطبوعہ مطبعہ خیریہ' مصر' اقرب الموارد' ج ١ ص ٣٠١' مطبوعہ ایران)

۲۔ (صحیح مسلم الاشربۃ' ٦٧' (٢٠٠١) ٥١١٣' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ٢٣٢' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٣٦٨٢' سنن النسائی' رقم الحدیث: ٥٥٩٢)

۳۔ (صحیح مسلم' الاشربۃ' ١٣' (١٩٨٥)، ٥٠٥٠' ابوداؤد' رقم الحدیث: ٣٦٧٨' سنن النسائی' رقم الحدیث: ٥٥٧٤۔٥٥٧٣۔٥٥٧٢)

ؒ کے نزدیک خمر تو مطلقا حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں' اس مقدار میں حرام ہیں اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس' اور ان کا پینا حلال ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ان احادیث سے ہے:

امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائیؒ متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر' اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔ [1]

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو' اس کی قلیل مقدار کے جائز ہونے پر فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب نبیذ میں شدت اور حدت ہو اور وہ اس شدت کی بناء پر نشہ آور ہو' اس نبیذ میں پانی ملا کر اس کی شدت کو کم کر کے اور اس کی حدت کو توڑ کر پینا جائز ہے' اور یہ عمل خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور بہ کثرت صحابہؓ اور فقہاء تابعینؒ سے ثابت ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانیؒ متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

ابراہیم نخعیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک نشہ میں مدہوش اعرابی لایا گیا' حضرت عمرؓ نے اس سے عذر طلب کیا۔ جب وہ اپنی مدہوشی کی وجہ سے کچھ نہ بتا سکا تو آپ نے فرمایا اس کو باندھ دو' جب اس کو ہوش آ جائے تو اس کو کوڑے لگا دینا' پھر حضرت عمرؓ نے اس اعرابی کے مشکیزہ میں بچے ہوئے

۱۔ (سنن النسائی: ج ۸' رقم الحدیث: ۵۷۰۲۔۵۷۰۱۔۵۶۹۹' سنن کبری ج ۸' ص ۲۹۷' کتاب الاثار لابی یوسف' ص ۲۲۸' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۵' ص ۸' سنن دارقطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۱۱۹' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۰۸۴۰۔۱۰۸۴۰۔۱۰۸۳۷۔۱۰۸۳۷' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۲۶۳۳۔۱۲۳۸۹' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۵۳)

مشروب کو منگوایا' پھر آپ نے اس کو چکھا تو وہ بہت تیز اور سخت تلخ نبیذ تھا' آپ نے پانی منگوا کر اس کی شدت اور حدت کو توڑا' پھر آپ نے اس کو پیا اور اپنے ساتھیوں کو پلایا' پھر آپ نے فرمایا جب اس کی تیزی اور نشہ تم پر غالب آجائے تو اس کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں' ہمارا اس پر عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ (۱)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہؒ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سبیل پر آئے اور فرمایا مجھے اس سے پانی پلاؤ۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہم آپ کو وہ چیز نہ پلائیں جس کو ہم اپنے گھر میں تیار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ کو وہ چیز پلاؤ جس کو لوگ پیتے ہیں' حضرت عباسؓ نبیذ کا ایک پیالہ لے کر آئے' آپ نے اس کو چکھا' پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا پانی لاؤ پھر آپ نے اس میں پانی ملایا' پھر دو یا تین بار فرمایا اور زیادہ ملاؤ' اور فرمایا جب تم کو (نبیذ) تیز لگے' تو اسی طرح کیا کرو۔ (۲)

حضرت ابومسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کعبہ کے گرد طواف کر رہے تھے' آپ کو پیاس لگی اور آپ نے پانی مانگا' آپ کے پاس ایک برتن سے نبیذ لایا گیا' آپ نے اس کو سونگھا اور پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا: میرے پاس زمزم کا ڈول لاؤ' پھر آپ نے اس میں پانی ملا کر اس کو پی لیا' ایک شخص نے پوچھا' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ (۳)

۱۔ (کتاب الاثار لامام محمد' ص ۱۸۴۔۱۸۳' کتاب الآثار لامام ابی یوسف' ص ۲۲۶' مصنف عبدالرزاق' ج ۹' ص ۲۲۴)

۲۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۸' ص ۱۴۰۔۱۳۹' مصنف عبدالرزاق' ج ۹' ص ۲۲۶' سنن کبری للبیہقی' ج ۸' ص ۳۰۰۔۳۰۰۵۔۳۰۰۴)

۳۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۸' ص ۱۴۰' سنن کبری ج ۸' ص ۳۰۴' سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۷۱۹)

انگریزی دواؤں اور پرفیوم کا شرعی حکم

مصنف کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آج کل کی غیر خمر مروجہ شرابیں پیتا ہے تو یہ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے قول کے مطابق حرام ہے' خواہ قلیل مقدار میں پیئے یا کثیر مقدار میں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے' لیکن اگر اسپرٹ یا الکوحل کی نہایت قلیل مقدار مائع دواؤں میں شامل ہو' یا پرفیوم میں شامل ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے فتوی کے مطابق ان کو جواز پر محمول کرنا چاہیے' کیونکہ ان دواؤں کے استعمال سے یہ قول صادق نہیں آئے گا کہ وہ شخص نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار کو پی رہا ہے' بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ شخص ایک چمچہ دوا پی رہا ہے جس میں ایک دو قطرے الکوحل کے شامل ہیں اور جس طرح حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: کہ خمر بعینہ حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے اور جس طرح احادیث سے ثابت ہے کہ تیز اور تلخ مشروب میں پانی ملا دیا جائے تو وہ حلال ہے' سو اگر الکوحل بالفرض تیز اور تلخ بھی ہو تو دوسری دوائیں اور کیمیکلز ملنے کے بعد اس کی تیزی اور تلخی جاتی رہتی ہے' اور جس طرح علامہ عینی نے کہا ہے کہ خمر کے حرام ہونے کی علت اس کا نماز اور اللہ کے ذکر سے روکنا ہے' اور مسلمانوں میں بغض اور عداوت کا پیدا کرنا ہے اور دوا کی ایک خوراک جو ایک یا دو چمچے ہوتی ہے' اور اس میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے' وہ الکوحل نہ تو خمر ہے نہ نماز' اور نہ اللہ کے ذکر سے روکتی ہے اور نہ بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے۔ سو ان دلائل کے اعتبار سے دواؤں میں جو نہایت قلیل میں الکوحل ہوتی ہے' وہ حرام نہیں ہے اور یہ مائع دوائیں حلال ہیں اور کسی بیماری کے علاج کے لیے یا طاقت حاصل کرنے کے لیے ان دواؤں کو پینا جائز اور حلال ہے۔ اسی طرح پرفیوم میں جو سپرٹ اور الکوحل شامل ہوتی ہے' وہ بھی ان دلائل کے اعتبار سے جائز اور پاک ہے۔

شراب نوشی پر وعید کی احادیث

امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائیؒ متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شراب پینے والا خمر (شراب) پیتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت لٹیرا لوگوں کے سامنے لوٹ مار کرتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا۔ (۱)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب کوئی شخص نشہ کرے تو اس کو کوڑے مارو' پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو' پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو' اور چوتھی بار فرمایا اس کی گردن اڑا دو۔ (۲)

عروہ بن رویمؒ بیان کرتے ہیں کہ ابن الدیلمیؒ سوار ہو کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی تلاش میں گئے' جب ان کے پاس پہنچے تو کہا: اے عبداللہ بن عمرو! کیا آپ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خمر (انگور کی شراب) کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں! میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص میری امت میں سے خمر پیئے گا' اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا۔ (۳)

۱۔ (سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۷۵' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۴۷۵' صحیح مسلم الایمان' رقم الحدیث: ۱۰۲-۱۰۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۹۳۶)

۲۔ (سنن النسائی: ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۷۸' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۴۸۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۵۷۲)

۳۔ (سنن النسائی: ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

حضرت عثمان ؓ نے فرمایا خمر سے اجتناب کرو' یہ تمام گناہوں کی اصل ہے' تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص عبادت گزار تھا اس پر ایک بدکار عورت فریفتہ ہوگئی' اس نے اپنی باندی بھیج کر اس کو گواہی کے بہانے سے بلایا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو دروازہ بند کر دیا' اس نے دیکھا وہاں ایک حسین عورت ہے' ایک غلام ہے اور ایک شراب کا برتن ہے۔ اس عورت نے کہا خدا کی قسم! میں نے تم کو گواہی کے لیے نہیں بلایا' لیکن میں نے تم کو اس لیے بلایا ہے کہ تم میری خواہش نفس پوری کرو۔ یا اس شراب سے ایک پیالہ پیو یا اس غلام کو قتل کر دو۔ اس عابد نے کہا مجھے اس شراب سے ایک پیالہ پلا دو' اس نے اس کو ایک پیالہ شراب پلائی' اس نے کہا اور پلاؤ' پھر اس نے اس عورت سے بدکاری کی اور اس غلام کو قتل بھی کر دیا۔ سو تم خمر سے اجتناب کرو' کیونکہ خدا کی قسم! دائما شراب نوشی کے ساتھ ایمان باقی نہیں رہتا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے خمر کو پیا' چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی' پھر اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' پھر اگر دوبارہ شراب پیئے تو اللہ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں کرتا' پھر اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' پھر اگر دوبارہ شراب پیئے تو اللہ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں کرتا' پھر اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' پھر اگر وہ شراب پیئے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو دوزخیوں کی پیپ پلائے۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے دنیا

۱۔ (سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۲)

۲۔ (سنن النسائی: ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

میں شراب پی پھر اس سے توبہ نہیں کی تو وہ آخرت میں شراب (طہور) سے محروم رہے گا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا' نہ ماں باپ کا نافرمان اور نہ دائمی شراب نوش۔ [2]

خمر کی حد کا بیان

خمر پینے والے پر حد لگائی جائے گی' خواہ وہ ایک قطرہ خمر پیئے اور خواہ اس کو نشہ نہ ہو' کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے جو شخص خمر پیئے' اس کو کوڑے مارو' اگر دوبارہ پیئے تو پھر کوڑے مارو' اگر سہ بارہ پیئے تو پھر کوڑے مارو' اور اگر چوتھی بار خمر پیئے تو اس کو قتل کر دو۔ [3]

البتہ قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور کوڑے مارنے کا حکم باقی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مسلمان کا خون صرف تین وجہ سے جائز ہے۔ قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے یا شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے یا جو شخص مرتد ہو کر دین بدل لے اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔ [4]

اور جو شخص خمر کے علاوہ اور کوئی نشہ آور مشروب پیئے تو اس پر اس وقت حد واجب ہے جب اس کو نشہ ہو جائے اور خمر کی حد اجماع صحابہؓ سے اسی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ نیز شراب کے نشہ میں انسان پاک دامن مسلمان کو تہمت لگا دیتا ہے اور تہمت لگانے کی سزا قرآن مجید نے اسی کوڑے مقرر کی ہے۔

۱۔ (سنن النسائی ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۷' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۵۷۵' صحیح مسلم' الاشربہ' رقم الحدیث: ۷۷-۷۶)

۲۔ (سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۸)

۳۔ (ترمذی وابوداؤد)

۴۔ (صحیح مسلم)

بھنگ اور افیون کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفیؒ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق کی کتاب الطلاق میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص لہو ولعب کے قصد سے بھنگ پیئے یا افیون کھائے اور اس کی عقل ماؤف ہو جائے' تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ یہ معصیت ہے' اور اگر اس نے علاج کی غرض سے بھنگ پی تھی یا افیون کھائی تھی تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی' کیونکہ اب اس کا کھانا اور پینا معصیت نہیں ہے۔ فتح القدیر میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ بغیر غرض علاج کے بھنگ پینا یا افیون کھانا حرام ہے۔ اور بزازیہ میں لکھا ہے کہ اس علت سے معلوم ہوا کہ علاج کی غرض سے بھنگ اور افیون کا استعمال جائز ہے۔ النہر الفائق میں بھی اس تفصیل کو لکھنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ [1]

سکون آور دواؤں کا شرعی حکم

سکون آور ادویہ مثلاً اے۔ ٹی ون' ڈائزو پام' والیم' لبریم اور تفرانیل وغیرہ کو بھی انسومینیا' دل گرفتگی (ڈپریشن) اور مالیخولیا ایسے امراض میں ماہر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کرنا جائز ہے' لیکن ان دواؤں کو بطور عادت یا نشہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے' یہ تمام دوائیں وقتی طور پر اعصابی تشنج (ٹینشن) کو دور کرتی ہیں' لیکن ان کے مابعد اثرات زندگی اور صحت کے لیے بہت مضر ہیں' ان دواؤں کو بہ کثرت استعمال کرنے سے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اخیر عمر میں رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔

۱۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعیؒ متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

جو چیزیں نقصان دہ ہوں' ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً زہر' شیشہ مٹی اور پتھر اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

ترجمہ: "اپنے آپ کو قتل نہ کرو" اور یہ ارشاد ہے "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" اور ان چیزوں کا کھانا ہلاکت ہے' اس لیے ان کا حلال نہ ہونا واجب ہے۔ [1]

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں جوا کھیلنے کو بھی حرام قرار دیا ہے' لوئیس معلوف قمار کا معنی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب' مغلوب سے کوئی چیز لے لے گا' خواہ وہ چاندی ہو یا کوئی اور چیز۔ [2]

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانیؒ متوفی ٨١٦ھ لکھتے ہیں

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی' قمار ہے۔ [3]

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفیؒ متوفی ٣٧٠ھ لکھتے ہیں:

اہل علم کا جوئے کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی جوا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آپس میں شرط لگانا جوا ہے' زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے

١۔ (شرح المہذب' ج ٩' ص ٤٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

٢۔ (المنجد' ص ٧٦٥٣' مطبوعہ المطبعہ الکاثولیکیہ' بیروت' ١٩٢٧ھ)

٣۔ (التعریفات' ص ٧٧' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ' مصر' ١٣٠٦ھ)

تھے۔ پہلے یہ مباح تھا' بعد میں اس کی تحریم نازل ہوگئی' جب سورہ روم نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو' پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا اور جوئے کی حرمت نازل ہوگئی۔ اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر سواری' گھوڑے سواری اور نیزہ بازی میں سابقیت کی شرط لگانے کی رخصت ہے' یعنی سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہنے والے کو انعام نہ دیا جائے۔ (یہ انعام کوئی تیسرا شخص یا مقابلہ کرانے والا دے گا) اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا' وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ شرط ناجائز ہے' اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں تو یہ جائز ہے اور اس کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے محلل فرمایا ہے۔ [1]

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر

جسمانی ورزش اور باہمی دلچسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو' تو ان کا کھیلنا جائز ہے۔ مثلاً بعض کھیل ایسے ہیں جن میں کھلاڑی گھٹنوں سے اونچا نیکر پہنتے ہیں' بعض کھیل ایسے ہیں جو صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت کھیل کے دوران آ کر نکل جاتا ہے' اور کھلاڑی اور کھیل دیکھنے والے نماز کا کوئی خیال نہیں کرتے' کھانے اور چائے کا وقفہ کیا جاتا ہے' لیکن نماز کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا' بعض دفعہ کسی کھیل میں ہار جیت' پر کوئی شرط رکھی جاتی ہے۔ یہ سب امور ناجائز ہیں۔

۱۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۹ مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقا جائز ہے اور نہ اس میں کسی معین جنس کے مقابلے کی قید ہے۔ خواہ پیادہ دوڑ کا مقابلہ ہو' کشتیوں کا ہو یا پرندوں' خچروں' گدھوں اور ہاتھیوں یا نیزوں کا مقابلہ ہو۔ اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے' اور طاقت آزمائی کے لیے پتھر اٹھانا بھی جائز ہے' کیونکہ ایک سفر میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عائشہؓ سے دوڑ میں مقابلہ کیا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے ایک انصاری سے دوڑ میں مقابلہ کیا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت رکانہؓ سے کشتی لڑی اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک قوم کے پاس سے گزرے' جو پتھر اٹھا کر طاقت آزمائی کر رہی تھی' آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ [1]

چوسر اور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو' وہ حرام ہے اور جس کھیل میں کسی بھی جانب سے کسی عوض کی شرط نہ ہو' ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ حرام تو نردشیر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور اکثر شافعیہؒ کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے کہا یہ مکروہ ہیں' حرام نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے نردشیر (چوسر) کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ جس نے نردشیر کو کھیلا' اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں رنگ لیے اور سعید بن جبیرؒ

۱۔ (المغنی' ج ۹' ص ۳۶۸' مطبوعہ بیروت)

ؒ جب نردشیر (چوسر) کھیلنے والوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام نہیں کرتے تھے۔

ان دلائل کی بناء پر جو شخص بار بار نردشیر (چوسر) کھیلے اس کی گواہی مقبول نہیں، عام ازیں کہ وہ جوئے کے ساتھ کھیلے یا بغیر جوئے کے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعیؒ کا ظاہر مذہب ہے، شطرنج بھی چوسر کی طرح حرام ہے۔

البتہ چوسر کی حرمت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس کی حرمت میں صریح نص وارد ہے اور شطرنج کو چوسر پر قیاس کر کے حرام کیا گیا ہے۔ قاضی ابوالحسینؒ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، سعید بن مسیبؒ قاسمؒ، سالمؒ، عروہؒ، محمد بن علی بن حسین ؒ، وراق اور امام مالکؒ کے نزدیک شطرنج حرام ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ شطرنج مباح ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ، سعید بن مسیب اور سعید بن جبیرؒ کا بھی یہی مذہب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور شطرنج کی تحریم میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی شطرنج اور نردشیر میں کوئی علت مشترکہ ہے۔ لہٰذا یہ اپنی اصل پر مباح ہے، نیز شطرنج سے جنگی چالوں کی مشق ہوتی ہے، لہٰذا یہ نیزہ بازی، تیراندازی اور گھوڑے سواری کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میسر یعنی جوئے کو حرام کیا ہے۔ (المائدہ: ۹۰) اور حضرت علیؓ نے شطرنج کو بھی میسر فرمایا اور شطرنج کھیلنے والے اس کھیل سے جنگی چالوں کے تربیت حاصل کرنے کا قصد نہیں کرتے، ان کا اس سے قصد صرف کھیل یا جوا ہوتا ہے۔ نیز اس میں مشغول ہو کر انسان نمازوں اور خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے امام احمدؒ نے فرمایا کہ شطرنج کھیلنے والے کی شہادت بھی مردود ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابوبکرؓ نے

کہا کہ جو شخص شطرنج کو کھیلے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر اس کو مباح سمجھنے والا کھیلے تو اس کی شہادت مسترد نہیں ہوگی' الا یہ کہ اس کھیل کی وجہ سے وہ نمازوں سے غافل ہو جائے یا اس کھیل میں وہ جھوٹی قسمیں کھائے یا بازار میں بیٹھ کر کھیلے یا اس کی وجہ سے کوئی اور سستی اور بے وقعت حرکت ہو۔ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے' سو شطرنج کا بھی وہی حکم ہے جو باقی مختلف فیہ مسائل کا حکم ہوتا ہے۔ [1]

علامہ علاؤالدین الحصکفی الحنفی لکھتے ہیں:

نرد (چوسر) اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے' امام شافعیؒ نے شطرنج کھیلنے کو مباح کہا ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہی ہے' یہ اس وقت ہے جب اس میں شرط نہ لگائی جائے اور نہ اس کو کھیلنے کی عادت بنائی جائے اور نہ اس میں مشغولیت کی بناء پر کسی واجب کو ترک کیا جائے ورنہ شطرنج کھیلنا بالاجماع حرام ہے۔ [2]

انصاب اور ازلام کی تفسیر

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا انصاب اور نصب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ [3]

ابو عبیدہؒ نے کہا نصب واحد ہے اور انصاف جمع ہے۔ ابن قتیبہؒ نے کہا یہ وہ پتھر ہیں جن کو گاڑ دیا جاتا تھا اور ان کے پاس جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا اور ان پر جانوروں کا خون ڈال دیا جاتا تھا اور انصاب

۱۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۱۷۲۔۱۷۱ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

۲۔ (درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۵ ص ۲۵۳۔۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

۳۔ (صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۱۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

نصب کی بھی جمع ہے' اور اس کا معنی بت ہیں۔ [1]

ازلام کے متعلق حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا ازلام ان تیروں کو کہتے ہیں جن سے زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنی قسمت معلوم کرتے تھے۔ دوسروں نے کہا زلم اس تیر کو کہتے ہیں جس میں پر نہ ہو' یہ واحد ہے اور اس کی جمع ازلام ہے۔ اور استسقام (قسمت طلب کرنا) یہ ہے کہ تیر کو گھمایا جائے۔ اگر وہ کسی کام سے منع کرے تو رک جائے' اور اگر کسی کام کا حکم دے تو اس کو کرے' انھوں نے تیروں پر مختلف قسم کی علامتیں بنائی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ وہ قسمت معلوم کرتے تھے۔ [2]

صحیح البخاری کی حدیث الہجرت میں مذکور ہے کہ سراقہ بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت ابوبکر ؓ کا پیچھا کیا تو میں نے تیر سے قسمت معلوم کی' آیا مجھے نفع ہوگا یا نقصان تو وہی نکلا جس کو میں ناپسند کرتا تھا۔ [3]

امام ابن جریر ؒ نے کہا زمانہ جاہلیت میں وہ تین قسم کے تیروں پر اعتماد کرتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا "کام کرو" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا "نہ کرو" اور تیسرا سادہ ہوتا تھا'۔ فرا نے کہا ایک پر لکھا ہوتا تھا "میرے رب نے حکم دیا ہے" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا "میرے رب نے منع کیا"۔ اور تیسرا سادہ ہوتا تھا۔ جب ان میں سے کوئی شخص کام کرنا چاہتا تو وہ تیر سے فال نکالتا۔ امام ابن اسحاق ؒ نے ذکر کیا ہے کہ قریش کا سب سے بڑا بت ھبل تھا' یہ کعبہ کے درمیان میں نصب تھا' اس کے پاس تیر رکھے ہوتے تھے۔ جب انھیں کوئی مہم درپیش ہوتی تو وہ ان تیروں سے فال نکالتے اور جس قسم کا تیر نکلتا اس پر عمل کرتے۔

۱۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷۸۔ ۲۷۷' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۱۵' مطبوعہ بیروت)

۳۔ (ج ۴' رقم الحدیث: ۳۹۰۶)

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انفرادی طور پر تیروں کا نہ استعمال کرتے ہوں' جس طرح سراقہ نے کیا تھا' امام ابن جریر طبریؒ نے سعید بن جریرؒ سے روایت کیا ہے کہ ازلام سفید کنکریاں تھیں اور مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ پتھر تھے' جن پر کچھ لکھا ہوا تھا' اور وہ اپنے ہر سفر میں خواہ وہ سفر جنگ کا ہو یا تجارت کا' ان پتھروں کے ساتھ سفر کرتے تھے' یہ تفسیر اس پر محمول ہے کہ وہ کعبہ والے ازلام کے علاوہ تھے۔ محدثین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ازلام (فال نکالنے کے تیر) تین قسم کے تھے۔

(۱) یہ تین قسم کے تیر تھے اور یہ ہر ایک کے پاس تھے۔

(۲) یہ احکام کے تیر تھے اور یہی کعبہ میں تھے اور یہ عرب کے ہر حاکم اور کاہن کی دسترس میں ہوتے تھے' یہ تیر سات قسم کے تھے اور ان پر قصاص اور دیت وغیرہ کے احکام لکھے ہوئے تھے اور ایسے امور جو بہ کثرت پیش آتے تھے۔

(۳) یہ جوئے کے تیر تھے' یہ دس قسم کے تھے' سات دھاری دار تھے اور تین سادہ تھے اور وہ ان تیروں کے ساتھ جوا کھیلتے تھے۔

ابوعبیدہؒ نے کہا قسمت معلوم کرنے یا فال نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تیر کو گھماتے تا کہ ان کی قسمت معلوم ہو۔ آیا وہ سفر کریں یا نہ کریں' جنگ میں جائیں یا نہ جائیں اور جو کچھ لکھا ہوا نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔ [۱]

یہ شراب اور جوا کے مزید معاشرتی اور دینی نقصانات ہیں کہ شیطان ان دونوں کے ذریعے تمہارے دلوں میں عداوت اور بغض ڈلوانا چاہتا ہے اور شیطان یہ بھی چاہتا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز

۱۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷۸۔ ۲۷۷' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

سے روک دے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں نماز بھی شامل ہے، اس کے باوجود نماز کا علیحدہ ذکر اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ: سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں مہاجرین وانصار کی ایک مجلس میں گیا تو وہ کہنے لگے، کبھی آؤ تمہیں کھلائیں اور شراب پلائیں اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ ایک دن میں ان کے ہاں ایک باغ میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے پاس ایک اونٹ کی بھنی ہوئی سری اور شراب کا ایک مشکیزہ رکھا ہوا ہے، سو میں نے بھی ان کے ساتھ کھایا اور پیا۔ پھر میں نے ان سے مہاجرین وانصار کا ذکر کیا اور کہا کہ مہاجرین انصار سے بہتر ہیں۔ یہ سن کر ایک آدمی نے سری کا ایک جبڑا اٹھا کے مجھے مارا اور میری ناک زخمی کر دی۔ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ کر انھیں یہ بات بتائی تو اللہ عزوجل نے میرے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: (اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَیۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۔ اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ)[المائدہ: ۹۰، ۹۱] "بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر گندے ہیں، شیطان کے کام سے ہیں، سو اس سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے۔"[1]

﴿ وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ

۱۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص: ۱۷۴۸، بعد الحدیث: ۲۴۱۲]

تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۹۲﴾

اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو۔ اگر تم اعراض کرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا : یعنی شراب اور جوئے سے باز رہنا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت سے ڈرو۔ یاد رہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مراد قرآن وسنت کی پیروی ہے اور سنت بھی قرآن کی طرح ایک مستقل ماخذ ہے۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کا حکم تمہارے فائدہ کے لیے ہے، اگر تم نہ مانو تو نہ اللہ جل شانہ کا کوئی نقصان ہے نہ اس کے رسول کا، اللہ تعالیٰ کا اس نفع ونقصان سے بالاتر ہونا تا ظاہر تھا، رسول کے متعلق کسی کو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ جب ان کی بات نہ مانی گئی تو ان کے اجر وثواب یا قدر ومنزلت میں شاید کچھ فرق آجائے، اس شبہ کے ازالہ کے لیے ارشاد فرمایا: فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ، یعنی اگر تم میں سے کوئی بھی ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات نہ مانے جب بھی اس کی قدر ومنزلت میں کوئی فرق نہیں آتا، کیونکہ جتنا کام ان کے سپرد تھا وہ کر چکے، یعنی صاف صاف طور پر واضح کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا

دینا، اس کے بعد جو شخص نہیں مانتا وہ اپنا نقصان کرتا ہے ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔

سیدنا مقدامؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سن رکھو! بیشک مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی۔"[1]

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ: اس میں وعید ہے ان لوگوں کے لیے جو حکم قطعی کے باوجود شراب اور قمار بازی سے باز نہیں آتے۔

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۳ ﴾

جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی پر کاربند رہے ہیں، انھوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا ہے، اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ آئندہ ان گناہوں سے بچتے رہیں، اور ایمان رکھیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر (جن چیزوں سے آئندہ روکا جائے ان سے) بچا کریں، اور ایمان پر قائم رہیں اور اس کے بعد بھی تقوی اور احسان کو اپنائیں۔ اللہ احسان پر عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

---

[1]۔ [مسند أحمد: ٤/ ١٣١، ح: ١٧١٧٩۔ أبوداؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ٤٦٠٤]

شان نزول: (آیت) "لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح"

امام نسائی ؒ اور بیہقی ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ شراب کی حرمت دو انصاری قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

انھوں نے شراب پی، نشہ چڑھنے پر بعض نے کچھ حرکات وغیرہ کیں، جب نشہ اتر گیا، تو ہر ایک نے اپنے چہرے سر اور داڑھی میں دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ میرے ساتھ میرے فلاں بھائی نے یہ کیا ہے، حالانکہ کہ وہ سب بھائی تھے، ان کے دلوں میں کسی قسم کا کوئی کینہ اور دشمنی نہیں تھی، چنانچہ اس نے کہا کہ اگر وہ میرے اوپر مہربان ہوتا تو ایسی بدتمیزی نہ کرتا، غرض کہ اس بنا پر ان کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو اس کے بعد کچھ حضرات بولے کہ یہ تو گندگی ہے اور فلاں کے پیٹ میں داخل ہو چکی ہے، اور وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے ہیں، اب کیا ہوگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، (آیت) "لیس علی الذین امنو وعملوا الصلحت جناح (الخ)

امام احمد بن حنبل متوفی ؒ ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب شراب حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ ؓ نے کہا یا رسول اللہ ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں فوت ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں' ان سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ (الایہ)۔ [1]

۱۔ (مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶۹۱۔۲۴۵۲۔۲۰۸۸' دار الفکر' مسند احمد' ج ۱ ص ۲۳۴' طبع قدیم' جامع البیان' جز ۷' ص ۵۰' امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی' المستدرک ج ۴' ص ۱۴۳)

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب میں سے کچھ لوگ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے فوت ہو گئے' جب شراب حرام کر دی گئی تو صحابہ ؓ نے کہا ہمارے ان اصحاب کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے رہے اور فوت ہو گئے' تب یہ آیت نازل ہوئی امام ابوعیسیٰ ؒ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ [1]

تحریم خمر کی تاریخ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی ؒ متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں

میں نے سورہ مائدہ کی تفسیر میں یہ لکھا تھا کہ شراب فتح مکہ کے سال (۸ ھ) میں فتح مکہ سے پہلے حرام کی گئی تھی' پھر میں نے دیکھا کہ علامہ دمیاطی ؒ نے اپنی سیرت میں جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ شراب کو حدیبیہ کے سال حرام کیا گیا اور حدیبیہ کا واقعہ چھ ہجری میں ہوا تھا' اور امام ابن اسحاق ؒ نے لکھا ہے کہ یہ حکم بنو نضیر کے واقعہ میں نازل ہوا تھا اور جنگ احد کے بعد کا واقعہ ہے اور راجح قول کے مطابق یہ چار ہجری کا واقعہ ہے' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو میں (انس) لوگوں کو شراب پلا رہا تھا اور میں اس وقت قوم میں سب سے چھوٹا تھا۔ [2]

تو اگر چار ہجری میں شراب کی تحریم نازل ہوئی تو حضرت انس ؓ اس وقت چودہ سال کے ہوں گے' تو پھر

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۶۲۔۳۰۶۱' صحیح ابن حبان' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۵۳۵۰' مسند ابویعلیٰ' ۱۷۲۰' جامع البیان' ج ۷' ص ۵۰)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۵۸۳)

وہ ان میں سب سے چھوٹے کیسے ہوئے۔ [1]

شراب کو حرام کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے' کیونکہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے سو جو چیز عقل کو زائل کر دے' اس کو حرام کر دینا ہم پر بہت بڑا انعام ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے تو پھر گزشتہ امتوں میں خمر کو کیوں حلال رکھا گیا' جبکہ عقل کی ان کو بھی ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نشہ کرنا تمام ادیان میں حرام رہا ہے' ان پر خمر کی قلیل مقدار حلال تھی' ہم پر خمر کی قلیل مقدار بھی حرام کر دی گئی' تا کہ قلیل مقدار میں خمر کا پینا کثیر مقدار میں خمر پینے کا ذریعہ نہ بن جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر خصوصی کرم ہے' کیونکہ اس نے ہم کو خیر امم قرار دیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اس حکمت کی وجہ سے ابتداء اسلام میں خمر کو حرام کیوں نہیں قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء اسلام میں خمر کو مباح رکھا' تا کہ مسلمان خمر کے فساد کا خود مشاہدہ کریں' حتیٰ کہ جب ان پر خمر حرام کر دی گئی تو انھوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم برحق ہے۔

اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور ایمان پر برقرار رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں' پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں' پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔

اس آیت میں دو مرتبہ ایمان لانے اور تین مرتبہ اللہ سے ڈرنے کا ذکر فرمایا ہے' اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

(۱) پہلے ایمان اور تقویٰ سے مراد اصل ایمان اور اصل تقویٰ ہے' یعنی انھوں نے شرک اور کفر کو ترک کیا

۱۔ (فتح الباری' ج۱۰' ص۳۱' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱)

اور اللہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس ایمان اور تقوی پر برقرار رہے اور تیسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے اس کے بندوں پر ظلم کرنے سے باز رہے' اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہے۔

(۲) پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اس کے نازل کیے ہوئے سابقہ احکام مثلاً نماز' روزہ اور جہاد وغیرہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ کے خوف اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے بعد میں نازل ہونے والے احکام پر ایمان لائے' مثلاً بعد میں شراب' جوئے' انصاب اور ازلام کو حرام کیا گیا' تو وہ ان کی حرمت پر ایمان لے آئے۔ پھر تیسری بار اللہ کے ڈر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے اجتناب کرنے پر برقرار رہے اور نیک سلوک کرتے رہے۔

(۳) پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے بچتے تھے اور ایمان اور اعمال صالحہ پر برقرار رہتے تھے' اور دوسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے بعد میں حرام کی جانے والی چیزوں' مثلاً شراب سے مجتنب ہوئے اور اس کی تحریم پر ایمان لائے اور تیسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ڈر سے اس اجتناب اور اعمال صالحہ پر برقرار رہے۔

(٤) تین بار ذکر سے تین اوقات مراد ہیں' یعنی وہ ماضی میں اللہ سے ڈرتے تھے' حال میں بھی اللہ سے ڈرے اور مستقبل میں بھی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

(٥) تین بار ذکر سے تین احوال مراد ہیں' یعنی وہ خوف خدا سے کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق نہ ہو' اور نہ وہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو آداب رسالت کے منافی ہو' اور نہ کوئی ایسی بات

کہتے ہیں جو ان کے اپنے نفس اور عام مسلمانوں کے لیے باعث ضرر ہو' بلکہ اس کے برعکس وہ اللہ تعالیٰ' اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوشاں رہتے ہیں۔

(٦) وہ خوف خدا سے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں' خلاف سنت اور خلاف اولی کاموں سے بچتے ہیں اور بعض ایسے مباح کاموں سے بچتے ہیں جو دناءت اور خست نفس کا سبب ہوں۔

(٧) اس سے مراد سلوک کی ابتداء سلوک کا وسط اور سلوک کی انتہاء ہے جس میں انسان حقیقی سے واصل ہو جاتا ہے۔

(٨) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عمر کے تین ادوار مراد ہوں' یعنی وہ عمر کی ابتداء میں بھی اللہ سے ڈرتے تھے' وسط میں بھی اور آخر میں بھی۔

(٩) وہ شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے بھی اس سے اجتناب کرتے تھے' اس کی تحریم نازل ہونے کے بعد بھی اس سے اجتناب کرتے رہے اور باقی اعمال میں خوف خدا سے گناہوں سے اجتناب کرتے رہے اور نیک عمل کرتے رہے۔

(١٠) اس تکرار سے ایمان اور خوف خدا کی تاکید اور اس میں مبالغہ مقصود ہے' تاکہ مسلمان اس پر نہایت اہمیت کے ساتھ برقرار رہیں۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾ ﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری کسی ایسے شکار سے آزمائش کرے گا' جو تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں آجائے گا تا کہ اللہ دیکھ لے کہ کون اس سے غیب میں ڈرتا ہے اور جس نے اس کے بعد حدود سے تجاوز کیا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

شان نزول اور مناسبت

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے سال میں نازل ہوئی' بعض مسلمانوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور بعض نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا' اور جب ان کے سامنے شکار آتا تو ان کے احوال اور افعال مختلف ہوتے اور ان پر احکام مشتبہ ہو جاتے۔ تب اللہ نے ان کے احوال اور افعال کے احکام بیان کرنے اور حج اور عمرہ میں ممنوعہ کام بیان کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ [1]

امام ابن ابی حاتمؒ نے مقاتلؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عمرہ حدیبیہ میں نازل ہوئی' جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وحشی جانوروں کے شکار کی آزمائش میں مبتلا کیا اور وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے' وحشی جانور بکثرت ان کی سواریوں کے گرد پھر رہے تھے' اور وہ ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں تھے۔ حضرت ابوجعفرؒ نے فرمایا پرندوں کے چوزے اور وحشی جانوروں کے بچے اور انڈے ان کے ہاتھوں کی زد میں تھے اور بڑے جنگلی جانور' مثلاً جنگلی گدھا' گائے اور اونٹ وغیرہ ان کے نیزوں کی زد میں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شکار قریب تھے' وہ ان کے ہاتھوں کی دسترس میں تھے اور جو شکار دور

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ٦ ص ٢٢٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

تھے، وہ ان کے نیزوں کے نشانوں پر تھے۔ نیزہ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ شکار کرنے کا بڑا ہتھیار ہے، تیر اور دیگر ہتھیار بھی اس میں شامل ہیں۔ [1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وہ انھیں آزمائے گا، تاکہ فرمان بردار اور غیر فرمان بردار دونوں طرح کے لوگوں کا پتا لگ جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر حالت احرام میں شکار کرنے کو حرام قرار دیا۔ پھر حالت ایسی کر دی کہ چھوٹے بڑے شکار ان کے دائیں بائیں پھرنے لگے، تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون اس کا حکم مان کر انھیں نہیں چھیڑتا اور کون اس کی نافرمانی کرتا ہے۔

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ : ارشاد فرمایا : (اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ)[یٰسٓ:۱۱] ”تو تو صرف اسی کو ڈراتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے۔ سو اسے بڑی بخشش اور باعزت اجر کی خوش خبری دے۔“ اور فرمایا: (وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۔ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۔ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۔ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۔ لَهُمْ مَّا يَشَاءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ)[آ:۳۱ تا ۳۵] ”اور جنت پرہیز گاروں کے لیے قریب کر دی جائے گی، جو کچھ دور نہ ہوگی۔ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اس شخص کے لیے جو بہت رجوع والا، خوب حفاظت کرنے والا ہو۔ جو رحمٰن سے بغیر دیکھے ڈر گیا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہی ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ ان کے

۱۔ (روح المعانی جز ۷ ص ۲۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لیے جو کچھ وہ چاہیں گے اس میں ہوگا اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔"

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ ﴾

اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو، اور تم میں سے جس نے جان بوجھ کر شکار کو قتل کیا تو اس کی جزا یہ ہے کہ اس قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے (اور وہ) یہ کہ چند مساکین کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا چکھے، جو گزر چکا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، اور جس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا، اور اللہ تعالیٰ غالب

ہے انتقام لینے والا ہے۔

خشکی کے جانوروں کے قتل کی ممانعت سے پانچ فاسق جانوروں کا استثناء

خشکی کے شکار کو مارنا محرم پر حرام ہے اور سمندر شکار کو مارنا اس کے لیے حلال ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(آیت) "احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ" (المائدہ:۹۶)

ترجمہ: تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے' تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے۔

خشکی کا شکار وہ ہے جو خشکی میں پیدا ہوا ہو اور خشکی میں رہتا ہو اور سمندری شکار وہ ہے جو پانی میں (خواہ دریا ہو یا سمندر) پیدا ہوا ہو' اور پانی میں رہتا ہو اور شکار اس جانور کو کہتے ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس ہو اور ان سے متنفر اور متوحش ہو۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے عمومی حکم سے پانچ خبیث جانوروں کو مستثنیٰ فرما لیا ہے۔ کاٹنے والا کتا' بھیڑیا' چیل' کوا' سانپ' اور بچھو۔ کیونکہ یہ جانور ابتداء حملہ کرتے ہیں اور ایذا پہنچاتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں جن کو حرم یا غیر حرم میں قتل کر دیا جائے گا۔ سانپ' کوا' (جس کی پشت اور پیٹ پر سفیدی ہو) چوہا اور کاٹنے

والا کتا اور چیل۔ [1]

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پانچ جانور کل کے کل فاسق ہیں' ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ کوا' چیل' کاٹنے والا کتا' بچھو اور چوہا۔ [2]

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعیؒ متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم اور غیر محرم کے لیے کاٹنے والے کتے کو حرم اور غیر حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہی معروف کتا مراد ہے۔ امام اوزاعیؒ' امام ابوحنیفہؒ' اور حسن بن صالحؒ کا یہی قول ہے اور انھوں نے بھیڑیے کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کیا ہے' اور امام زفرؒ کے نزدیک کتے سے مراد صرف بھیڑیا ہے' اور جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ کاٹنے والے کتے سے مراد بالخصوص یہ معروف کتا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ درندہ ہے جو عادۃً حملہ کرتا ہو' مثلاً بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔ امام شافعیؒ' امام احمدؒ' سفیان ثوریؒ وغیرھم کا یہی قول ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اس قول کو جمہور علماء کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ [3]

تین صورتوں میں محرم کے لیے شکاری جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر محرم شکار کو قتل کر دے تو اس پر اس کی جزا (تاوان) واجب ہوتی ہے' جیسا کہ سورہ مائدہ کی اس آیت ٩٥ میں صراحتاً مذکور ہے، شکار کے قتل کی بھی قسمیں ہیں' ایک قسم مباح

١۔ (صحیح مسلم' ج ٦٦' (١١٩٨) ٢٨١٥' سنن نسائی' ج ٥' رقم الحدیث: ٢٨٢٩' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٠٨٧)

٢۔ (صحیح البخاری' ج ٢' رقم الحدیث: ١٨٢٩' صحیح مسلم' ج ٧١' (١١٩٨) ٢٨٢٠' سنن النسائی' ج ٥' رقم الحدیث: ٢٨٩٠)

٣۔ (صحیح مسلم مع شرحہ للنووی' ج ٥' ص ٣٢٣٤' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

ہے اور ایک قسم حرام ہے۔ حرام وہ قسم ہے جس میں محرم شکار کو بغیر کسی سبب موجب یا سبب مبیح کے قتل کر دے۔ سبب موجب یہ ہے کہ کوئی جانور محرم پر حملہ کر دے' اور اس کو قتل کیے بغیر اس جانور سے جان بچانے کی اور کوئی صورت نہ ہو' اس صورت میں اس جانور کو قتل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ جان بچانا فرض ہے' یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کے قاعدہ کے مطابق ہے' اور سبب مبیح یہ ہے کہ انسان کے پاس حلال ذرائع سے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو اور جان بچانے کی صرف یہ صورت ہو کہ انسان کسی جانور کو شکار کر کے کھالے' تو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے اس جانور کو شکار کر کے کھانا مباح ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"(آیت) "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکم"۔ (البقرہ:۱۹۵)

ترجمہ: اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی جانور کو کسی درندہ یا کسی کے پھندہ سے بچانے کی کوشش کرے اور وہ جانور ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

محرم عمداً قتل کرے یا خطاءً ہر صورت میں اس پر ضمان کا وجوب:

ائمہ مذاہب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ محرم شکار کو عمداً قتل کرے یا خطاً قتل کرے' ہر صورت میں اس پر ضمان واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جس بجو کو محرم شکار کرے' اس کا تاوان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم) نے ایک مینڈھا قرار دیا اور اس کو شکار میں شمار فرمایا۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: محرم شتر مرغ کا انڈا شکار سے حاصل کرے تو اس کا تاوان اس کی قیمت ہے۔ [2]

شکار کی تعریف

شکار کو قتل کرنا محرم پر حرام ہے' خواہ اس نے حج کا احرام باندھا ہو یا عمرہ کا اور شکار وہ ہے جس میں تین اوصاف ہوں۔ اس کا کھانا حلال ہو' اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو' وہ فی نفسہ پالتو جانور نہ ہو' اور انسانوں سے غیر مانوس ہو' ان کو دیکھ کر بھاگنے والا' متنفر اور وحشی ہو۔ سو اگر کوئی شخص کسی درندے کو یا پھاڑنے چیرنے والے پرندے کو یا حشرات الارض میں سے کسی جانور مثلاً چھپکلی یا گرگٹ وغیرہ اور دیگر کیڑے مکوڑے کو قتل کر دے تو اس پر ضمان نہیں ہے' اسی طرح محرم اگر کسی پالتو جانور کو ذبح کر دے مثلاً گائے' بکری اور مرغی وغیرہ کو تو اس پر بالاتفاق ضمان نہیں ہے' اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سمندری اور دریائی جانور کو شکار کرنا جائز ہے' صرف خشکی کے جانور کو شکار کرنا محرم کے لیے جائز نہیں ہے۔

شکار پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضمان کے لزوم میں مذہب ائمہ

امام ابو حنیفہ اور امام احمدؒ کے نزدیک جس طرح شکار کو قتل کرنے سے محرم پر جزا لازم آتی ہے۔ اسی طرح اگر محرم کسی اور کو شکار کی طرف رہنمائی کرے یا اس پر دلالت کرے تو اس پر بھی ضمان لازم آتی ہے اور امام شافعی اور امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ ضمان کا تعلق قتل سے ہے' اور شکار پر دلالت کرنا' اس کو قتل کرنا

۱۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۶' مطبوعہ بیروت)

نہیں اور یہ ایسا ہے جیسے غیر محرم، غیر محرم کو کسی شکار پر دلالت کرے، فقہاء احناف کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوقتادہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ گئے، حتی کہ ہم "قاحہ" میں پہنچے ہم میں سے بعض محرم اور بعض غیر محرم تھے، اچانک میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں، میں نے دیکھا کہ وہ ایک جنگلی گدھا تھا، میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی، اپنا نیزہ سنبھالا اور سوار ہو گیا۔ اتفاقاً میرا چابک گر گیا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے چابک اٹھا دو، ساتھی محرم تھے، انھوں نے کہا خدا کی قسم ہم تمہاری اس معاملہ میں بالکل مدد نہیں کریں گے، میں نے اتر کر چابک اٹھایا اور سوار ہو گیا۔ میں نے اس جنگلی گدھے کو پیچھے سے جا کر پکڑ لیا درآنحالیکہ وہ ٹیلہ کے پیچھے تھا، میں نے نیزہ مار کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس لایا۔ بعض ساتھیوں نے کہا کھا لو اور بعض نے کہا نہ کھاؤ، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے آگے تھے۔ میں گھوڑا بڑھا کر آپ تک پہنچا، آپ نے فرمایا وہ حلال ہے اس کو کھا لو۔ [1]

درج ذیل حدیث میں زیادہ وضاحت ہے:

حضرت ابوقتادہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حج کے لیے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے بعض صحابہ کو ایک طرف روانہ کیا جس میں ابوقتادہ ؓ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلو، پھر مجھ سے آ ملنا، پھر وہ سب سمندر کے کنارے کنارے چل

۱۔ (صحیح مسلم، الحج، ۵۶، (۱۱۹۶) ۲۸۰۴، صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۲۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۴۷، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۱۶)

پڑے' جب وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف جانے لگے تو حضرت ابوقتادہؓ کے سوا سب نے احرام باندھ لیا' انھوں نے احرام نہیں باندھا تھا' چلتے چلتے انھوں نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قتادہؓ نے ان پر حملہ کیا اور ایک گدھی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر سب نے اتر کر اس کا گوشت کھایا۔ حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے سوچا کہ ہم نے (شکار کا) گوشت کھالیا ہے' حالانکہ ہم محرم ہیں۔ حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس جنگلی گدھی کا باقی ماندہ گوشت اپنے ساتھ رکھ لیا اور جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا' یارسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابوقتادہؓ نے احرام نہیں باندھا تھا' ہم نے جنگلی گدھے دیکھے' ابوقتادہؓ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا۔ پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے' اور ہم نے شکار کا گوشت کھالیا' پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انھوں نے کہا نہیں' آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھالو۔

شیبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا تم میں سے کسی شخص نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ اور شعبہ کی روایت میں ہے کہ تم نے اشارہ کیا تھا یا امداد کی تھی؟ یا شکار کیا تھا؟۔ [1]

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے شکار کے حلال ہونے کو اس

۱۔ (صحیح مسلم' الحج' ۶۰' (۱۱۹۶)' ۲۸۱۰' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۴۸' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۲۸۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۰۹۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۳۹۶۶' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۸۳۳۷' سنن کبری للبیہقی' ج ۵' ص ۳۲۲' سنن دارقطنی' ج ۲ ص ۲۹۱' ملتان' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۰۶' ۳۰۵' ۳۰۱' طبع قدیم)

کی طرف اشارہ نہ کرنے پر موقوف فرمایا ہے۔ سو اگر کوئی شخص زبان سے شکار کی رہنمائی کرے گا تو وہ بطریق اولی حرام ہو گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے تو صرف اس شکار کا حرام ہونا لازم آئے گا' ضمان لازم نہیں آئے گی' تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ محرم کے لیے شکار کی طرف اشارہ کرنا' یا اس کی طرف رہنمائی کرنا حرام ہے' اور اس کے اس اشارہ کرنے کی وجہ سے اس شکار کا امن زائل ہو گیا اور اس کی جان تلف ہو گئی اور اس کے اشارہ اور اعانت کی وجہ سے وہ شکار قتل کر دیا گیا' سو شکار کی طرف اشارہ کرنے والے محرم پر بھی وہی ضمان ہو گی جو شکار کو قتل کرنے والے محرم پر ہوتی ہے۔

عطاءؒ نے کہا ہے کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ شکار پر دلالت کرنے والے پر بھی ضمان ہے' اور اس زمانہ کے لوگ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ تھے۔

علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں لکھا ہے۔ کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام طحاویؒ نے اس کو متعدد صحابہؓ سے نقل کیا ہے' اور کسی صحابی سے اس کے خلاف منقول نہیں ہے اس پر اجماع صحابہ ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے جو یہ منقول ہے کہ دلالت کرنے والے پر ضمان نہیں ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ جب دلالت کرنے سے شکار کو قتل نہ کیا جائے۔ [1]

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلیؒ متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

شکار پر دلالت کرنے سے بھی ضامن بنایا جائے گا پس جب کسی محرم کو شکار پر دلالت کی اور اس نے اس شکار کو تلف کر دیا' تو اس کی پوری جزا محرم پر ہو گی۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور مجاہدؒ' ابوبکر مزنیؒ' اسحاق اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے' اور امام مالک اور امام شافعیؒ نے کہا

۱۔ (فتح القدیر' ج ۳' ص ۶۴۔۶۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہے کہ دلالت کرنے والے پر کچھ ضمان نہیں ہے۔ کیونکہ ضمانت جنایت سے لازم آتی ہے' دلالت سے لازم نہیں آتی اور احناف کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت ابوقتادہؓ کے اصحاب سے فرمایا تھا' کیا تم میں سے کسی نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ نیز شکار پر دلالت کرنا اس کو تلف کرنے کا ذریعہ ہے' لہٰذا اس کی وجہ سے ضمان لازم آئے گی اور یہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے' اور صحابہؓ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔ [1]

﴿ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ ﴾

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے جو تمہارے نفع کے لیے اور مسافروں کے واسطے ہے۔ اور تم پر حرام کیا گیا خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔

سمندری شکار کی تعریف اور اس میں مذاہب ائمہ

سمندری شکار سے مراد ہے جس جانور کو پانی میں شکار کیا جائے' خواہ وہ پانی سمندر میں ہو' دریا میں ہو' نہر میں ہو یا تالات میں ہو اور اس سے مقصود وہ جانور ہے جو پانی میں پیدا ہوا ہو' اور اس کی نشو ونما اور بقا بھی

۱۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۴۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

پانی میں ہو اور اس کے طعام سے مراد پانی میں کیا ہوا شکار ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد صرف مچھلی ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں، مچھلی اور ٹڈی۔ [1]

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد پانی کے تمام جانور ہیں، ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے اور حضرت عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سمندری طعام سے مراد وہ تمام جانور ہیں جن کو سمندر ساحل پر پھینک دے اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا سمندری طعام سے مراد وہ چیز ہے جو سمندر سے نکالی جائے اس کو کھالو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور سمندر کی ہر چیز کھائی جائے گی، خواہ وہ مردار ہو، سمندر میں ہو یا سمندر کے ساحل پر ہو۔ [2]

خشکی کے شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو خشکی میں پیدا ہوئے ہوں اور ان کی نشو ونما اور بقا بھی خشکی میں ہو اور شکار سے مراد وہ جانوری ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس اور متوحش اور متنفر ہوں، جیسے ہرن اور نیل گائے وغیرہ اور بکری، گائے اور اونٹ وغیرہ شکار نہیں ہیں، کیونکہ وہ انسانوں سے مانوس ہیں، خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے حکم سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پانچ فاسق جانوروں کو مستثنیٰ فرما دیا ہے۔ وہ یہ ہیں: بچھو، چوہا، کاٹنے والا کتا، کوا اور چیل ان کی تفصیل اور تحقیق ہم اس سے متصل پہلی آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

۱۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۱۸، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۵۷۲۷) اس حدیث کی سند کا ایک راوی عبدالرحمن بن یزید ضعیف ہے۔

۲۔ (جامع البیان، جز ۷، ص ۸۸۔۸۶)

شکار کا گوشت محرم کے لیے ناجائز ہونے کے متعلق احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے اور جب تک تم احرام میں ہو' تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر غیر محرم' محرم کے لیے کسی جانور کو شکار کرے تو محرم کے لیے اس کو کھانا جائز نہیں ہے' حسب ذیل احادیث سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صعب بن جثامہ لیثی ؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک جنگلی گدھا (شکار کر کے) پیش کیا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وہ ان کو واپس کر دیا۔ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے چہرے پر افسوس کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا ہم نے تم کو یہ صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم محرم ہیں۔ [1]

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان ؓ نے حارث ؓ کو طائف کا گورنر مقرر کیا تھا' اس نے کچھ پرندوں اور جنگلی جانوروں کا شکار کیا اور یہ طعام حضرت عثمان ؓ کی طرف بھیجا' حضرت عثمان ؓ نے یہ طعام حضرت علی ؓ کے پاس بھیج دیا' جس وقت ان کا قاصد حضرت علی ؓ کے پاس پہنچا' تو وہ اپنے اونٹوں کے لیے اپنے ہاتھ سے درختوں سے پتے جھاڑ رہے تھے۔

لوگوں نے آپ سے کہا یہ طعام کھائیں۔ آپ نے فرمایا تم لوگ کھالو' کیونکہ میں محرم ہوں۔ پھر فرمایا

۱۔ (صحیح مسلم' حج' ۵۰' (۱۱۹۳) ۲۷۹۹' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۸۲۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۵۰' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۲۸۱۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۰۹۰)

قبیلہ اشجع کے جو لوگ یہاں موجود ہیں، میں ان کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک شخص نے جنگلی گدھے کا گوشت پیش کیا درآنحالیکہ آپ محرم تھے؟ آپ نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا؟ انھوں نے کہا ہاں!

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اے زید بن ارقمؓ! کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک شکار کی دستی پیش کی گئی تو آپ نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا میں محرم ہوں۔ انھوں نے ہاں!۔ [1]

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے ایک ساتھ حج کیا۔ ایک غیر محرم نے شکار کر کے حضرت عثمانؓ کے پاس اس کا گوشت بھیجا، حضرت عثمانؓ نے اس میں سے کھایا اور حضرت علیؓ نے نہیں کھایا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا بخدا ہم نے شکار کیا ہے، نہ اس کا حکم دیا ہے، نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ آیت پڑھی جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔

نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب محرم ہوتے تو شکار کو نہیں کھاتے تھے، خواہ اس کو غیر محرم نے شکار کیا ہو۔ [2]

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلیؒ متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

۱۔ (سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۰۔۱۸۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

۲۔ (جامع البیان، جز ۷ ص ۹۷۔۹۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

جب محرم خود شکار کرے یا شکار کو ذبح کرے تو محرم پر اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب تک تم احرام میں ہو' تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔ (المائدہ: ۹۶) اور اگر محرم اس شکار میں اعانت کرے یا اس پر دلالت کرے یا اس کی طرف اشارہ کرے' تب بھی وہ محرم کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر غیر محرم' محرم کی خاطر شکار کرے تو یہ محل اختلاف ہے۔ امام احمدؒ' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی اس شکار کو کھانا محرم پر حرام ہے اور یہی حضرت عثمان بن عفانؓ سے منقول ہے' اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں' اس صورت میں محرم کے لیے شکار کو کھانا جائز ہے' کیونکہ حدیث صحیح میں اس کا جواز ہے۔

صحابہؓ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا' یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابوقتادہؓ نے احرام نہیں باندھا تھا' ہم نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابوقتادہؓ نے ان پر حملہ کیا' اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں' ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا' پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے اور ہم نے شکار کا گوشت کھایا' پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انھوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھا لو۔ [1]

اور حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ' اور حضرت ابن عباسؓ کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۴' صحیح مسلم' ج ۶ (۱۱۹۶)' ۲۸۱۰' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۴۸' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۲۸۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۰۹۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۳۹۶۶' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۸۳۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۵' ص ۳۲۲' سنن دارقطنی' ج ۲' ص ۲۹۱' ملتان' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۰۶' ۳۰۵' ۳۰۱' طبع قدیم)

محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین نظریات ہیں:

(۱) حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔

(۲) حضرت عثمانؓ کا موقف یہ ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہے تو محرم پر اس شکار کا گوشت حرام ہے، ورنہ نہیں اور یہی ائمہ ثلاثہ کا موقف ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ اگر محرم نے شکار میں غیر محرم کی اعانت نہیں کی، نہ اس کی طرف اشارہ کیا، نہ دلالت کی، تو پھر محرم کے لیے اس شکار کو کھانا جائز ہے، خواہ غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہو۔

﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ ؕ ﴾

۱۔ (المغنی، ج ۳، ص ۱۴۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

اللہ نے کعبے کو، جو کہ بیت الحرام ہے، لوگوں کے قیام کا باعث بنا دیا ہے اور حرمت والا مہینہ، قربانی کے جانور اور وہ جانور بھی جن کے گلوں میں پٹے ڈال دیے گئے ہوں یہ اس لیے کہ تم اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کی ہر شے کا علم ہے اور یہ کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔(۹۷) جان لو کہ بیشک اللہ بہت سخت عذاب والا ہے اور یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔"(۹۸)

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ : اوپر کی آیت میں محرم کے لیے شکار کو حرام قرار دیا، اب اس آیت میں بتایا کہ جس طرح حرم کو اللہ تعالیٰ نے وحشی جانوروں اور پرندوں کے لیے سبب امن قرار دیا ہے، اسی طرح اسے لوگوں کے لیے بھی جائے امن بنایا ہے اور دنیوی اور اخروی سعادتوں کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے، ارشاد فرمایا: (وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا)[آل عمران:۹۷] "اور جو کوئی اس میں داخل ہوا امن والا ہو گیا۔" اور فرمایا: (وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)[القصص:۵۷] "اور انھوں نے کہا اگر ہم تیرے ہمراہ اس ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔ اور کیا ہم نے انھیں ایک باامن حرم میں جگہ نہیں دی؟ جس کی طرف ہر چیز کے پھل کھینچ کر لائے جاتے ہیں، ہماری طرف سے روزی کے لیے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔" اور فرمایا: (وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا)[البقرۃ:۱۲۵] "اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ اور سراسر امن

بنایا۔" اہل مکہ کی معاش (روزی) کا مدار اسی پر ہے کہ لوگ دور دراز سے حج اور تجارت کے ارادے سے یہاں پہنچتے ہیں اور ہر قسم کی ضروریات ساتھ لاتے ہیں جس سے اہل مکہ رزق حاصل کرتے ہیں اور لوگ یہاں پہنچ کر امن وامان پاتے ہیں، حتیٰ کہ جاہلیت میں بھی حرم کے اندر کوئی شخص اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل تک کو کچھ نہ کہتا تھا۔ یہ عبادت وثواب کے اعتبار سے بھی بہترین جگہ ہے۔ الغرض یہ تمام چیزیں لوگوں کے قیام کے باعث ہیں۔ لوگوں کے قائم رہنے کے ذرائع میں یہ بھی شامل ہے کہ قیامت کے قریب جب ایک حبشی کعبۃ اللہ کو گرادے گا تو اس کے بعد بہت جلد قیامت آجائے گی۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کعبہ کو دو پتلی پنڈلیوں والا حبشی گرائے گا۔" [1]

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ: حرمت والے مہینے چار ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان چار مہینوں میں لوگ امن سے سفر اور تجارت کرتے اور اپنے سال بھر کا سامان جمع کر لیتے۔ اس اعتبار سے یہ مہینے بھی گویا لوگوں کی زندگی قائم رہنے کا ذریعہ ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا۔۔ تو (وفد کے لوگوں نے) کہا، اے اللہ کے رسول! ہم سوائے حرمت والے مہینے کے اور کسی ماہ میں آپ کے پاس نہیں آسکتے، اس لیے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان مضر قبیلہ کے کفار حائل ہیں۔۔۔ [2]

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ: "ھدی" کے جانور اور قلادہ پہنائے ہوئے اونٹوں کو بھی اللہ نے ان کے لیے

۱۔ [بخاری، کتاب الحج، باب ھدم الکعبۃ: ۱۵۹۶]

۲۔ [بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان: ۵۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللہ ورسولہ: ۱۷]

امن کا ذریعہ بنادیا تھا۔ اس لیے کہ جو شخص "ھدی" کا عام جانور یا قلادہ پہنایا ہوا اونٹ لے کر، حرم کی طرف روانہ ہوجاتا تھا تو راستے میں کوئی اس سے تعرض نہیں کرتا تھا، ارشاد فرمایا: (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ وَلَاۤ اٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا)[المائدۃ:۲] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ حرم کی قربانی کی اور نہ پٹوں (والے جانوروں) کی اور نہ حرمت والے گھر کا قصد کرنے والوں کی، جو اپنے رب کا فضل اور خوش نودی تلاش کرتے ہیں۔"

سیدنا مسور بن مخرمہ اور سیدنا مروان ؓ بیان کرتے ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) بنو کنانہ کے ایک شخص نے (اہل مکہ سے) کہا، مجھے اجازت دو کہ میں ان (یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤں، (اہل مکہ نے) کہا، ٹھیک ہے، تم ان کے پاس جاؤ۔ چنانچہ جب وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کے پاس آیا، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ فلاں شخص ہے اور یہ اس قوم کا فرد ہے جو قربانی کے جانوروں کی بہت تعظیم کرتے ہیں، سو تم قربانی کے جانور اس کے سامنے لاکر کھڑے کردو۔" چنانچہ صحابہ نے قربانی کے جانور لاکر کھڑے کردیے اور لبیک کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا، سبحان اللہ! ان لوگوں کو کعبہ جانے سے روکنا مناسب نہیں۔ پھر وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور اس نے ان سے کہا، میں نے (ان کے پاس) قربانی کے جانور دیکھے ہیں، یوں کہ ان کے گلے میں پٹے پڑے ہوئے ہیں اور ان کا اشعار کیا جاچکا ہے، سو میں تو

مناسب نہیں سمجھتا کہ انھیں کعبہ سے روکا جائے۔[1]

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: یعنی اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی تمام اشیا کو ان کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا اسے بھی جانتا ہے۔ ارشاد فرمایا: (وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ)[الانعام:۵۹] "اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر ہے اور نہ خشک مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔"

امام ابن ابی شیبہؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ کعبہ اس لیے نام رکھا گیا کہ یہ مربع (شکل میں بنا ہوا) ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا کہ اس کے مربع شکل ہونے کی وجہ سے اس کا نام کعبہ رکھا گیا۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیما للناس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ کے لوگوں کے دین کو قائم رکھنے والا اور ان کے لیے حج کی نشانی بنا دیا۔

۱۔[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجھاد:۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ان سے اس آیت کے بارے میں فرمایا اس کے قیام کے معنی یہ ہے کہ (جو آدمی) اس کی طرف رخ کرتا ہے وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔

امام ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت قیما للناس میں قیام کو قوام نقل کیا ہے یعنی یہ لوگوں کا سہارا ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذر اور ابو الشیخؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قیما للناس میں قیام کا معنی ہے صلاح یعنی یہ ان کے دین کی صلاح کا باعث ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قیما للناس یعنی ان کے دامن کی قوت کا باعث ہے۔

امام ابن منذر اور ابو الشیخؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قیما للناس سے مراد ہے کہ ان کے دین کی عظمت کا باعث ہے۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ سب لوگوں میں بادشاہ تھے جو ان کے بعض کو بعض سے ظلم و زیادتی سے روکتے لیکن عرب میں کوئی بادشاہ نہیں تھا جو ان کے بعض کو بعض سے ظلما و زیادتی سے روکتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بیت الحرام کو ان کے لیے سہارا بنایا جو لوگوں کو ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روکتا اور فرماتا لفظ آیت والشھر الحرام اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو حرمت والے مہینوں اور قلادوں کے ذریعے بھی محفوظ رکھتا۔ ایک آدمی اپنے باپ کے قاتل سے یا اپنے چچا کے بیٹے کے قاتل کو ملتا تو اس سے تعرض نہیں کرتا اور یہ سب کا سب منسوخ کر دیا گیا۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابن شہابؒ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام اور شہر الحرام کو لوگوں کے

لیے سہارا بنایا کہ اس کے ذریعے دور جاہلیت میں امن حاصل کرتے ہیں جب وہ بیت اللہ شریف حرم کی حدود اور حرمت والے مہینوں میں ملتے تو ان کو ایک دوسرے سے کچھ ڈر نہ ہوتا۔

دور جاہلیت میں حرم میں احترام

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذر اور ابو الشیخؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیما للناس والشھر الحرام والھدی والقلائد کے بارے میں فرمایا کہ وہ رکاوٹیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں لوگوں کے درمیان باقی رکھا تھا (جیسے) اگر ایک آدمی جتنا بھی جرم کر لیتا پھر وہ حرم شریف کی پناہ لے لیتا تو اس کو کوئی نہ پہنچتا اور نہ اس کے قریب کوئی آتا اور اگر کوئی حرمت والے مہینے میں اپنے باپ کے قاتل سے بھی ملاقات کرتا تو اس سے کوئی تعارض نہ کرتا اور نہ اس کے قریب آتا۔ اور اگر کوئی آدمی پٹہ ڈالے ہوئے کسی ہدی کے جانور سے ملتا اگرچہ وہ بھوک کی وجہ سے آکاس بیل کھائے ہوتا تو پھر بھی اس سے کوئی تعارض نہ کرتا اور نہ اس کے قریب جاتا اور جب کوئی آدمی بیت اللہ کا ارادہ کرتا تو بالوں سے بنا ہوا ایک پٹہ گلے میں ڈال لیتا تو وہ اس کو بچا لیتا اور لوگوں کو اس سے روک دیتا جب وہ کوئی دوسرے علاقہ کے سفر کا ارادہ کرتا تو اذخر یا سمر کا قلادہ بنا لیتا تو (قلادہ) اس کو لوگوں سے محفوظ رکھتا یہاں تک کہ اپنے گھر پہنچ جاتا یہ وہ رکاوٹیں تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں لوگوں کے درمیان باقی رکھا تھا۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن منذر اور ابو الشیخؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے آیت لفظ آیت جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیما للناس کی تلاوت کی اور فرمایا کہ لوگ برابر دین پر ہوں گے۔ جب تک وہ بیت اللہ کا حج اور قبلہ کا استقبال کرتے رہیں گے۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چار چیزوں کو لوگوں کے لیے قیام بنایا۔ اور ان کے لیے معاملات کا سہارا ہیں۔

امام ابن ابی حاتمؒ، جعفر بن محمدؒ سے اور وہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ لفظ آیت قیما للناس سے مراد ہے کہ خاص طور پر لوگ ان چیزوں کی تعظیم کریں۔

امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے مقاتل بن حیانؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قیما للناس سے مراد ہے کہ یہ ان کے قبلہ کی علامت اور امن بنایا جس میں امن سے رہتے ہیں۔

امام ابوالشیخؒ نے زید بن اسلمؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قیما للناس سے امن مراد ہے۔

امام ابوالشیخؒ نے عبید اللہ بن مسلمؒ سے روایت کیا کہ مجھ سے اس آدمی نے بیان کیا جو سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہے۔ کہا کعبہ کو قیامت کے دن لوگوں کے لیے رکھا جائے گا۔ جو لوگوں کو ان کے اعمال کی خبر دے گا۔

امام ابوالشیخؒ نے ابومجلزؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی جاہلیت والوں میں سے جب احرام باندھتا۔ تو بالوں کا ایک پٹہ گلے میں ڈال لیتا تو اس سے کوئی آدمی تعرض نہ کرتا۔ جب وہ حج کرتا اور حج کو پورا کر لیتا اذخر گھاس کا پٹہ ڈال لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیما للناس والشھر الحرام۔

امام ابوالشیخؒ نے عطا خراسانیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا جب یہ لوگ عظمت والے مہینہ میں داخل ہوتے تو ہتھیار کو رکھ دیتے اور ایک دوسرے کے پاس چلے جاتے۔

امام ابوالشیخؒ نے زید بن اسلمؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا اللہ تعالیٰ

نے جاہلیت کے زمانہ میں عرب لوگوں کے لیے ان کے درمیان یہ چیزیں رکھ دیں کہ جس کے ذریعہ وہ زندگی گزارتے۔ جو آدمی اس میں سے یا کسی ایک کی حرمت کو پامال کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل نہ دیتے۔ یہاں تک کہ بعد اس کے فرمایا لفظ آیت ذلک لتعلموا ان اللہ یعلم مافی السموت ومافی الارض یعنی تاکہ وہ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں لوگ جو کچھ زمین میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس بات کو خوب جان لو کہ تمہارا رب جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جس سے تمہارے ظاہری اور باطنی اعمال کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں، وہ اپنی نافرمانی کرنے والوں کو سخت سزا دیتا ہے اور اطاعت کرنے والوں اور اپنی طرف رجوع کرنے والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر مومن کو اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ سزا (عذاب) کا علم ہو جائے تو کوئی جنت کی طمع نہ کرے اور اگر کافر کو اللہ تعالیٰ کی رحمت (کی وسعت) کا علم ہو جائے تو کوئی اس کی جنت سے ناامید نہ ہو۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں اسے لکھا اور اس نے اپنی ذات سے متعلق بھی لکھا اور وہ کتاب اس کے پاس عرش پر موجود ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔"[2]

۱۔[مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ وأنہا تغلب غضبہ: ۲۷۵۵]

۲۔[بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (ویحذرکم اللہ نفسہ): ۷۴۰۴۔ مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔۔الخ: ۲۷۵۱]

﴿ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ ﴾

رسول پر تو صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، تمہارے کھلے چھپے ہوئے تمام حالات کا جاننے والا اللہ ہے۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا ہے' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عذاب کا ذکر کیا تا کہ لوگ اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں' پھر اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا کہ اگر انسان سے شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے' تو پھر اللہ کی رحمت پر نظر رکھے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر لوگوں کو عمل کی ترغیب دی اور فرمایا رسول کا کام صرف تبلیغ کرنا اور ہدایت دینا ہے' نیک کاموں کی ترغیب دینا اور برے کاموں سے روکنا اور ان کو عذاب سے ڈرانا ہے' تم کو نہ تو جبراً صالح اور نیکوکار بنانا رسول کا منصب ہے اور نہ تم میں ایمان اور تقوی پیدا کرنا رسول کی ذمہ داری ہے اور نہ نیکیوں پر ثواب عطا کرنا اور برائیوں پر عذاب دینا رسول کا کام ہے جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم کو نیکی اور برائی کے راستے دکھا اور بتا دیئے تو ان کا کام ختم ہو گیا' اب ان پر عمل کرنا نہ کرنا تمہارا معاملہ ہے اور اس پر ثواب عطا کرنا یا عذاب دینا یہ اللہ کا کام ہے۔

﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ

الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے' چاہے ناپاک شے کی کثرت تمہیں اچھی لگے تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اے ہوش مندو' تاکہ تم فلاح پاؤ۔

شان نزول: (آیت) "قل لا یستوی الخبیث"

واحدیؒ اور اصبہانیؒ نے ترغیب میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے شراب کی حرمت بیان کی تو یہ سن کر ایک اعرابی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میری یہی تجارت تھی اور میں نے اس کام میں کافی مال حاصل کیا ہے اگر میں اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کروں تو کیا وہ مال مجھ کو فائدہ دے گا؟

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ چیز کے علاوہ اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کے لیے یہ آیت نازل فرمادی کہ آپ فرمادیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں۔

اللہ کی نگاہ میں اشخاص، اعمال اور اموال میں اچھے اور برے برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ہمیشہ صالح اعمال اور حلال مال کے حصول کی کوشش میں لگے رہنا چاہیے۔ خبیث کی کثرت اگرچہ بعض اوقات انسان کو متاثر کرتی ہے، لیکن اللہ کے نزدیک ہمیشہ اعتبار صالحیت اور عمدگی کا ہوتا ہے، قلت و کثرت کا نہیں۔ اگر افراد یا مال یا عمل، صالح ہے تو تھوڑا بھی مذموم وخبیث کی کثرت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس

لیے مومنوں کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ خبیث سے احتراز کریں اور طیب وصالح کو ترجیح دیں، چاہے وہ کم ہو۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو کوئی ایک کھجور کے برابر بھی حلال کمائی سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ حلال کمائی ہی سے صدقہ قبول کرتا ہے، تو (حلال کمائی سے کیا گیا صدقہ) اللہ تعالیٰ دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے، پھر اس کے مالک کے لیے اسے پالتا (بڑھاتا) رہتا ہے، جس طرح کوئی تم میں سے اپنا بچھیرا پالتا ہے، یہاں تک کہ وہ (صدقہ) پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔"[1]

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا خبیث سے مراد مشرک اور طیب سے مراد مومن ہے۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حلال کا ایک درہم میں صدقہ کروں یہ مجھے زیادہ محبوب ہے دو لاکھ حرام کے صدقہ کرنے سے اگر تم چاہو تو اللہ کی کتاب پڑھ لو لفظ آیت قل لا یستوی الخبیث والطیب۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے روایت کیا کہ ہم سے بیان کیا کہ یونس بن عبدالاعلیؒ نے اور انھوں نے کہا کہ ہم سے بیان کیا ابن رہبؒ نے اس سے کہا کہ ہم سے یعقوب بن عبدالرحمن اسکندرانیؒ نے بیان فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرف ان کے بعض عمال نے لکھا اور انھوں نے اس میں یہ ذکر کیا کہ خراج کم اکٹھا ہوا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کی طرف لکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت لا یستوی الخبیث

۱۔[بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب: ۱۴۱۰۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا: ۱۰۱۴]

والطیب ولواعجبک کثرۃ الخبیث اگر تو طاقت رکھے عدل، اصلاح اور احسان کرنے کی جہاں تم سے پہلے ظلم فسق، فجور اور سرکش ہوئی نہیں تو ایسا کر۔ قوت تو اللہ کے پاس ہے۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت یاولی الالباب کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے لیے سمجھ ہو یا عقل ہو۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جارہا ہے تو تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں گی۔ اللہ نے ان سے درگزر فرمایا اور اللہ خوب بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔

شان نزول: (آیت) ”یایھا الذین امنوا لاتسئلوا عن اشیآء“

امام بخاریؒ نے انس بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خطبہ دیا تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فلاں ہے اس پر یہ آیت

نازل ہوئی یعنی اے ایمان والو ایسی باتیں مت پوچھو (الخ)۔

نیز ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیہودہ سوالات کیا کرتے تھے کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے اور کسی کی اونٹنی گم ہوجاتی تو وہ دریافت کرتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے، اس پر ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور ابن جریرؒ نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے اور امام احمدؒ، ترمذی اور حاکمؒ نے حضرت علیؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر ایک سال حج کرنا فرض ہے، آپ خاموش رہے، پھر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر ایک سال ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر ایک سال حج کرنا فرض ہوجاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اے ایمان والو ایسی باتیں مت دریافت کرو کہ اگر وہ ظاہر کردی جائیں تو اس پر فرمایا نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہوجاتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اے ایمان والو ایسی باتیں مت دریافت کرو کہ اگر وہ ظاہر کردیں جائے تو ان کی تکمیل ناگوار گزرے اور ابن جریرؒ نے ابوامامہؓ اور ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے، حافظ بن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس چیز میں کوئی اشکال نہیں کہ یہ آیت دونوں باتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو مگر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کرنے کے متعلق احادیث

لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بکثرت سوال کرتے تھے ان میں مسلمان بھی تھے اور منافق بھی۔ مسلمان تو امر واقع کو دریافت کرنے کے لیے سوال کرتے تھے' اور منافق امتحاناً' استہزاء اور عناداً سوال کرتے تھے' کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی پوچھتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا: کہ اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور بلند آواز سے رونے لگے' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ فلاں ہے' تب یہ آیت نازل ہوئی' ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔ (۱)

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے استہزاء سوال کرتے تھے' کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ کوئی کہتا میری اونٹنی گم ہوگئی' وہ اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۲)

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوالات کیے' حتی کہ

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۲۱' صحیح مسلم' فضائل: ۱۳۴' (۲۳۵۹) ۶۰۰۴' سنن ترمذی ج ۶' رقم الحدیث: ۳۰۶۷' سنن کبری للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۵۴)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۲۲)

بہت زیادہ سوال کیے تو ایک دن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: تم مجھ سے جس چیز کے متعلق سوال کرو گے میں تمہیں اس چیز کے متعلق بیان کروں گا' میں دائیں اور بائیں دیکھ رہا تھا' اس وقت ہر شخص اپنے کپڑوں میں سر ڈالے ہوئے رو رہا تھا' ایک شخص کا جب کسی سے جھگڑا ہوتا تھا تو لوگ اس کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرتے تھے' وہ کہنے لگا اے اللہ کے نبی میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باحذافہ ہے' پھر حضرت عمرؓ نے کہا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں' اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسول مان کر' ہم برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں نے آج کی طرح خیر و شر کو نہیں دیکھا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر کو پیش کیا گیا' حتی کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔ قتادہؒ اس حدیث کا اس آیت کو پڑھتے وقت ذکر کرتے تھے: "اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو۔" [1]

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستے کی استطاعت رکھتے ہوں (آل عمران: ۹۷) تو صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ خاموش رہے' انھوں نے پھر پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ نے فرمایا نہیں اور اگر میں ہر سال میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اے

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۰۸۹' صحیح مسلم' فضائل ۱۳۷' (۲۳۵۹) ۶۰۰۸' مسند احمد' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۲۷۵۶' طبع دار الحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ٤' رقم الحدیث: ۱۳۶۶۷۔ ۱۲۸۲۰' طبع دار الفکر' بیروت' مسند احمد' ج ۳' ص ۱۷۷' طبع قدیم)

ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں‘۔ (المائدہ: ۱۰۱)۔ [۱]

امام ابوجعفر محمد ابن جریرؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر تشریف لائے‘ درآنحالیکہ آپ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا‘ آپ منبر پر بیٹھ گئے‘ ایک شخص نے سوال کیا: میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں‘ دوسرے نے سوال کیا‘ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ؟ حضرت عمر بن خطابؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں‘ اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر‘ یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت اور شرک سے تازہ تازہ نکل کر آئے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو اللہ جانتا ہے‘ پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو۔ [۲]

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جن چیزوں کے متعلق سوال کیے جاتے تھے ان میں سے بعض مخفی ہوتی تھیں‘ جن کے ظاہر ہونے سے کسی کا پردہ فاش ہو سکتا تھا اور اس کی رسوائی کا خطرہ تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی نے پوچھا تھا: کہ میرے باپ کون ہیں؟ فرض کیجئے‘ کہ ان کے باپ حذافہ نہ ہوتے‘ کوئی اور ہوتے تو لوگوں میں رسوا ہو جاتے اور ان کی ماں کی ناموس پر دھبہ لگ جاتا‘ اسی طرح

۱۔ (سنن ترمذی‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۳۰۶۶‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۲۸۸۴‘ صحیح مسلم‘ الحج‘ ۴۱۲‘ (۱۳۳۷) ۳۱۹۹‘ سنن نسائی‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۲۶۱۹)

۲۔ (جامع البیان‘ جز ۷ ص ۱۱۰ مطبوعہ دار الفکر‘ بیروت ۱۴۱۵ھ)

جس شخص نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہر سال میں حج کرنا فرض ہے' اگر آپ ہاں فرما دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور مسلمان محض اس وجہ سے مشکل میں پڑ جاتے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

سلمان ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ سے گھی' پنیر اور جنگلی گدھے کے متعلق سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حلال ہے اور حرام وہ ہے' جو اللہ کی کتاب میں حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت کیا' وہ معاف ہے۔ (۱)

حضرت ابوثعلبہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں' ان کو ضائع مت کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے' ان میں ملوث نہ ہو اور کچھ اشیاء سے سکوت فرمایا' ان میں تمہارے لیے رخصت ہے' اللہ انھیں بھولا نہیں ہے' تم ان سے بحث نہ کرو۔ (۲)

حضرت سعد بن وقاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی۔ (۳)

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے' ان میں سے اجتناب کرو اور جن کا حکم دیا ہے' ان کو بجالاؤ جتنی تمہاری استطاعت

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۳۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۶۷)

۲۔ (سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۲' المستدرک' ج ۲ ص ۱۲۲)

۳۔ (صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۸۹' صحیح مسلم' فضائل' ۱۲۳' (۲۳۸۸)' ۶۰۰۱' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۱۰)

ہے' کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ [1]

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت کے محامل

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زیر تفسیر آیت اور احادیث مذکورۃ الصدر میں سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے' حالانکہ قرآن مجید کی ایک اور آیت اور ایک حدیث میں سوال کرنے کا حکم فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(آیت) "فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون"۔ (الانبیاء:۷)

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے سوال کرو۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ؒ متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا' جس سے اس کا سر پھٹ گیا' پھر اس کو احتلام ہو گیا' اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا میرے لیے تیمم کرنے کی رخصت ہے؟ انھوں نے کہا نہیں' تم پانی کے استعمال پر قادر ہو' تمہارے لیے تیمم کی رخصت نہیں۔ سو اس نے غسل کیا اور وہ فوت ہو گیا' جب ہم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ نے فرمایا انھوں نے اس کو مار ڈالا' اللہ ان کو ہلاک کر دے' جب ان کو مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انھوں نے سوال کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ جہالت کی شفا سوال کرنا ہے' اس کے لیے تیمم

۱۔ (صحیح مسلم' فضائل:۱۳۰ (۱۳۳۷) ۵۹۹۸)

کرنا کافی تھا' یا وہ اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم پر پانی بہاتا۔ [1]

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا امتحان لینے کے لیے یا آپ سے استہزاء کے طور پر سوال کرنے سے ان کو منع کیا گیا تھا' یا جس عبادت کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم نہیں دیا تھا' نہ اس کا اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا' اس کے متعلق سوال کرنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا تھا' یا جس چیز سے کسی کی پردہ دری ہوتی ہو اس کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا تھا' لیکن جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اس کا وجوب ثابت ہو چکا ہو' اس کی وضاحت کے متعلق سوال کرنا جائز ہے' جیسا کہ اس آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو گا تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائے گی۔ (المائدہ ۱۰۱)

اثناء وحی میں جو حکم مجمل ہو اس کی وضاحت کے لیے سوال کرنا' جو چیز سمجھ میں نہ آئے اس کو پوچھنا' کسی پیش آمدہ حاجت کے متعلق سوال کرنا' یہ تمام سوالات جائز ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں ان کی بہت نظائر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت بیان فرمائی' اور جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت بیان فرمائی اور حاملہ کی عدت بیان فرمائی اور اس عورت کی عدت بیان نہیں فرمائی جس کو حیض آتا ہو' نہ حمل ٹھہرتا ہو' یعنی وہ بہت بوڑھی ہو' تو صحابہ نے اس کے متعلق سوال کیا' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(آیت) "والی یئسن من المحیض من نسآئکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر"۔ (الطلاق: ٤)

ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تمہیں اشتباہ ہو (کہ ان کی عدت کیا

۱۔ (سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۳۶' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۷۲' مسند احمد ج ۱' ص ۳۷۰' طبع قدیم)

ہوگی؟) تو ان کی عدت تین مہینے ہے

(آیت) "یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی والمسکین وابن السبیل"۔(البقرہ:۲۱۵)

ترجمہ: وہ آپ سے خرچ کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہئے کہ تم جو (مال) بھی خرچ کرو تو وہ ماں باپ' قریبی رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔

(آیت) "یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل"۔(البقرہ:۲۱۷)

ترجمہ: وہ آپ سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ کہئے اس میں قتل کرنا بڑا گناہ ہے' اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس سے نکلنا' اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے زیادہ سخت ہے۔

(آیت) "یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما"۔(البقرہ:۲۱۹)

ترجمہ: وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں' اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑا ہے۔

(آیت) "یسئلونک عن الیتمی قل اصلاح لھم خیر"۔(البقرہ:۲۲۰)

ترجمہ: وہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہئے کہ ان کی اصلاح زیادہ بہتر ہے۔

(آیت) "یسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النسآء فی المحیض"۔(البقرہ:۲۲۲)

ترجمہ: وہ آپ سے حیض کے حکم کا سوال کرتے ہیں' آپ کہئے کہ وہ گندگی ہے' پس عورتوں سے حالت

حیض میں الگ رہو۔

قرآن مجید میں اس طرح کے سوالات کی پندرہ آیتیں ہیں' جن میں سے بارہ آیتوں میں صحابہ کرامؓ کے سوالات ہیں' ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں' کسی چیز کا حکم معلوم کرنے کے لیے' کسی شرعی حکم کی وضاحت کے لیے' اور کسی اشتباہ کو دور کرنے کے لیے سوال جائز ہے' احادیث میں بھی اس کی بہت نظائر ہیں۔

آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے صحابہ کرامؓ امور مستقبلہ کے متعلق بھی سوال کرتے تھے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک مجلس میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صحابہ کرامؓ سے گفتگو فرما رہے تھے' کہ ایک اعرابی نے آپ کی حدیث کے دوران سوال کیا: قیامت کب ہوگی؟ آپ نے اپنی حدیث جاری رکھی' پھر سائل کو متوجہ کر کے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا' اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ [1]

صحابہ کرامؓ کسی پیش آمدہ مسئلہ اور حادثہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کرتے تھے:

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کے لیے ٹھہر گئے' لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے' ایک شخص نے کہا مجھے پتا نہیں چلا اور میں نے

۱۔ صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

ذبح سے پہلے سر منڈا لیا' آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں (اب) ذبح کرلو ایک اور شخص نے کہا مجھے پتا نہیں چلا میں نے رمی سے پہلے نحر کرلیا' آپ نے فرمایا اب رمی کرلو' کوئی حرج نہیں ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کیا گیا جس کو مقدم یا موخر کیا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کرلو کوئی حرج نہیں ہے۔ [1]

امام احمد اور امام شافعیؒ کے نزدیک تقدیم تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے دم لازم آتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح مروی ہے' اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس سے آخرت میں حرج یعنی گناہ نہیں ہوگا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ابواھاب کی بیٹی سے شادی کی' ایک عورت نے ان سے کہا: میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے' حضرت عقبہؓ نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے پہلے مجھے بتایا تھا' پھر وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس مدینہ پہنچے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا' تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم اس سے الگ کیوں نہیں ہوتے؟ جبکہ یہ کہا گیا ہے' تو عقبہ اس عورت سے الگ ہو گئے۔ [2]

آپ کا یہ ارشاد بطور استحباب ہے' ورنہ ایک عورت کے قول سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی' ثبوت رضاعت کے لیے دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی' میں نے حضرت مقدادؓ سے کہا کہ اس کے متعلق

۱۔ (صحیح بخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

۲۔ (صحیح بخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

سوال کریں انھوں نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو ہے۔[1]

خواتین آپ سے عورتوں کے خصوصی مسائل دریافت کرتی تھیں:

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا' کیا عورتوں پر بھی احتلام کی وجہ سے غسل فرض ہے؟ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہاں جب وہ پانی دیکھ لے' حضرت ام سلمہؓ نے کپڑے میں اپنے منہ کو چھپا کر کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں پھر بچہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے۔[2]

﴿ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

تم سے پہلے ایک قوم نے اسی قسم کے سوالات کیے تھے' پھر وہ لوگ انہی باتوں کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔

کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے پچھلی امتوں کا ہلاک ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تم سے پہلی قوموں نے اپنے نبیوں سے چند فرمائشی معجزات کا سوال کیا تھا' جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سوالات کو پورا کر دیا اور ان نبیوں کو وہ معجزات عطا فرما دیئے تو وہ ان نبیوں

۱۔(صحیح البخاری: ج۱ رقم الحدیث: ۱۳۲)

۲۔(صحیح البخاری: ج۱ رقم الحدیث: ۱۳۰ بیروت)

پر ایمان لانے کی بجائے اپنے انکار اور کفر میں پختہ ہو گئے' جیسے حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم نے اونٹنی کا سوال کیا تھا' اور جب وہ اونٹنی آ گئی تو انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں' اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے یہ سوال کیا تھا کہ ان پر آسمان سے دستر خوان نازل کیا جائے اور جب ان پر دستر خوان نازل کر دیا گیا تو وہ کفر میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وساطت سے اور ان کی زبان سے تنبیہہ کی ہے کہ وہ سوالات کرنے کے معاملہ میں اپنے سے پہلی امتوں کے راستہ پر نہ چل پڑیں' اس لیے فرمایا کہ تم فرمائشی معجزات کا سوال نہ کرو' نہ کسی کا پوشیدہ راز معلوم کرو' اور جو چیز تم پر فرض یا حرام نہیں کی گئی اس کا سوال نہ کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا بیان کیا جائے تو تم کو ناگوار ہو یا تم کسی دشواری میں پڑ جاؤ۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے' ان سے اجتناب کرو' اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے' ان کو بجا لاؤ' جتنی تمہاری استطاعت ہے' کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ [1]

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے جو چیزیں چھوڑی ہیں' تم بھی ان کو چھوڑ دو' تم سے پہلے لوگ اپنے سوالوں کی وجہ سے اور اپنے نبیوں

۱۔ (صحیح مسلم' فضائل' ۱۳۰' (۱۳۳۷) ۵۹۹۷)

سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے' پس جب میں تم کو کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے اجتناب کرو' اور جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس کو بجالاؤ' اپنی استطاعت کے مطابق۔ [1]

سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا) [آل عمران: ۹۷] "اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے۔" تو صحابہؓ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ خاموش رہے۔ انھوں نے پھر پوچھا، کیا یہ ہر سال فرض ہے؟ آپ پھر بھی خاموش رہے۔ انھوں نے سہ بار پوچھا، کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہیں! ہر سال فرض نہیں ہے اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا، جبکہ تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔" چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ)۔ [2]

﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ﴾

۱۔ (صحیح بخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۲۸۸' صحیح مسلم' الحج' ۴۱۲' (۱۳۳۷) ۳۱۹۹' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۸۸' سنن نسائی ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۱۹' صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۔۲۰۔۱۹۔۱۸' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۳۷۱)

۲۔ [مسند أحمد: ۱/ ۱۱۳، ح: ۹۰۸۔ مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر: ۱۳۳۷]

اللہ نے مقرر نہیں فرمایا نہ کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام، لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر وہ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

البحیرہ: کا معنی

بحر کے معنی وسعت ہے' جب کسی اونٹنی کے کان کو بہت لمبا چیر دیا جائے تو اسے بحیرہ کہتے ہیں' جب کوئی اونٹنی دس بچے جنتی تو وہ اس کا کان چیر کر اس کو آزاد چھوڑ دیتے' اس پر سواری کی جاتی نہ اس پر سامان لادا جاتا۔ [1]

مسروق ؒ نے بیان کیا کہ جب اونٹنی کے پانچ یا سات بچے ہو جاتے تو وہ اس کا کان چیر دیتے اور کہتے ہیں یہ بحیرہ ہے۔

قتادہ ؒ نے بیان کیا کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو وہ پانچویں بچے کو دیکھتے اگر وہ نر ہوتا تو اس اونٹنی کو ذبح کر دیتے اور اس کو صرف مرد کھاتے' اور اگر وہ بچہ مردہ ہوتا تو اس اونٹنی میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوتے اور اگر پانچویں بار اونٹنی مونث کو جنم دیتی تو اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا' اس کا دودھ دوہا جاتا نہ اس پر سواری کی جاتی' نہ اس کے بالوں کو حاصل کیا جاتا اور نہ اس کو ذبح کیا جاتا۔ [2]

السائبہ کا معنی

۱۔ (المفردات' ص ۳۷' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

۲۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۱۳۳۔ ۱۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جن لے تو اس کو چراگاہ میں چھوڑ دیا جاتا تھا' اور اس کو پانی اور چارے سے منع نہیں کیا جاتا تھا' اس کو سائبہ کہتے تھے۔ (۱)

شعبیؒ نے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی اونٹنیوں اور بکریوں کو اپنے بتوں کے پاس ذبح کے لیے چھوڑ دیتے تھے' وہ لوگوں کی بکریوں کے ساتھ خلط سلط ہو جاتیں' ان کا دودھ صرف دوہتے تھے' اور جب ان میں سے کوئی مر جاتی تو مرد اور عورت دونوں اس کا گوشت کھاتے تھے۔ یہ سائبہ کی تفسیر ہے۔

سدیؒ نے سائبہ کی تفسیر میں بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی شخص کا مال بہت زیادہ ہو جاتا' یا وہ کسی بیماری سے شفایاب ہو جاتا یا کسی سفر سے کامیاب لوٹتا تو وہ اپنی کسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیتا' کوئی شخص اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ابن المسیبؒ نے کہا جس اونٹنی کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے وہ سائبہ کہلاتی۔ (۲)

سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کی بتوں کے لیے نذر مانی جاتی اور اس کو بتوں کے خدام اور محافظوں کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہ جہاں چاہتی' چرتی اس پر سامان لادا جاتا نہ اس کا اون کاٹا جاتا' اور نہ اس کا دودھ دوہا جاتا' البتہ مہمان مستثنیٰ تھا۔ (۳)

الوصیلہ کا معنی

جب کسی شخص کی بکری نر اور مادہ دو بچے جنتی تو کہتے کہ بکری اپنے بھائی سے واصل ہو گئی ہے' پھر اس بچے

۱۔ (المفردات' ص ۲۴۶' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

۲۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۱۲۳۔۱۲۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

۳۔ (التفسیر المنیر' جز ۷' ص ۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

کی وجہ سے نر اور مادہ کو جنتی تو کہتے کہ یہ بکری اپنے بھائی سے واصل ہوگئی ہے' پھر اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو بھی نہیں کرتے تھے' اس بکری کو مشرکین زمانہ جاہلیت میں "الوصیلہ" کہتے تھے۔ (۱)

علقمہؒ نے الوصیلہ کی تعریف میں کہا: جب اونٹنی صرف نر بچے کو جنم دیتی تو اس اونٹنی کو مرد کھاتے تھے' اور جب ایک ساتھ نر اور مادہ کو جنتی تو کہتے یہ اپنے بھائی کے ساتھ واصل ہوگئی ہے' پھر ان دونوں کو نہیں کھاتے تھے' اور جب نر مر جاتا تو اس کو صرف مرد کھاتے تھے' گویا نر کے ساتھ پیدا ہونے والی اونٹنی وصیلہ تھی۔

ابن المسیبؒ نے بیان کیا کہ وصیلہ وہ اونٹنی تھی جو پہلی بار مادہ کو جنم دے' دوسری بار پھر مادہ کو جنم دے' وہ کہتے تھے کہ یہ وصیلہ ہے' دو مادہ اونٹنیوں کے درمیان نر نہیں ہے' اس اونٹنی کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ (۲)

الحامی کا معنی

وہ نر جو دس مرتبہ مادہ کو گابھن کر دے' اس کو حامی کہتے تھے' اس پر سامان لادا جاتا تھا' نہ اس پر سواری کی جاتی تھی۔ (۳)

قتادہؒ نے کہا جو اونٹ اور اس کا بیٹا دس مرتبہ گابھن کر دے' وہ حامی ہے۔

امام ابن جریرؒ نے کہا کہ جس اونٹ کی ضرب سے مسلسل دس اونٹنیاں پیدا ہوں' درمیان میں نر نہ ہو' اس کو

۱۔ (المفردات' ص ۵۵' مطبوعہ ایران' ۱۴۶۲ھ)

۲۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۱۲۳۔۱۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

۳۔ (المفردات' ص ۱۳۳۔۱۳۲' مطبوعہ ایران' ۱۴۶۲ھ)

حامی کہتے تھے' اس پر سواری کی جاتی' نہ اس پر سامان لادا جاتا' نہ اس کا اون کاٹا جاتا' اس کو پانی اور چراگاہ سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔ [1]

بحیرہ اور سائبہ وغیرھما کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب ؒ نے بیان کیا کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنا بتوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا' اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا' اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے' اور اس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا' اور حضرت ابو ہریرہ ؓ نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی ؒ کو دیکھا' وہ دوزخ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا' اور یہی وہ شخص ہے جس نے سب پہلے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا تھا' اور وصیلہ وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار اونٹ جنتی ہے اور دوسری بار اونٹنی جنتی ہے' وہ اس کو اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے' بشرطیکہ وہ یکے بعد دیگرے مادہ کو جنم دے اور اس کے درمیان نر نہ ہو' اور حامی نر اونٹ ہے' جو چند معین مرتبہ گیا بھن کرے' جب وہ اپنا عدد پورا کرے تو وہ اس اونٹ کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے' اور اس پر سامان نہیں لادتے تھے' اور اس کو الحامی کہتے تھے۔

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں نے دیکھا کہ دوزخ کی بعض آگ بعض کو کھا رہی تھی' اور میں نے دیکھا کہ عمرو اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا اور یہ پہلا شخص تھا

۱۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۱۲۳۔۱۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

جس نے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا۔ [1]

امام احمد بن حنبل ؒ متوفی ۲۴۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالاحوص ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب تمہاری اونٹنیاں پیدا ہوتی ہیں تو ان کے کان سالم ہوتے ہیں، پھر تم استرا لے کر ان کے کان کاٹ ڈالتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بحیرہ ہے اور ان کے کان چیر دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ حرام ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اللہ کی کلائی بہت سخت ہے اور اس کا استرا بہت تیز ہے اور تمہارا ہر مال جو تمہارے لیے حلال ہے اس میں سے کوئی چیز حرام نہیں کی گئی۔ [2]

حافظ جلال الدین سیوطی ؒ متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق ؒ، امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن جریر ؒ نے زید بن اسلم ؒ سے روایت کیا ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں اس شخص کو ضرور پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا اور بتوں کے سامنے ذبح کرنے کے پتھر نصب کیے اور جس شخص نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کو تبدیل کیا۔ صحابہ ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ شخص کون ہے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وہ شخص بنو کعب کا بھائی عمرو بن لحی ہے۔ میں نے اس کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا، اور اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو اذیت پہنچ رہی تھی، اور میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے بحیرہ کے کان چیرے۔ صحابہ ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بنو مدلج کا

۱۔ (صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۶۲۴۔۴۶۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

۲۔ (مسند احمد ج ۵، رقم الحدیث: ۱۵۸۸۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۰، جامی البیان، جز ۷، ص ۱۱۹۔۱۱۸)

ایک شخص ہے جس کی دو اونٹنیاں تھیں' اس نے ان کے کان چیرے اور ان کا دودھ دوہنا اور ان پر سامان لادنا حرام کر دیا' پھر اس کو ضرورت ہوئی تو اس نے ان کا دودھ پیا اور ان کی پشت پر سوار ہوا میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا' وہ اونٹنیاں اس کو اپنے مونہوں سے بھنبھوڑ رہی تھیں اور اپنے کھروں سے روند رہی تھیں۔ [1]

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ ﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت پاتے ہوں۔

بحیرہ وغیرہ کی تحریم کا خلاف عقل ہونا

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے کفار کی تشریع کو رد کر دیا ہے' اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا ہے' اور نہ یہ اس کی سنت ہے اور نہ شریعت میں اس کو عبادت قرار دیا ہے' اور اگر یہ جاہل عقل سے کام لیتے تو اول تو کفر اور شرک نہ کرتے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے

---

[1]۔ (یہ حدیث مرسل ہے) (درمنثور' ج ۲ ص ۳۳۸' جامع البیان' جز ۷' ص ۱۱۸' روح المعانی' جز ۷' ص ۴۴)

ہوئے بتوں کی پوجا نہ کرتے اور ان جانوروں کو بتوں کے لیے وقف کر کے اور ان سے حصول نفع کو حرام کر کے مزید گمراہ نہ ہوتے' جو پتھر کسی قسم کے نفع اور نقصان پر اصلا قادر نہیں ہیں' نہ ان کی پکار سن سکتے ہیں' نہ اس کا جواب دے سکتے ہیں' ان کی پرستش کرنے سے کیا حاصل؟ اور جانوروں کو ان کی خاطر حرام کرنے سے کا فائدہ ہے؟

جو مشرکین مختلف شرکیہ اعمال میں مبتلا تھے، ان سے جب کہا جاتا کہ تم لوگ اپنے باپ دادا کی تقلید چھوڑ دو، جنھوں نے اللہ کے بارے میں افترا پردازی سے کام لیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول جو کہتے ہیں اس پر عمل کرو، تو وہ فوراً بول اٹھتے کہ ہم تو اپنے باپ دادا ہی کی تقلید کریں گے، اس کا جواب اللہ نے دیا کہ کیا باپ دادا کی تقلید ان کے لیے کافی ہوگی۔

چاہے ان کے وہ باپ دادا حق کو جانتے اور پہچانتے نہ ہوں، اس آیت میں اگرچہ عرب کے مشرکین کی بات ہو رہی ہے، مگر لفظ عام ہیں جن میں ان تمام لوگوں کی مذمت کی جا رہی ہے جو حق بات پر غور و فکر کرنے اور اسے مان لینے کی بجائے اپنے باپ دادا کے رسم و رواج یا مذہبی پیشواؤں کی تقلید کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ)[البقرۃ: ۱۷۰] "اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت پاتے ہوں۔"

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ : سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس ہدایت اور علم کی مثال، جس کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے، مثل تیز بارش کے ہے، جو زمین پر برسے۔ تو جو زمین صاف ہوتی ہے وہ پانی کو جذب کر لیتی ہے۔

پھر اس سے بہت سارا چارا اور گھاس اگتی ہے اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، وہ (اس کو) پیتے ہیں اور (اپنے جانوروں کو) پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں اور کچھ بارش (زمین کے) دوسرے حصے کو پہنچی کہ جو بالکل چٹیل میدان ہے، نہ پانی کو روکتا ہے اور نہ سبزہ اگاتا ہے۔ پس یہی مثال ہے اس شخص کی جو اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرے اور جس چیز کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے، وہ چیز اسے فائدہ دے اور وہ (اس کو) پڑھے اور پڑھائے اور مثال ہے اس شخص کی جس نے اس کی طرف سر (تک) نہ اٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو، جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، قبول نہ کیا۔" [1]

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنے آپ کو بچانا لازم ہے تمہیں وہ شخص نقصان

۱۔ [بخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلّم: ۷۹]

نہیں پہنچائے گا جو گمراہ ہے جب تم ہدایت پا چکے ہو۔ تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔"

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب مشرکین کو اللہ کے دین کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور دادا کو پایا غرض! ان جاہلوں اور گمراہوں کو اسلام کی طرف بلانے کی مسلمانوں نے پوری کوشش کی۔ اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اخروی انعامات کی ترغیب دی۔ اس کے باوجود جب ان جاہلوں نے اپنی جہالت اور گمراہی پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو! تم ان کی جہالت اور گمراہی کی پروانہ کرو اور ان کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ بلکہ تم اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے رہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے' ان سے اجتناب کرتے رہو، اس لیے اس آیت میں فرمایا اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اہل کتاب سے جزیہ قبول کر لیتے تھے اور عرب کے مشرکین سے جزیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کے لیے صرف دو راستے تھے' یا اسلام قبول کر لیں یا پھر جنگ کے لیے تیار رہیں۔ تب منافقوں نے مسلمانوں کو ملامت کی کہ تم بعض کفار سے جزیہ قبول کرتے ہو اور بعض سے قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی ملامت کی پروانہ کرو' مسلمانوں کو اس سے بہت سخت

تکلیف ہوتی تھی کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بسیار تبلیغ' اس قدر معجزات کے مشاہدہ اور آپ کی اتنی کوششوں کے باوجود یہ کفار کفر کو نہیں چھوڑتے اور اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی' جس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو مسلمان کرنے کے مکلف نہیں ہو' تم صرف اپنی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی جہالت اور گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ [1]

نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ضرور ہونا

"تم اپنی فکر کرو" کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو گناہوں کے ارتکاب سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھو اور اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کی فکر کرو۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ برے کام کر رہے ہیں تو کرنے دو تم صرف اپنی فکر کرو' جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی کو نیکی کا حکم دینا یا برائی سے روکنا واجب نہیں ہے' صرف اپنی اصلاح کر لینا کافی ہے۔ حالانکہ یہ معنی قرآن مجید اور احادیث کی دوسری نصوص کے خلاف ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے نہیں روکتا تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا' کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے' اس لیے تم اپنی فکر کرو کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو' اس کے باوجود اگر لوگ برے کاموں سے باز نہ آئیں تو تم فکر نہ کرو' جب تم ہدایت پر ہو' نیکی کر رہے ہو اور نیکی کا حکم دے رہے ہو' تو کسی کی برائی سے تمہیں ضرر نہیں ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے متعلق احادیث

۱۔ (تفسیر کبیر' ج ۳' ص ۴۶۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب بنو اسرائیل میں گناہ بہت بڑھ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا' وہ باز نہیں آئے۔ وہ علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو اللہ نے ان کے دل بھی ان کی طرح کر دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی' کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ٹیک لگائے ہوئے تھے' پھر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔

(امام ابوداؤد کی روایت میں ہے) تم ان کو ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ظالموں کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق کے مطابق عمل پر مجبور کرنا۔ [1]

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

قیس بیانؒ کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اللہ کی حمد وثنا کرنے کے بعد فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت تلاوت کرتے ہو اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا (المائدہ: ۱۰۵) اور تم اس آیت سے غلط مطلب نکالتے ہو اور ہم نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جب لوگ ظالم کو دیکھیں' اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا اور ھیثم کی روایت میں ہے جس کسی قوم میں گناہوں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۸' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۳۶' سنن ابن ماجہ' ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۶)

ان گناہوں کو مٹانے پر قادر ہوں پھر نہ مٹائیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کی اصلاح کریں اور مقدور بھر کوشش کر کے نیک کام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی اصلاح کر لے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ حتی المقدور ادا کرے تو دوسروں کی گمراہی کا وبال اس کے سر نہیں آئے گا۔ اس لیے کہ روز قیامت کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہر شخص کو اس کے اپنے کیے کا بدلہ ملے گا۔ دوسروں کا گناہ اس کے سر نہیں ڈالا جائے گا۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ سمجھ لیا کہ انسان بس اپنی نجات کی فکر کرے دوسروں کی اصلاح ضروری نہیں، چنانچہ اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے۔ سیدنا قیس بن ابی حازمؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکرؓ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا، لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو: (يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ) [المائدۃ: ۱۰۵] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنی جانوں کا بچاؤ لازم ہے، تمہیں وہ شخص نقصان نہیں پہنچائے گا جو گمراہ ہے، جب تم ہدایت پا چکے" اور تم اس سے غلط استدلال کرتے ہو، میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "بیشک لوگ جب کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔" اور اسی روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب کسی قوم میں کچھ لوگ برائی کریں اور دوسرے لوگ اسے ختم کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور وہ اسے ختم

۱۔ (سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۸، سنن کبری للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۱۵۷، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۵)

نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوتاہی کی وجہ سے ان سب کو عذاب میں شامل کرے۔"[1]

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ
غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ
الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ
ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ
شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا
اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ
عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ
شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى
اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ

۱۔[أبوداؤد، کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی: ۴۳۳۸۔ ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی نزول العذاب إذا لم یغیر المنکر: ۲۱۶۸۔ مسند أحمد: ۵/۱، ح: ۱۷]

اَیۡمَانِہِمۡ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اسۡمَعُوۡا ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آ جائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لیے شہادت کی شرط یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو معتبر آدمی گواہ بنائے جائیں، یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آ جائے تو غیر مسلموں میں ہی سے دو گواہ لے لیے جائیں۔ پھر اگر کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو روک لیا جائے اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم کسی بھی ذاتی فائدہ کے لیے گواہی کو بدلنے والے نہیں ہیں، اور چاہے کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی ہم اللہ کی گواہی چھپانے والے ہیں، اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گار ہوں گے۔ (۱۰۶) پھر اگر اس کی اطلاع ملے کہ وہ دونوں گناہ کے مرتکب ہو گئے تو ان کی جگہ ایسے دو آدمی کھڑے ہوں جو ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں پہلے دو شخصوں نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ یہ بعد والے دو شخص ہوں جو قریب تر ہوں، سو یہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ واقعی ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کے مقابلہ میں

زیادہ درست ہے۔اور ہم نے تجاوز نہیں کیا۔اگر ہم ایسا کریں تو بیشک ہم ظلم کرنے والوں میں شمار ہونگے۔(۱۰۷) یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ گواہی کو اس طریقے پر دیں یا اس سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد قسمیں رد کردی جائیں گی اور اللہ سے ڈرو اور سنو اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"(۱۰۸)

شان نزول: (آیت) "یا یہا الذین امنوا شہادۃ"

امام ترمذی ؒ وغیرہ نے بواسطہ ابن عباس ؓ، تمیم داری سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے، میرے علاوہ اور عدی بن بداء کے علاوہ سب نے اس سے جرات ظاہر کی، یہ دونوں نصرانی تھے، اسلام سے پہلے ملک شام جایا کرتے تھے۔

چنانچہ اپنی تجارت کے لیے یہ شام گئے اور ان کے پاس بدیل بن ابی مریم مولی بنی سہم بھی آ گئے اور ان کے ساتھ ایک چاندی کا جام تھا وہ بیمار ہوئے تو انھوں نے ان دونوں کو وصیت کی اور حکم دیا کہ ان کا ترکہ ان کے وارثوں تک پہنچا دینا تمیم بیان کرتے ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد ہم نے اس جام کو لے لیا اور ایک ہزار درہم میں فروخت کر کے وہ قیمت میں نے اور عدی بن بداء نے آپس میں بانٹ لی۔

چنانچہ جب ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئے تو جو کچھ ان کا سامان ہمارے پاس تھا وہ ہم نے انکو دے دیا تو انھوں نے اس جام کو دیکھ کر اس کے بارے میں ہم سے دریافت کیا، ہم نے کہا کہ اس کے علاوہ انھوں نے اور کوئی مال نہیں چھوڑا اور نہ ہمیں دیا ہے، جب میں مشرف باسلام ہو گیا تو مجھے اس کا خوف ہوا، چنانچہ میں ان کے گھر والوں کے پاس گیا اور انھیں پورا واقعہ سنا کر پانچ سو درہم ان کو دے

دیے اور ان کو بتا دیا کہ اتنی اور رقم میرے ساتھی کے پاس بھی موجود ہے، چنانچہ وہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے گواہوں کا مطالبہ کیا، وہ گواہ نہ پیش کر سکے، آپ نے انھیں قسم کھانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ اس کے لیے تیار ہو گئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اے ایمان والو تمہارے آپس میں دو شخص وصی ہونا مناسب ہے۔(الخ)۔

چنانچہ حضرت عمرو بن العاص ؓ اور ایک شخص نے کھڑے ہو کر قسم کھالی اور پانچ سو بقیہ درہم عدی بن بداء سے نکلوائے۔

فائدہ:

حافظ ذہبیؒ نے اس چیز پر اعتماد کیا ہے کہ جس تمیم کا اس روایت میں ذکر ہے وہ تمیم داری نہیں ہیں اور اس چیز کو انھوں نے مقاتل بن جان کی طرف منسوب کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں داری کی تصریح کرنا اچھا نہیں۔

سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنانے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں بنو سہم (عاص بن وائل سہمی کے قبیلہ) میں سے ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ (سفر میں) گیا۔ سہمی ایسی جگہ میں فوت ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا' جب وہ دونوں سہمی کا ترکہ لے کر آئے تو اس کے ورثاء نے اس میں چاندی کا پیالہ گم پایا جس میں سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے حلف لیا' پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا

گیا اور ان لوگوں نے کہا ہم نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے' پھر سہمی کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور یہ پیالہ ان کے ساتھی کا ہے اور انھیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے۔ (المائدہ: ۱۰۸۔۱۰۶)۔ [1]

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ھ نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباسؓ اس آیت (المائدہ: ۱۰۶) کے متعلق تمیم داری سے روایت کرتے ہیں' تمیم داری نے کہا وہ اور عدی بن بداء دونوں نصرانی تھے' اور اسلام لانے سے پہلے شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار وہ دونوں تجارت کے لیے شام روانہ ہوئے' تو ان کے پاس بنو سہم کے آزاد شدہ غلام بھی تجارت کے مقصد سے آئے' ان کا نام بدیل بن ابی مریم تھا' ان کے پاس چاندی کا ایک پیالہ تھا' وہ اس کو بادشاہ کے پاس لے جانا چاہتے تھے' وہ راستہ میں بیمار ہو گئے۔ انھوں نے ہم دونوں کو وصیت کی اور یہ کہا: ان کا ترکہ ان کے اہل کو پہنچا دیں۔ تمیم نے کہا جب وہ فوت ہو گئے تو ہم نے اس پیالہ پر قبضہ کر لیا' اس کو ہم نے ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ پھر میں نے اور عدی بن بداء نے اس رقم کو آپس میں تقسیم کر لیا' جب ہم بدیل سہمی کے گھر پہنچے تو اس کا باقی ترکہ جو ہمارے پاس تھا' وہ ہم نے اس کے گھر والوں کو دے دیا' انھوں نے اس ترکہ میں پیالہ کو گم پایا' تو ہم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ ہم نے کہا اس نے اس کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا تھا' اور نہ اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہمیں دی تھی۔

تمیم نے کہا جب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مسلمان ہو گیا'

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۷۸۰' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۰۶)

تو میں نے اس فعل میں گناہ جانا' میں ان کے گھر گیا اور ان کو اصل واقعہ کی خبر دی' اور ان کو پانچ سو درہم واپس کر دیئے' اور ان کو بتایا کہ میرے ساتھی کے پاس بھی اتنے درہم ہیں۔ وہ اس (عدی بن بداء) کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لائے' آپ نے سہمی کے ورثاء سے گواہ طلب کیے' ان کے پاس گواہ نہیں تھے۔ پھر آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عدی بن بداء سے قسم طلب کریں جو ان کے دین میں سب سے بڑی قسم ہو' اس نے قسم کھالی' تب یہ آیت نازل ہوئی (المائدہ: ۱۰۸۔۱۰۲) پھر عمرو بن العاص اور ایک اور شخص نے (ورثاء سہمی کے موقف پر اور عدی کے خلاف) قسم کھائی تو عدی بن بداء سے سو درھم وصول کیے گئے۔ [1]

سفر میں وصیت کرنے اور غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے جواز پر امام احمدؒ کے دلائل

ان آیتوں میں سفر اور حضر میں وصیت کرنے پر ترغیب دی گئی ہے' وصیت کے ثبوت اور اس کو نافذ کرنے کے لیے گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اصل میں مسلمان گواہوں کو مقرر کرنا چاہیے' اور یہ کہ ضرورت یا حاجت کے پیش نظر غیر مسلموں کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے دو شخص گواہ ہوں اس کا معنی ہے تمہارے دین اور تمہاری ملت سے دو گواہ ہوں یہ حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ' سعید بن مسیبؒ' سعید بن جبیرؒ' شریحؒ' ابن سیرین اور شعبیؒ کا قول ہے۔ امام احمدؒ کا بھی یہی مختار ہے۔ پھر فرمایا ہے اور سفر میں غیروں میں سے ہی دو گواہ بنا لیے جائیں

۱۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عباسؓ اور دیگر مذکور الصدر فقہاء تابعین کے نزدیک اس سے مراد ہے جو لوگ تمہارے دین اور تمہاری ملت کے غیر ہوں، یعنی اہل کتاب میں سے ہوں، اور حسن اور عکرمہؒ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے اقرباء اور رشتہ داروں کے غیر ہوں۔

جب یہ مراد لی جائے کہ غیروں سے مراد غیر مسلم اور اہل کتاب ہیں اور یہ کہ سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنالیا جائے، تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت محکمہ اور غیر منسوخ ہے یا یہ کہ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے یا یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ابن المسیبؒ ابن جبیرؒ، ابن سیرینؒ، قتادہؒ، شعبیؒ، ثوری اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ آیت محکمہ اور اب بھی اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوئی:

(آیت) "واشھد واذوی عدل منکم"۔ (الطلاق:۲)

ترجمہ: اور اپنوں (یعنی مسلمانوں) میں سے دو نیک شخصوں کو گواہ بناؤ۔

زید بن اسلمؒ، امام مالک اور امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا بھی اسی طرح میلان ہے "انھوں نے کہا کہ اہل کفر عادل (نیک) نہیں ہیں اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ حاجت اور ضرورت کا مقام ہے اور ایسے مواقع پر صرف عورتوں کی گواہی بھی صحیح ہوتی ہے۔ جیسے حیض، نفاس اور بچے کی پیدائش میں عورتوں کی گواہی صحیح ہوتی ہے۔ [1]

سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے عدم جواز پر جمہور فقہاء کے

۱۔ (زاد المسیر ج۲ ص۴۴۷۔۴۴۶، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

دلائل

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمانوں کے معاملات میں کفار کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے' اور اس آیت میں جو غیروں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے' اس آیت میں غیروں سے مراد غیر مسلم ہو تو پھر یہ آیت "واشھد واذوی عدل منکم"۔ سے منسوخ ہے اور یا اس آیت سے منسوخ ہے:

(آیت) "واستشھد واشھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتن ممن ترضون من الشھد آء"۔ (البقرہ:۲۸۲)

ترجمہ: اور اپنے (مسلمان) مردوں میں سے دو گواہ بنالو' اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

اور ظاہر ہے کہ ذمی یا اہل کتاب شرعا پسندیدہ ہیں' سو یہ آیت سورہ مائدہ کی زیر تفسیر آیت کے لیے ناسخ ہے۔ اور ماضی میں مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کی اجازت دی گئی' کیونکہ اس وقت مسلمان صرف مدینہ میں تھے اور آج کے دور میں تو ہر جگہ مسلمان موجود ہیں' اس لیے کفار کی شہادت ساقط ہو جائے گی' اس لیے اب مسلمانوں کا کافروں کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی ؒ متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر ؒ نے اپنی سند کے ساتھ شریح سے روایت کیا ہے کہ یہود و نصاری کی صرف سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے' اور کسی موقع پر جائز نہیں ہے۔ [1]

امام احمد بن حنبل ؒ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے اور وہ اس میں منفرد ہیں۔ ائمہ ثلاثہ ؒ نے ان سے

۱۔ (جامع البیان' ج ۷' ص ۱۴۲)

اختلاف کیا ہے' انھوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اہل ذمہ کی گواہی جائز نہیں ہے۔ [۱]

اور امام طحاویؒ نے ابو داؤدؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان شخص وقوقا میں فوت ہو گیا اور اس کو مسلمانوں میں سے کوئی شخص نہیں ملا جس کو وہ اپنی وصیت پر گواہ بناتا' تو اس نے دو اہل کتاب عیسائیوں کو گواہ بنالیا' وہ دونوں کوفہ میں حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس آئے' حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد کے بعد اس طرح نہیں ہوتا تھا' پھر عصر کے بعد ان دونوں سے حلف لیا کہ انھوں نے خیانت کی ہے' نہ جھوٹ بولا ہے نہ وصیت میں کوئی تبدیلی کی ہے' پھر ان کی شہادت کو نافذ کر دیا۔ [۲]

امام طحاویؒ نے کہا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) تھی اور میرے علم کے مطابق صحابہ میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی ہے' اور اکثر فقہاء تابعین کا بھی یہی نظریہ ہے' اور نحاس نے ذکر کیا ہے کہ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور کسی حال میں کافر کی شہادت جائز نہیں ہے' جس طرح فاسق کی شہادت جائز نہیں ہے۔ وہ زید بن اسلمؒ' امام شافعی اور نعمانؒ (امام ابوحنیفہ) ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے کافروں کی ایک دوسرے کی خلاف شہادت کو جائز کہا ہے۔ [۳]

اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے جواز پر امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

۱۔ (جامع البیان' ج ۷' ص ۱۴۴)

۲۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۰۵' جامع البیان' جز ۷' ص ۱۴۳)

۳۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴' ص ۷۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے' اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی جائز نہیں ہے' کیونکہ شہادت کی تمام آیات اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے مسلمانوں کے متعلق ہیں' اور کافروں کی گواہی ایک دوسرے کے متعلق قبول کی جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "والذین کفروا بعضھم اولیآء بعض"۔ (الانفال: ۷۳)

ترجمہ: اور کافر ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

قرآن مجید نے کافروں کی ایک دوسرے پر ولایت ثابت کی ہے اور ولایت شہادت سے اعلیٰ درجہ ہے اور حدیث میں بھی اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کا ثبوت ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ یہود ایک مرد اور عورت کو لے کر آئے' جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تم میرے پاس ایسے مردوں کو لے کر آؤ جو تمہارے سب سے بڑے عالم ہوں' وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لے کر آئے آپ نے ان کو قسم دی کہ یہ بتاؤ کے توراۃ میں اس کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا توراۃ میں یہ مذکور ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انھوں نے مرد کے آلہ کو عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے تو ان دونوں کو رجم کر دیا جائے گا' آپ نے فرمایا پھر تم کو انھیں رجم کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ انھوں نے کہا ہماری سلطنت (اقتدار) چلی گئی' تو پھر ہم نے قتل کرنے کو ناپسند جانا' پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گواہوں کو بلایا' سو چار گواہ آئے اور انھوں نے یہ شہادت دی کہ انھوں نے اس مرد کے آلہ کو اس عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے' جس طرح سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے' تب نبی کریم (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا۔ [1]

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل کتاب کی اہل کتاب کے خلاف شہادت جائز ہے' ایک اور حدیث سے بھی یہ بات مفہوم نکلتی ہے۔

امام علی بن عمر دارقطنیؒ ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک ملت والے دوسری ملت والوں کے وارث نہیں ہوتے اور ایک ملت والوں کی دوسری ملت والوں کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے۔ ماسوا میری امت کے' کیونکہ ان کی شہادت دوسروں کے خلاف جائز ہے۔ [2]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ملت کے افراد کی اپنی ملت والوں کے خلاف شہادت جائز ہے۔

ناگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا جواز

بعض اوقات سفر میں یہ ہوسکتا ہے کہ کسی مسلمان کو وصیت کے وقت کوئی مسلمان گواہ میسر نہ ہو' تو اب اگر مسلمانوں کے معاملات میں اہل کتاب کی شہادت بالکل میسر نہ ہو تو بعض مواقع پر مسلمانوں کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ اس لیے جہاں ایسی صورت ہو وہاں کسی غیر مسلم سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے' اس کو گواہ بنا لیا جائے' تو اس کی گنجائش ہے' کیونکہ اس آیت کا منسوخ ہونا متفق علیہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ' ابن المسیبؒ' ابن جبیرؒ' ابن سیرینؒ' قتادہؒ' شعبیؒ' ثوری اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی

۱۔ (سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۴۵۳' سنن دارقطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۰۵)

۲۔ (سنن دارقطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۶۸' المعجم الاوسط للطبرانی' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۴۳۰' مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۲۰۱)

ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کو اس کے مطابق قسم لے کر گواہ بنا لیا جائے' تو یہ ظاہر قرآن کے بھی مطابق ہے اور اس میں آسانی ہے اور مسلمانوں کے حقوق کا بھی تحفظ ہے۔

شک اور شبہ کی بناء پر ملزم یا متہم کو قید میں رکھنے کا جواز

اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص پر کسی قسم کا شبہ ہو اس کو روکنا اور قید کرنا جائز ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

بہز بن حکیم ؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک شخص کو تہمت کی بنا پر قید کر لیا۔ امام ترمذی ؒ کی روایت میں ہے' بعد میں اس کو رہا کر دیا۔ [1]

علامہ احمد بن محمد خطابی ؒ متوفی ۳۸۸ ھ لکھتے ہیں:

قید کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ بطور سزا کے قید کرنا اور بطور تفتیش کے قید کرنا اور بطور سزا کے اس وقت قید کیا جائے گا جب اس پر کوئی حق واجب ہو گا یا جرم ثابت ہو گا' اور جس شخص کو تہمت کی بناء پر قید کیا جائے گا تو اس کی تفتیش کی جائے گی اور حدیث میں ہے' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک شخص کو دن کے تھوڑے وقت کے لیے قید کیا' پھر اس کو رہا کر دیا۔ [2]

نیز امام ابوداؤد ؒ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۳۰' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۲۲' سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۸۹۱)

۲۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد' ج ۵' ص ۲۳۷' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

عبداللہ حزاریؒ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ کلاعیین کے لوگوں کی چوری ہوگئی' انھوں نے حاکہ کے کچھ لوگوں پر چوری کی تہمت لگائی' وہ لوگ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابی حضرت نعمان بن بشیرؓ کے پاس گئے' حضرت نعمانؓ نے حاکہ کے لوگوں کو چند روز قید رکھا' پھر ان کو رہا کر دیا۔ کلاعیین حضرت نعمانؓ کے پاس گئے اور کہا' آپ نے ان لوگوں کو بغیر مارے پیٹے اور بغیر امتحان لیے رہا کر دیا۔ حضرت نعمانؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں ان کو مار لگاؤں' پھر اگر تمہارا سامان نکل آیا تو فبھا' ورنہ میں تمہاری پشت پر اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ان کو لگائے ہوں گے۔ انھوں نے کہا یہ آپ کا فیصلہ ہے؟ حضرت نعمانؓ نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے کہا اعتراف سے پہلے کسی کو مارنا جائز نہیں ہے۔ [1]

ہمارے ملک میں محض شبہ کی بنا پر کسی شخص کو حوالات میں اتنی مار لگائی جاتی ہے کہ وہ مار سے بچنے کے لیے اپنے ناکردہ جرائم کو اعتراف کر لیتا ہے' یہ اسلام کے خلاف ہے۔ علامہ سندی نے لکھا ہے کہ تہمت اور شبہ کی بناء پر کسی کو قید کرنا جائز ہے۔

مجرموں کو قید میں رکھنے کا جواز

مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت نجد کی طرف بھیجی' وہ ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جس کا نام ثمامہ بن آثال تھا' صحابہؓ نے اس کو

۱۔ (سنن ابوداؤد ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۸۲' سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۸۸۹)

مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے پاس تشریف لائے اور پوچھا اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا نیک خیال ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو آپ ایک خونی کو قتل کریں گے اور آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں مجھ سے سوال کریں' اس کو اسی طرح رکھا گیا۔ آپ نے دوسرے دن پھر اس سے فرمایا: اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں نے آپ سے کہا تھا' اگر مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے' اس کو پھر اسی طرح رکھا گیا۔ تیسرے دن آپ نے پھر اس سے سوال کیا: اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو' پھر ثمامہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا' اس نے غسل کیا' پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا۔ "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمد رسول اللہ" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بخدا (پہلے) تمام روئے زمین پر مجھے آپ کا چہرہ سب سے زیادہ برا لگتا تھا' اور اب آپ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے' اور بخدا! میں پہلے سب سے زیادہ آپ کے دین سے بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور پہلے میں آپ کے شہر سے سب سے زیادہ بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا شہر مجھے تمام شہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہے'۔ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا تھا' اور اب میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں' آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو بشارت دی اور اسے عمرہ کرنے کا حکم دیا' جب وہ مکہ میں پہنچا تو اس سے کسی شخص نے کہا کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! بخدا میں سیدنا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں' بخدا

تمہارے پاس اب یمامہ سے اس وقت تک گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا جب تک کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ [1]

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین دن ثمامہ بن آثال کو قید رکھا اور یہ حدیث مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل ہے۔

نادہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

ہرماس بن حبیبؒ نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس اپنے مقروض کو لے کر آیا' آپ نے فرمایا اس کو قید کرلو' پھر مجھ سے فرمایا: اے بنو تمیم کے بھائی! تم اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟۔ [2]

اس حدیث میں نادہندہ مقروض کو قید میں رکھنے کی دلیل ہے۔

عمرو بن الشریدؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا متمول آدمی کی (قرض واپس کرنے میں) سستی اور تاخیر اس کی عزت اور سزا کو حلال کر دیتی ہے۔

امام ابن المبارکؒ نے کہا کہ عزت کو حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے سختی اور درشت کلام کے ساتھ

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۳۷۲' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۷۹' صحیح مسلم' جہاد' ۸۹' (۱۷۶۹) ۴۵۰۸' سنن النسائی ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۹' مسند احمد' ج ۲' ص ۴۵۲' ج ۳' ص ۸۲' طبع قدیم)

۲۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲ رقم الحدیث: ۳۶۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

تقاضا کیا جائے اور سزا حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے۔ [1]

نیز امام بخاری ؒ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ قاضی شریح ؒ مقروض کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیتے تھے۔ [2]

نادھندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ احمد بن محمد خطابی ؒ متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست اور غریب مقروض کو عدم ادائیگی پر قید نہیں کیا جائے گا' کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو جائز کہا ہے جو ادائیگی پر قادر ہو اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قاضی شریح ؒ کا نظریہ یہ تھا کہ متمول اور تنگ دست دونوں کو قید کر دیا جائے' اصحاب رائے کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام مالک ؒ نے کہا تنگ دست کو قید نہیں کیا جائے گا' اس کو ادائیگی کے لیے مہلت دی جائے گی' امام شافعی ؒ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص بظاہر تنگ دست ہو' اس کو قید نہیں کیا جائے گا اور جو شخص بظاہر متمول ہو اور وہ اپنے حق کو ادا نہ کرتا ہو' تو اس کو قید کیا جائے گا اور بعض اصحاب شافعیہ ؒ نے اس میں مزید قیود کا اضافہ کیا ہے۔ [3]

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ؒ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں

۱۔ (علامہ نووی اور علامہ سندی نے بھی یہی تشریح کی ہے) (سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۲۸' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۷۰۴۔ ۴۷۰۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۲۷' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۹۶۸' طبع جدید' دار الفکر' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۸۹۔ ۳۸۸۔ ۲۲۲' طبع قدیم' امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ کتاب الاستقراض' باب ۱۳)

۲۔ (کتاب الصلوۃ' باب ۷۶)

۳۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۵' ص ۲۳۷۔ ۲۳۶)

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔ [1]

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفیؒ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے' کیونکہ اس وقت وہ ظالم ہے اور ظلم حرام ہے' خواہ وہ قلیل ہو اور اگر مقروض کا تنگ دست ہونا ثابت ہو تو اس کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کو قید کرنا حرام ہے' اور جس شخص کا تنگ دست ہونا ثابت ہو گیا ہو اور اس کو قید سے نکال دیا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے' کہ آیا قرض خواہ مقروض کے ساتھ لازم رہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں کہ جب تک اس کے پاس کسی اور مال کا ثبوت نہ ہو' وہ اس کے ساتھ لازم نہ رہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ حاکم قرض خواہوں کو اس کے ساتھ لزوم سے منع نہ کرے۔ [2]

جس طرح مالی حقوق میں اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر کسی کا مالی حق ہو' اسی طرح بدنی حقوق میں استغاثہ کو حق دلانے کے لیے اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر قصاص لازم ہو' اسی طرح جس شخص نے حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کیا ہو' اس پر حد نافذ کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔

گواہ بنانے کے لیے بعد از نماز وقت کی خصوصیت

اس آیت میں فرمایا ہے:

۱۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۲ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

۲۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۳۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو' وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں۔

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں "بعد از نماز" سے مراد از نماز عصر ہے' کیونکہ تمام ادیان میں اس وقت کو عظیم گردانا جاتا ہے اور وہ اس وقت میں جھوٹ بولنے سے اور جھوٹی قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت میں دن کے فرشتے بندہ کے اعمال لکھ کر جا ہوتے ہیں اور رات کے فرشتے اس کے اعمال لکھنے کے لیے آ رہے ہوتے ہیں اور یہ وقت دونوں فرشتوں کے اجتماع کا ہوتا ہے اور اس وقت جو عمل کیا جائے اس کو دن کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اور رات کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں' اس وقت بندوں کے اعمال قبول کیے جانے کے لیے عرش کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں' اس لیے اس وقت میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' اور برے اعمال سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے' خصوصیت سے اس وقت میں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ کلام نہیں کرے گا' اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا' اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں فاضل پانی ہو اور وہ مسافروں کو پانی (لینے) سے منع کرے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی شخص سے محض دنیا کے لیے بیعت کرے' اگر وہ اس کی خواہش کے مطابق دے تو اس سے بیعت کو پورا کرے' ورنہ بیعت پوری نہ کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد کسی آدمی کو کسی چیز کی قیمت بتائے' اور اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اسے وہ چیز اتنے اتنے میں ملی ہے اور وہ

آدمی اس کو لے لے' حالانکہ اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔ [1]

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے گا' اللہ عزوجل اس سے کلام نہیں کرے گا' نہ اس کی طرف نظر رحمت فرمائے گا' نہ اس کو پاک کرے گا اور اس کو دردناک عذاب ہوگا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں

عصر کے وقت کو زیادہ گناہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ حالانکہ جھوٹی قسم ہر وقت کھانا حرام ہے' کیونکہ یہ عظیم الشان وقت ہے' اس وقت میں ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور یہ اعمال کے ختم ہونے کا وقت ہے اور امور کا مدار خاتمہ پر ہے۔ اس لیے اس وقت میں گناہ کے ارتکاب پر سخت سزا رکھی ہے' تاکہ لوگ اس وقت میں گناہوں پر جرات نہ کریں اور متقدمین عصر کے بعد حلف لیتے تھے اور اس سلسلہ میں حدیث بھی ہے۔۔۔۔ [2]

قسم دلانے اور گواہ بنانے میں مقام کی خصوصیت میں مذاہب

جس طرح قسم کو پختہ کرنے کے لیے زمان کے اعتبار سے عصر کے بعد کے وقت کی خصوصیت ہے' اسی طرح مکان اور مقام کے اعتبار سے کسی جگہ کی بھی اہمیت ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام بخاریؒ نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مدعی علیہ جہاں چاہے قسم کھائے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا اور اس کے تحت یہ اثر ذکر کیا ہے کہ مروان نے حضرت زید بن ثابتؓ کے خلاف فیصلہ کیا کہ وہ منبر پر قسم کھائیں' حضرت زیدؓ نے کہا میں اپنی جگہ قسم کھاؤں گا' پھر زید قسم کھانے لگے اور

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۷۲' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۲۱۲)

۲۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

انھوں نے منبر پر قسم کھانے سے انکار کیا' مروان کو اس سے تعجب ہوا' حضرت زیدؓ نے کہا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم دو گواہ پیش کرو یا وہ قسم اٹھائے گا اور آپ نے کسی جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفیؒ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قسم دلانے کے لیے کسی خاص مقام کی ضرورت نہیں ہے' اور امام بخاریؒ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے کہا قسم میں امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ جب چوتھائی دینار یا اس سے زائد کے معاملہ پر قسم کھانی ہو تو جامع مسجد میں یا جامع مسجد کے منبر پر قسم دلائی جائے گی' اور جب اس سے کم کا معاملہ ہو تو حاکم کی مجلس میں' بازار میں یا کسی بھی جگہ قسم کھائی جاسکتی ہے' اور اس پر قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے' اور امام مالکؒ منبر مدینہ کے سوا اور کسی منبر کو نہیں پہچانتے تھے' اور جو شخص منبر مدینہ کے پاس قسم کھانے سے انکار کرے' وہ ان کے نزدیک قسم کھانے سے منکر ہے اور قسامت کی قسموں میں امام مالکؒ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ رکن اور مقام کے درمیان قسم کھائے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے: کہ امام شافعیؒ کا مذہب بھی امام مالکؒ کی طرح ہے' لیکن ان کے نزدیک منبر مدینہ یا مکہ میں رکن اور مقام کے نزدیک قسم کھانا اس وقت ضروری ہے جب بیس دینار یا اس سے زائد کا معاملہ ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ عنہ اور صاحبین کے نزدیک کسی شخص سے کسی بھی معاملہ میں خواہ قلیل مال کا معاملہ ہو' یا کثیر مال کا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے منبر پر قسم لینا ضروری نہیں ہے' اور نہ قصاص اور دیت میں اور نہ کسی اور چیز میں' اور جس شخص پر قسم واجب ہو تو حکام اپنی مجلس میں اس سے قسم لے لیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے اثر سے استدلال کیا ہے' کیونکہ انھوں نے منبر پر قسم نہیں کھائی اور جو اس کو ضروری قرار دیتے ہیں' وہ مروان کے قول سے بلا دلیل استدلال کرتے ہیں۔ صاحب التوضیح نے امام شافعیؒ کی طرف سے استدلال کیا ہے کہ اگر حضرت زید بن ثابتؓ کو یہ یقین ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت نہیں ہے تو وہ مروان پر رد کرتے اور کہتے کہ نہیں' خدا کی قسم! میں منبر پر قسم نہیں کھاؤں گا' میں صرف تمہاری مجلس میں قسم کھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عجیب استدلال ہے' اگر حضرت زید کو علم ہو تا کہ منبر پر قسم کھانا سنت ہے' تو وہ مروان کی مجلس میں قسم نہ کھاتے اور منبر پر ہی قسم کھاتے' لیکن انھوں نے مروان کے کلام کی طرف توجہ نہیں کی اور اسی مجلس میں قسم کھائی اور یہ مروان کا رد نہیں تو اور کیا ہے !۔۔۔۔[1]

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں

حضرت زید بن ثابتؓ کی تائید میں یہ اثر ہے۔ امام ابوعبیدہؒ نے کتاب القضاء میں سند صحیح کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک شخص کے وصی تھے' ان کے پاس ایک شخص ایک دستاویز لے کر آیا' جس میں گواہوں کے نام مٹ چکے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے نافعؒ سے کہا: اس کو منبر پر لے جا کر اس سے حلف لو۔ اس شخص نے کہا جب یہ منبر پر مجھ سے حلف لے گا تو آپ تو نہیں سن رہے ہوں گے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا: اور اس شخص سے اسی مجلس میں حلف لیا۔

مروان کی تائید میں بھی اثر ہے۔ امام کرابیسیؒ نے آداب القضاء میں سند قوی کے ساتھ سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے کسی آدمی پر یہ دعوی کیا کہ اس نے اس شخص کا اونٹ غصب کر لیا ہے'

۱۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۲۵۳۔۲۵۲' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

اس نے حضرت عثمانؓ کے پاس مقدمہ پیش کیا' حضرت عثمانؓ نے اس کو حکم دیا کہ وہ منبر پر قسم کھائے' اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور کہا: منبر کے علاوہ اور آپ جہاں چاہیں میں قسم کھاؤں گا' حضرت عثمانؓ نے فرمایا نہیں تم کو منبر پر قسم کھانی ہوگی' ورنہ اونٹ تاوان میں دینا پڑے گا' اس شخص نے اونٹ تاوان میں دے دیا اور منبر پر قسم نہیں کھائی۔

جس طرح زمان کے اعتبار سے قسم کی تغلیظ میں عصر کے بعد کے وقت کی تخصیص ہے۔ اسی طرح مکان کے اعتبار سے قسم کی تغلیظ میں منبر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تخصیص ہے' اور اس سلسلہ میں دو مرفوع حدیثیں ہیں:

(۱) امام مالکؒ' امام ابوداؤدؒ' امام نسائیؒ' امام ابن ماجہؒ' امام ابن خزیمہؒ نے تصحیح کے ساتھ اور امام ابن حبان اور امام حاکمؒ وغیرہم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو شخص میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائے گا' خواہ وہ ایک سبز مسواک پر قسم کھائے' وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

(۲) امام نسائیؒ نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے حضرت ابوامامہ بن ثعلبہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائی' جس سے وہ کسی مسلمان شخص کا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہوں' اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' اللہ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا' نہ نفل۔ [1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ منبر رسول پر جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے' اور جس قسم میں تغلیظ مقصود ہو' تو وہ

۱۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

منبر رسول پر قسم دینی چاہیے' لیکن یہ ہے کہ کیا یہ واجب ہے؟ اور کیا تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے اس پر عمل کرنا ممکن ہے؟ عصر کے بعد کا وقت تو دنیا میں ہر جگہ حاصل ہوسکتا ہے' اس لیے سخت اور قوی قسم دینے کے لیے عصر کے وقت کی خصوصیت درست ہے۔ لیکن رکن اور مقام پر قسم دینا یا منبر رسول پر قسم دینا' یہ عملاً صرف حرمین طیبین میں ہی ممکن ہے اور اب اسلام تمام دنیا میں پھیل چکا ہے۔ خصوصاً پاسپورٹ اور ویزے کی پابندی کے اس دور میں معقول مذہب صرف امام ابوحنیفہ اور امام احمدؒ کا ہے' اور وہی قابل عمل ہے۔

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ ﴾

اس دن کو یاد رکھو!) جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر ان سے سوال فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا وہ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ بلاشبہ آپ غیبوں کو خوب جاننے والے ہیں۔

آیات سابقہ سے مناسبت

قرآن مجید میں اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ جب اللہ احکام شرعیہ بیان فرماتا ہے تو اس کے بعد اپنی ذات اور صفات کا ذکر فرماتا ہے یا انبیاء (علیہم السلام) کے احوال اور اوصاف کا ذکر فرماتا ہے اور یا احوال قیامت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حج کے احکام بیان فرمائے تھے۔ پھر امر

بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف اشارہ فرمایا: پھر سفر میں وصیت کرنے اور اس پر گواہ بنانے کے احکام بیان فرمائے' تو اب اس کے بعد اس آیت میں احوال قیامت کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے احوال بیان فرمائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا ذکر تھا اور گواہی میں یہ ضروری ہے کہ وہ خیانت نہ کرے' اور اپنے کسی فائدہ کی بناء پر گواہی میں ردو بدل نہ کرے' اور نہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی رعایت کرے' اس لیے اس آیت کے بعد اس آیت کا ذکر کیا جس میں قیامت کا ذکر ہے' تا کہ انسان قیامت کی ہول ناکیوں اور خدا کے سامنے پیش ہونے کے ڈر سے صحیح اور سچی گواہی دے' اور اس میں خیانت نہ کرے۔

قیامت کے دن انبیاء (علیہم السلام) کے اس قول کی توجیہات کہ "ہمیں کچھ علم نہیں"۔

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ تمہیں تمہاری امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

(آیت) "فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین"۔ (الاعراف:٦)

ترجمہ: سو بیشک ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے' اور ہم ضرور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔

(آیت) "فوربک لنسئلنھم اجمعین عما کانوا یعملون"۔ (الحجر:٩٣-٩٢)

ترجمہ: سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے' ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کو علم نہیں تھا کہ ان کی امتوں نے ان کو کیا جواب دیا؟ حالانکہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) اپنی امتوں کے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے' مثلاً یہ آیت ہے:

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا" (النساء:٤١)

ترجمہ: اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان (سب) پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

اس سوا کا جواب یہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کو یقیناً اپنی امتوں کے احوال اور ان کے دیئے ہوئے جوابات کا علم ہے اور جب ہی وہ ان کے متعلق گواہی دیں گے' لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے جو یہ عرض کریں گے' ہمیں اصلاً علم نہیں ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے غیر متناہی علم کے مقابلہ میں ان کو اصلاً علم نہیں ہے۔ مفسرین کرام نے اس سوال کے متعدد جوابات ذکر کیے ہیں' ہم ان میں سے بعض کو نقل کر رہے ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کے اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی امتوں کے دیئے ہوئے جوابات کے باطن کا علم نہیں' یعنی ان کے دلوں کے حال کا علم نہیں ہے ماسوا اس کے جس کا تو نے ہمیں علم دیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کا معنی ہے ہمیں اس کے سوا اور کسی بات کا علم نہیں ہے کہ تو ہم سے زیادہ جاننے والا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ قیامت کی ہول ناکیوں اور خوف اور دہشت سے ان کو اپنے علم

سے ذہول ہو جائے گا' اور وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ نحاس نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ رسل صلوت اللہ علیہم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

میں کہتا ہوں کہ قیامت کے دن اکثر اوقات میں انبیاء (علیہم السلام) کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ لیکن بعض اوقات میں ان پر خوف طاری ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ جب جہنم کو لایا جائے گا تو وہ زور سے چیخ مارے گی اس وقت ہر نبی اور ہر صدیق گھٹنوں کے بل گر جائے گا' اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے قیامت کے دن کا اتنا خوف دلایا کہ میں رونے لگا۔ میں نے کہا اے جبرائیل! کیا میرے اگلے اور پچھلے (بظاہر) ذنب کی مغفرت نہیں کر دی گئی' تو انھوں نے مجھ سے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ قیامت کی ایسی ہول ناکیوں کو ضرور دیکھیں گے جو آپ کو آپ کی مغفرت بھلا دیں گی۔ نحاس نے کہا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تم کو ظاہر اور باطن میں اور جلوت اور خلوت میں کیا جواب دیا گیا؟۔

وہ کہیں گے ہمیں اصلا علم نہیں ہے' اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیح (علیہ السلام) کو خدا کہتے ہیں اور ابن جریج ؒ نے کہا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تمہارے بعد انھوں نے کیا عمل کیے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے' تو ہی تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔ ابو عبیدؒ نے کہا اس کے مشابہ یہ حدیث ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے' میں کہوں گا کہ (کیا یہ) میری امت ہیں؟ تو کہا جائے گا' بیشک آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں؟۔

علامہ ماوردی ؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے ہی ان کے حال اور ان کے جواب کو جاننے والا ہے' پھر ان

سے کیوں سوال فرمائے گا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تا کہ انبیاء (علیہم السلام) کو اللہ تعالیٰ بتلائے کہ ان کے وصال کے بعد ان کی امتوں نے ان پر کیا کیا افتراء باندھے اور کیا کیا کفر کیے؟ اور دوسرا جواب یہ ہے تا کہ ان کی امتوں کے کافروں کو تمام مخلوق کے سامنے ذلیل اور رسوا کرے' اور یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ [1]

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی ؒ متوفی ۶۰۶ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح جواب وہ ہے جو حضرت ابن عباس ؓ کا مختار ہے' کہ انبیاء (علیہم السلام) نے اللہ سے عرض کیا ہمیں کچھ علم نہیں' کیونکہ جو عمل انھوں نے ظاہر کیے' جو پوشیدہ کیے' ان کو صرف تو ہی جانتا ہے' ہم تو صرف ان اعمال کو جانتے ہیں جو انھوں نے ظاہر کیے۔ اس لیے انھوں نے اللہ کے سامنے اپنے علم کی نفی کی' گویا اللہ کے علم کے سامنے ان کا علم' عدم علم کے حکم میں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنی زندگی میں ان کے اعمال کا علم تھا اور ہماری وفات کے بعد ان کے اعمال کا ہمیں علم نہیں اور جزاء اور ثواب کا مدار خاتمہ پر ہے' ہمیں علم نہیں کہ ان کا خاتمہ کن اعمال پر ہوا' اس وجہ سے انھوں نے کہا ہمیں کچھ علم نہیں' اور بعد میں جو فرمایا: بیشک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے' وہ ان دونوں جوابوں کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اس تفسیر کو لکھتے وقت جو جواب میرے دل میں آیا' وہ یہ ہے کہ علم اور چیز ہے (اور وہ یقین ہے) اور ظن اور چیز ہے' اور ہر شخص کو دوسرے کے متعلق ظن ہوتا ہے' علم نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات لاتے ہو' ہوسکتا ہے کہ تم میں

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۱۱۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سے کوئی شخص زیادہ طلاقت لسانی (چرب زبانی) کے ساتھ اپنے موقف کو پیش کرے۔ پس اگر (بالفرض) میں ناحق فیصلہ کردوں' تو گویا میں اس کو آگ کا ایک حصہ دے رہا ہوں' سو نبی (علیہم السلام) کے قول کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ان کے احوال کا علم (یعنی یقین) نہیں' ہمیں ان کے احوال کا صرف ظن حاصل ہے' اور ظن صرف دنیا میں معتبر ہوتا ہے' کیونکہ دنیا کے احکام صرف ظن پر مبنی ہیں اور آخرت میں ظن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی' کیونکہ آخرت کے احکام حقائق اشیاء اور بواطن امور پر مبنی ہیں۔ اس وجہ سے انھوں نے کہا: ہمیں علم نہیں ہے سوا اس علم کے جو تو نے ہمیں عطا فرمایا' اور آخرت میں اپنے ظن کا ذکر نہیں کیا' کیونکہ آخرت میں ظن کا ہمیں علم نہیں ہے سوا اس علم کے جو تو نے ہمیں عطا فرمایا' اور آخرت میں اپنے ظن کا اعتبار نہیں ہوتا اور آخری جواب یہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم حکیم اور عادل ہے اس کا کوئی کام حکمت اور عدل کے خلاف نہیں ہے۔ تو انھوں نے جان لیا کہ ان کے کلام سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا نہ کوئی نقصان دور ہوگا' اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے سکوت کیا جائے' اور معاملہ اس حکیم اور عادل پر چھوڑ دیا جائے' جو حی و قیوم اور لا یموت ہے۔ [1]

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ
فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ
بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ
هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

(اور وہ وقت یاد کرو) جب اللہ عیسیٰ ابن مریم سے کہے گا کہ میرا انعام اپنے اور اپنی والدہ کے اوپر یاد کرو، جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی تھی۔ تم گود میں بھی آدمیوں سے کلام کرتے تھے اور بڑی عمر میں بھی، اور جب کہ میں نے تمہیں کتاب وحکمت، توراۃ اور انجیل کی تعلیم دی اور جب تم میرے حکم سے پرندوں کی شکل مٹی سے بناتے اور پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن کر اڑ جاتا۔ اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے ٹھیک کر دیتے تھے اور جب تم مردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتے تھے، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روکا جب تم ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے روشن نشانیاں۔ تو جو ان میں کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو

سیدھا سیدھا جادو ہے۔

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ایک یہ صفت بیان کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دن تمام نبیوں سے سوال کرے گا' کہ تم کو کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس آیت میں اس دن کی دوسری صفت بیان فرمائی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بالخصوص حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے کلام فرمائے گا اور ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا' اور اس سے مقصود عیسائیوں کی مذمت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے واسطے سے ان پر اتنے احسانات فرمائے اور ان کی فرمائشیں پوری کیں' پھر انھوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا' اور اس کا شریک بنالیا۔

دوسری امتوں کے کافروں نے تو صرف اپنے نبیوں کا کفر کیا تھا' اور ان کی شان میں نازیبا باتیں کہی تھیں' یہ کفر میں ان سے بڑھ گئے' انھوں نے اللہ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کی۔ "تعالیٰ اللہ عن ذالک"۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی والدہ پر اپنی نعمتیں یاد دلائیں تاکہ دنیا کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عزت اور کرامت عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام تمام آسمانی مذاہب کے رہنماؤں کی تعظیم اور تکریم کرتا ہے' اور تمام نبیوں کی شان اور ان کے بلند درجات بیان کرتا ہے' اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے سبق اور عبرت ہے جو پیغمبر اسلام سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تنقیص اور توہین میں دن رات کوشاں رہتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر اپنی نعمتیں گنواتے ہوئے فرمایا: جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی۔

روح القدس کا معنی

روح القدس سے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) مراد ہیں۔ اس میں روح کی اضافت قدس کی طرف ہے' قدس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح' ارواح کی ماہیت مختلف ہوتی ہے' بعض طاہرہ نورانیہ ہوتی ہیں' بعض خبیثہ ظلمانیہ ہوتی ہیں۔ حضرت جبرائیل' وہ روح ہیں جو طاہر اور نورانی ہے' اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ان کی مدد طاہر اور نورانی روح سے کی گئی ہے۔

حیات مسیح اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل

تم گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی یعنی بچپن میں اور پختہ عمر میں' ہر دور میں ان کا کلام عقل اور حکمت کے مطابق تھا اور انبیاء اور حکماء کے کلام کے موافق تھا' کیونکہ پنگھوڑے میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے' اور میں جہاں بھی ہوں' مجھے برکت والا بنایا ہے اور میں جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کا حکم دیا۔ (مریم: ۳۰)۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے گہوارے میں وحی فرمائی' اب یہاں ایک سوال ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا گہوارہ میں کلام کرنا تو معجزہ ہے' پختہ عمر میں ان کا کلام کرنا کس طرح معجزہ ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کہولت تیس سال کے بعد کی عمر کو کہتے ہیں' اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تیس سال سے آسمانوں کی طرف لیے گئے اور کئی ہزار سال بعد زمین پر ان کا نزول ہوگا' اور اس وقت وہ پختہ عمر

کے ہوں گے اور یہ بھی ان کا معجزہ ہے' کہ کئی ہزار سال گزرنے کے بعد بھی وہ صرف کہول ہوں گے' حتی کہ بوڑھے بھی نہیں ہوں گے اور پختہ عمر کی حالت میں کلام کریں گے۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے زمین میں نزول کی بھی دلیل ہے' کیونکہ وہ پختہ عمر اور کہولت کے زمانہ کو پانے سے پہلے آسمانوں پر اٹھا لیے گئے تھے اور قرآن مجید کے مطابق ان کا کہولت کی عمر میں کلام کرنا بھی ضروری ہے' اس سے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) زندہ بھی ہیں اور ان کا زمین پر نزول بھی ہوگا ورنہ اس آیت کا صدق کیسے ہوگا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے کہولت کا زمانہ پالیا تھا اور وہ کہولت کے زمانہ میں باتیں کرتے تھے تو یہ معجزہ کیسے ہوا؟ کہولت کے زمانہ میں تو سب باتیں کرتے ہیں' یہ معجزہ اسی وقت ہوگا جب انھیں کہولت کے زمانہ سے پہلے اٹھا لیا گیا ہو' اور وہ کئی ہزار برس بعد زمین پر نازل ہوں اور کہولت کا زمانہ پا کر لوگوں سے باتیں کریں' سو اس طرح اس آیت میں ان کے معجزہ کا ذکر بھی ہوگا اور یہ آیت ان کی حیات اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل بھی ہوگی۔

کتاب' حکمت اور توراۃ اور انجیل کا معنی

اور جب میں نے تم کو کتاب' حکمت اور انجیل کا علم دیا کتاب سے مراد یا تو اس کا مصدری معنی ہے' یعنی لکھنا' اور یا کتاب بمعنی مکتوب ہے' اور اس سے مراد جنس کتاب ہے۔ کیونکہ انسان پہلے آسان کتابیں پڑھتا ہے اور پھر مشکل اور ادق کتابیں پڑھتا ہے' اور حکمت سے مراد علوم نظریہ اور علوم عملیہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نازل شدہ کتابوں کا علم اور ان کے اسرار کی فہم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد نفس کا کمال علمی اور علم کے تقاضوں پر عمل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد صحیح قول ہے' توراۃ سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل کی گئی اس میں شرائع اور احکام ہیں

اور انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل کی گئی' اس میں مواعظ اور اخلاق ہیں' پہلے کتاب کا ذکر فرمایا' پھر توراۃ اور انجیل کا ذکر فرمایا حالانکہ وہ بھی کتابیں ہیں' یہ شرف اور فضیلت کی وجہ سے سے عام کے بعد خاص کا ذکر ہے' جیسا کہ اس آیت میں ملائکہ کے بعد جبرائیل اور میکائل کا ذکر کیا گیا ہے' حالانکہ وہ بھی ملائکہ میں سے ہیں:

(آیت) "من کان عدوا للہ وملآئکیہ ورسلہ وجبرائیل ومیکل فان اللہ عدو للکافرین"۔ (البقرہ:۹۸)

ترجمہ: جو شخص اللہ اور فرشتوں اور رسولوں اور جبرائیل اور میکائل کا دشمن ہے' تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

توراۃ اور انجیل کے معنی کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے آل عمران: ۳ میں کر دی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰؑ کا پرندے بنانا' بیماروں کو شفا دینا اور دیگر معجزات

جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے' پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی' اور تم میرے حکم سے مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگوں نے بطور عناد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے کہا' اگر آپ اپنے دعوی میں سچے ہیں تو ہمارے لیے چمگادڑ بنائیں اور اس میں روح ڈال دیں' حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے مٹی اٹھائی اور اس سے چمگادڑ کی صورت بنائی۔ پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی' چمگادڑ کو بنانا اور اس میں پھونک مارنا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا کسب تھا' اور اس کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انھوں نے چمگادڑ بنانے کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ یہ گوشت اور خون سے بنا ہوا عجیب ترین جانور ہے اور یہ پروں کے ساتھ اڑتا ہے اور حیوان کی طرح بچے دیتا ہے' اور باقی پرندوں کی طرح

انڈے نہیں دیتا' اس کے تھن ہیں جن سے دودھ نکلتا ہے' انسان کی طرح ہنستا ہے اور اس کو عورت کی طرح حیض آتا ہے' یہ دن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے نہ رات کے اندھیرے میں' یہ رات کے ابتدائی حصہ تک دکھائی دیتا ہے۔ [1]

اعمی اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیر پیدا ہو اور بعد میں اندھا ہو جائے اور اکمہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو اندھا پیدا ہو۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) مادر زاد اندھوں کو اللہ کے حکم سے بینا کرتے تھے' برص ایک جلدی بیماری ہے جس کی وجہ سے جلد سفید ہو جاتی ہے اور ایک تکلیف دہ خارش ہوتی ہے' حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے حکم سے برص کے مریضوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے۔ یعنی تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے تھے۔ جب تم اللہ سے دعا کر کے مردے سے یہ کہتے تھے' اللہ کے اذن سے اپنی قبر سے باہر آ' ان تینوں افعال میں اللہ کے اذن کا ذکر کیا ہے' تا کہ یہ معلوم ہو کہ ان افعال کا فاعل حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

اور میں نے (ہی) تم کو بنو اسرائیل سے بچایا' جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے یعنی جب تم بنو اسرائیل کے پاس اپنی نبوت اور رسالت پر دلائل اور معجزات لے کر گئے' تو انھوں نے تمہاری تکذیب کی اور تم پر تہمت لگائی کہ تم جادوگر ہو' اور انھوں نے تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا اور میں نے تم کو اپنی طرف اوپر اٹھا لیا اور تم کو ان کے شر سے بچایا۔ (النساء: ۱۵۸ میں ہم نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان پر اٹھائے جانے کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ (حاشیہ محی الدین شیخ زادہ علی البیضاوی' ج ۲' ص ۱۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

﴿ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿١١١﴾ ﴾

جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ: تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تو انھوں نے کہا: ہم ایمان لے آئے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم فرمان بردار ہیں۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ الی الحواریین، حَوَارِيّٖنَ، حَوَارِيٌّ کی جمع ہے، یہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے اصحابؓ کا خطاب ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ چونکہ ان کے کپڑے سفید تھے اس واسطے یہ لوگ حواری کہلائے، ابن ابی حاتمؒ نے ضحاکؒ سے نقل کیا ہے کہ حواری نبطی زبان میں دھوبی کو کہتے ہیں، ان کی تعداد بارہ تھی یہاں وحی سے مراد وحی تشریعی نہیں ہے بلکہ یہاں اشارہ اور الہام کے معنی میں ہے۔

یہ بھی سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایک احسان ہے کہ اللہ نے حواریوں کو ان کے اصحاب وانصار بنادیا، یہاں " اَوْحَيْتُ " وحی سے مراد الہام اور دل میں القا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ)[القصص:٧] "اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا۔" اور فرمایا: (وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۔ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا)[النحل: ٦٨، ٦٩] "اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ کچھ پہاڑوں میں سے گھر بنا اور کچھ

درختوں میں سے اور کچھ اس میں سے جو لوگ چھپر بناتے ہیں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے کھا، پھر اپنے رب کے راستوں پر چل جو مسخر کیے ہوئے ہیں۔" ان آیات میں وحی کا لفظ الہام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت واذ اوحیت الی الحوارین سے مراد ہے کہ میں نے ان کے دلوں میں ڈال دیا۔

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت واذ اوحیت الی الحوارین سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں جو چیز ڈالی تھی وہ نبوت والی وحی نہیں تھی وحی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ وحی ہوتی ہے جس کو فرشتے لے کر آتے ہیں اور ایک وہ وحی ہوتی ہے جو کسی بندے کے دل میں ڈال دی جاتی ہے۔

﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ ﴾

جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان

سے ایک دستر خوان اتارے؟ اس نے کہا اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔ (۱۱۲) وہ بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہم یہ جان لیں کہ تم نے سچ کہا اور ہم اس کی گواہی دینے والے بنیں۔ (۱۱۳)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر آٹھ نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا' اس آیت اور اس کے بعد والی آیتوں میں نویں نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حواریوں کی فرمائش اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی دعا سے خوان نعمت کا نازل ہونا ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے' حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی دعا کا قبول ہونا ہے اور ان کے دعا کرنے میں ان کے بندہ ہونے کا اثبات ہے' اور ان کی الوہیت کی نفی ہے اور اس وجہ سے لوگوں کا ان کی نبوت کی تصدیق کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ اور رسول حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر بہت بڑا احسان ہے۔

امام ابوجعفر محمد ابن جریرؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے بنی اسرائیل سے فرمایا تم اللہ کے لیے تیس روزے رکھو' پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اللہ تعالیٰ دعا قبول کرے گا' کیونکہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے وہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ بنو اسرائیل نے تیس روزے رکھے' پھر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے کہا اے خیر کی تعلیم دینے والے! آپ نے کہا تھا کہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے اس کا اجر اس کے ذمہ ہوتا ہے' اور آپ نے ہمیں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا سو ہم نے رکھ لیے اور ہم جس کے لیے بھی

تیس دن کام کرتے' وہ ہمیں سیر کر کے کھانا کھلاتا' تب انھوں نے کہا کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان (نعمت) نازل کرسکتا ہے؟۔ [1]

نزول مائدہ کے فرمائشی معجزہ کی توجیہات

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حواریوں کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ! تو گواہ ہوجا کہ ہم مسلمان ہیں' اور اب ان کا یہ قول نقل فرمایا: کیا آپ کا رب آسمان سے خوان نازل کرسکتا ہے؟ اور یہ قول اللہ کی قدرت پر شک کو واجب کرتا ہے۔ پھر وہ مسلمان کیسے ہوئے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان کا حکم نہیں لگایا تھا' بلکہ یہ صرف ان کا دعوی تھا کہ وہ مومن ہیں اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا یہ فرمانا کہ تم اللہ سے ڈرو اگر ایمان والے ہو اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ایمان کامل نہیں تھا۔

(۲) وہ اپنے دعوی کے مطابق مومن تھے اور ان کا یہ کہنا کہ کیا اللہ ایسا کرسکتا ہے؟ اللہ کی قدرت پر شک کی وجہ سے نہیں تھا' بلکہ محض طمانیت قلب کے حصول کے لیے تھا' جیسے ابراہیم (علیہ السلام) نے حصول طمانیت کے لیے فرمایا تھا اے رب! تو مجھے دکھا تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھ رہے تھے کہ ایسا سوال کرنا آیا حکمت کے منافی تو نہیں ہے۔

(٤) یستطیع میں سین زائد ہے اور اس آیت کا معنی ہے کیا آپ کا رب آپ کی دعا قبول فرمالے گا۔

۱۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۱۷۵۔۱۷٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱٤۱۵ھ)

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا تم اللہ سے ڈرو اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ سے فرمائشی معجزہ نہ طلب کرو' کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ تم تقوی اختیار کرو اور اپنے مطالبات پر صبر کرو' کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرما دیتا ہے۔

(آیت) "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا، ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ"۔ (الطلاق:۳۔۲)

ترجمہ: جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دے گا اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہوگا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

حواریوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اس آیت میں حواریوں نے جو اپنا عذر پیش کیا ہے اس کی حسب ذیل تقریریں ہیں:

(۱) ہم اس خوان کو کسی معجزہ کے طور پر طلب نہیں کر رہے' بلکہ ہم پر بھوک غالب ہے اور ہمیں کہیں اور سے کھانا نہیں ملا' اس لیے آپ سے دعا کی درخواست کی ہے۔

(۲) ہر چند کے ہمیں دلائل سے اللہ کی قدرت پر یقین ہے لیکن جب ہم نزول مائدہ کا مشاہدہ کریں گے تو ہمارا یقین اور پختہ ہو جائے گا

(۳) ہر چند کہ ہم نے آپ کے تمام معجزات کی تصدیق کی ہے' لیکن اس معجزہ کو دیکھ کر ہمارا عرفان اور یقین اور پختہ ہو جائے گا۔

(٤) اس سے پہلے جو آپ کے معجزات تھے ان سب کا تعلق زمین سے تھا اور اس معجزہ کا تعلق آسمان سے ہوگا' اس کو دیکھ کر ہمارے ایمان میں مزید تقویت ہوگی۔

آسمانی دسترخوان کا نزول

حکیم ترمذی ؒ نے نوادر الاصول میں، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ ؒ نے العظمۃ میں اور ابو بکر الشافعی ؒ نے اپنے فوائد میں جو نیات کے ساتھ معروف ہیں سلمان فارسی ؓ سے روایت کیا کہ جب حواریوں نے عیسیٰ بن مریم سے دسترخوان کا سوال کیا تو انھوں نے اس کو بہت ہی ناپسند کیا اور فرمایا قناعت کرو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین میں رزق دیا ہے۔ آسمان سے دسترخوان کا سوال نہ کرو کیونکہ اگر وہ تم پر نازل ہو گیا تو وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانی ہوگی۔ قوم ثمود اسی وجہ سے ہلاک ہوئی۔ جب انھوں نے اپنے نبی سے سوال کیا وہ اس کے ذریعہ امتحان میں ڈالے گئے یہاں تک کہ اسی معجزہ میں ان کی ہلاکت ہوئی۔ حواریوں نے قبول نہ کیا اور مطالبہ کیا کہ ان پر دسترخوان نازل ہو۔ اسی کو فرمایا لفظ آیت قالوا نرید ان ناکل منھا و تطمئن قلوبنا و نعلم ان قد صدقتنا و نکون علیھا من الشھدین۔

جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے دیکھا کہ انھوں نے (بات ماننے سے) انکار کر دیا اور یہی مطالبہ کیا کہ ان کے لیے آپ ضرور دعا کریں تو عیسیٰ ؑ کھڑے ہو گئے اور ان کا لباس اتار دیا اور سیاہ بالوں سے بنا ہوا جبہ پہن لیا۔ اور بالوں سے بنی ہوئی عبا بھی پہن لی پھر وضو اور غسل کیا اور اپنی عبادت گاہ میں داخل ہو گئے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا نماز پڑھی۔ جب نماز مکمل کر چکے تو قبلہ رخ کھڑے ہو گئے اپنے قدموں کو سیدھا کیا یہاں تک کہ برابر کر لیے اور ٹخنہ کو ٹخنہ سے ملا دیا اور انگلیوں کو انگلیوں کے برابر کیا اور داہنے ہاتھ کو بائیں پر اپنے سینے پر رکھ لیا اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور اپنے سر کو عاجزی اختیار کرتے

ہوئے جھکا لیا۔ پھر رونا شروع کیا ان کے آنسو برابر ان کے رخساروں پر بہتے رہے اور داڑھی کے کناروں سے قطرے (زمین پر) گرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے چہرہ کے گرد خشوع وخضوع کی وجہ سے زمین تر ہوگئی۔ جب یہ دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی لفظ آیت اللھم ربنا انزل علینا مائدہ من السمآء تکون لنا عیدا لاولنا واخرنا (گویا) یہ مائدہ نصیحت ہوگا۔ آپ کی طرف سے ہمارے لیے لفظ آیت وایۃ منک اور یہ نشانی ہوگی آپ کی طرف سے جو ہمارے اور آپ کے درمیان ہوگی تا کہ ہم اس کو کھائیں۔ لفظ آیت وانت خیر الرازقین (یعنی آپ بہترین رزق دینے والے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سرخ دستر خوان دو بادلوں کے درمیان نازل فرمایا ایک بادل اس کے اوپر تھا۔ اور دوسرا بادل اس کے نیچے تھا۔ وہ لوگ اس کی طرف ہوا میں دیکھ رہے تھے جو آسمان سے ان کی طرف نیچے آرہا تھا۔ عیسیٰ (علیہ السلام) رونے لگے خوف سے ان شروط کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے دستر خوان نازل ہونے پر لگائی تھیں کہ وہ عذاب میں مبتلا کریں گے کسی نے بھی ان میں سے انکار کیا اس (دستر خوان) کے نازل ہونے کے بعد۔ اور فرما رہے تھے اے اللہ اس کو رحمت بنا دے اے میرے رب! اس کو عذاب نہ بنا اے میرے رب کتنی ہی عجیب چیزیں میں نے آپ سے مانگی ہیں اور آپ نے مجھے عطا فرمائی ہیں اے اللہ ہم کو اپنا شکر کرنے والا بنا دے۔ اے اللہ میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو اسے عذاب اور سزا کے طور پر نازل فرمائے اے اللہ اس کو سلامت اور عافیت بنا دے اور اس فتنہ کو عبرت ناک سزا نہ بنا وہ برابر دعا کرتے رہے یہاں تک کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے سامنے دستر خوان آکر ٹھہر گیا حواری اور آپ کے اصحاب اس کے ارد گرد موجود تھے۔ جو تیری عمدہ خوشبو کو پا رہے تھے اس طرح کی خوشبو کبھی نہیں پائی تھی۔ عیسیٰ ؑ اور ان کے حواری گر پڑے اللہ کے لیے سجدہ اور شکر کرتے

ہوئے جوان کو رزق عطا فرمایا اس طرح پر ان کو گمان بھی نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی عظیم قدرت دکھائی جو تعجب اور عزت والی تھی۔

یہودی دیکھنے کے لیے آئے اور انھوں نے عجیب وغریب واقعہ دیکھا جس نے ان کو افسردگی اور غم میں مبتلا کر دیا۔ پھر وہ سخت غصہ کے ساتھ لوٹ گئے عیسیٰ ؑ اور حواری ان کے ساتھ آئے اور اس دستر خوان کے ارد گرد بیٹھ گئے اس پر ایک رومال ڈھکا ہوا تھا عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا ہم میں سے کون اس رومال کو اس دستر خوان سے ہٹانے کی جرات رکھتا ہے اور ہم سے کس کو زیادہ اعتماد ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ کو اپنے رب کے ہاں اچھے عمل کرنے والا ہے۔ اس کو چاہیے کہ اس سے پردہ ہٹائے اور ہم اس کے رزق میں سے کھاتے ہیں جس نے ہم کو رزق دیا حواریوں نے کہا اے روح اللہ اے کلمۃ اللہ آپ ہی زیادہ لائق ہیں اس کے اور ہم سے زیادہ حقدار ہیں اس سے پردہ ہٹالیں عیسیٰ ؑ کھڑے ہوئے۔ نیا وضو فرمایا پھر اپنی عبادت گاہ میں داخل ہوئے اور دو رکعت پڑھیں پھر طویل مدت تک روتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کو اس سے پردہ ہٹانے کی اجازت دیجئے اور اس کے لیے اور اس کی قوم کے لیے برکت اور رزق بنا دیجئے پھر لوٹ آئے اور دستر خوان کی طرف بیٹھ گئے رومال کو ہٹایا اور فرمایا اللہ کے نام کے ساتھ جو بہتر رزق دینے والا ہے اور دستر خوان سے پردہ اٹھا دیا۔ اس میں موٹی تازی بھنی ہوئی مچھلی تھی جس پر بوا سیر نہیں ہے اور نہ ہی اس کے اندر کوئی کانٹا ہے اس سے تیل بہہ رہا ہے اس کے گرد ہر قسم کی سبزیاں ترتیب سے رکھی ہوئی ہیں علاوہ بدبودار سبزیوں کے (جیسے لہسن تھوم وغیرہ) اس کے سر کے پاس سرکہ تھا اس کی دم کے پاس نمک تھا اور ہر سبزی کے ارد گرد پانچ روٹیاں ہیں ان میں سے ایک پر زیتون اور دوسری پر کھجوریں اور تیسری پر پانچ انار ہیں حواریوں کے سردار شمعون نے عیسیٰ (علیہ

السلام) سے کہا یا روح اللہ اور اس کا حکم کیا یہ دنیا کے کھانے میں سے ہے یا جنت کے کھانے میں سے ہے۔ فرمایا اب تمہارے لیے یہ ہے کہ تم عبرت حاصل کرو جو تم نشانیوں میں سے دیکھتے ہو اور تم مسائل کی چھان بین سے بچو، مجھے تمہارے بارے میں خوف ہے کہ تم کو اس نشانی کے سبب عذاب میں مبتلا نہ کر دیا جائے۔ شمعون نے کہا نہیں اسرائیل کے معبود کی قسم میں نے کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا اے صدیقہ کے بیٹے عیسیٰ نے فرمایا جو کچھ تم دسترخوان پر دیکھ رہے ہو نہ یہ جنت کے کھانوں میں سے ہے اور نہ دنیا کے کھانوں میں سے ہے یہ وہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہوا میں پیدا کیا اپنی قدرت کاملہ سے اس کے لیے فرمایا تو ہو جا اور یہ آنکھ جھپکنے سے پہلے ہو گئی اب تم کھاؤ بسم اللہ کے ساتھ ان چیزوں میں سے جو تم نے سوال کیا اپنے رب کی اس پر حمد کرو۔ اللہ تعالیٰ اس سے تمہاری مدد فرمائے گا اور اس میں اضافہ فرمائے گا۔ کیونکہ نئے سرے سے پیدا کرنے والا قدرت رکھنے والا اور قدردانی کرنے والا ہے۔ انھوں نے کہا اے اللہ کی روح اور اس کا کلمہ بیشک ہم پسند کرتے ہیں کہ تو اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھا۔ عیسیٰ نے فرمایا سبحان اللہ کیا تم کو کافی نہیں ہوا جو تم نے ان نشانی میں سے دیکھا یہاں تک کہ تم نے دوسری نشانی کا سوال کر دیا۔ پھر عیسیٰ ؑ مچھلی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اے مچھلی میرے پاس زندہ ہو کر لوٹ آ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت سے اس کو پھر زندہ کر دیا اس نے حرکت کی اور اللہ کے حکم سے اسی طرح تازہ ہو گئی منہ میں زبان پھیرتی تھی جیسے شیر پھیرتا ہے۔ اس کی آنکھیں گھوم رہی تھیں جن میں چمک تھی۔ اس پر بواسیر لوٹ آئی قوم اس سے ڈر گئی اور پیچھے ہٹ گئی جب عیسیٰ ؑ نے اس کو دیکھا فرمایا تمہیں کیا ہوا تم ایک نشانی کا سوال کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ جب تم کو وہ دکھاتا ہے تم اس کو ناپسند کرتے ہو مجھے تم پر خوف ہے کہ تم سزا پاؤ گے ان کے گناہوں کے بدلہ میں جو تم کر رہے ہو اے مچھلی لوٹ جا اللہ

کے حکم سے جیسے تو پہلے تھی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھنی ہوئی حالت میں ہوگئی جس طرح وہ پہلے تھی۔
انہوں نے عیسیٰ ؑ سے کہا اے روح اللہ سب سے پہلے تو اس کو کھا پھر ہم اس سے کھائیں گے عیسیٰ ؑ نے فرمایا اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا وہی اس کو پہلے کھالے۔ جب حواریوں اور ان کے اصحاب نے دیکھا کہ ان کا نبی اس کو کھانے سے رکا ہوا ہے تو وہ ڈر گئے کہ کہیں اس دستر خوان کے نازل ہونے میں ناراضگی نہ ہو اور اس کے کھانے میں کوئی مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے۔ اور وہ اس سے پرہیز کرنے لگے۔ جب عیسیٰ ؑ نے اس معاملہ کو دیکھا تو فقراء اور اپاہجوں کو بلایا اور فرمایا کھاؤ اپنے رب کا رزق اور اپنے نبی کی دعوت کو اور اس اللہ کی حمد کو بیان کرو۔ جس نے اس کو تمہارے لیے اتارا۔ اس کی برکتیں ہوں گی تمہارے لیے اور اس کی سزا ہوگی علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے تم سب لوگ بسم اللہ سے کھانا شروع کرو اور اللہ کی حمد کے ساتھ ختم کرو سب نے ایسا ہی کیا اس میں سے ایک ہزار تین سو مرد اور عورتوں نے کھایا اور ہر ایک ان میں سے پیٹ بھر کر واپس ڈکار لے کر جاتا تھا۔
عیسیٰ ؑ اور حواریوں نے دیکھا کہ دستر خوان پر کھانا اسی طرح ہے جس طرح وہ آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اس میں کوئی کمی نہیں آئی پھر وہ آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور وہ دیکھ رہے تھے جس اپاہج نے اس میں سے کھانا کھایا وہ تندرست ہو گیا اور ہمیشہ غنی اور صحت مند ہو گیا، جس نے اس میں سے کھایا یہاں تک کہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حواری اور ان کے ساتھی جنہوں نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کو اتنی ندامت ہوئی ان کی پلکوں سے آنسو بہتے رہے اور ان کے دلوں میں حسرت باقی رہی مرنے کے دن تک (راوی نے کہا) اس کے بعد دستر خوان جب نازل ہوا تو بنی اسرائیل ہر طرف سے دوڑے ہوئے آئے اور وہ ایک دوسرے پر بھیڑ کر رہے تھے۔ جو عورتیں بچے بوڑھے صحت مند اور بیمار ایک دوسرے پر گر

رہے تھے جب عیسیٰ ؑ نے یہ دیکھا تو ان کے درمیان باری مقرر کردی یہ دستر خوان ایک دن آیا تھا دوسرے دن نہ آیا اس حال میں وہ چالیس دن رہے چاشت کے وقت پر دستر خوان نازل ہوتا۔ وہ برابر پڑا رہتا لوگ اس میں سے کھاتے رہتے۔ یہاں تک کہ جب دوپہر ہوجاتی تو دستر خوان اللہ کے حکم سے آسمان کی طرف اٹھ جاتا اور وہ زمین میں اس کے سامنے کی طرف دیکھتے رہتے یہاں تک کہ وہ اس سے اوجھل ہوجاتا اور اپاہجوں کے لیے مختص کردیئے سوائے مالداروں کے کہ ان کو نہ دیا جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا تو اس کے ساتھ مالدار لوگ شک کرنے لگے اور اسے حقیر جاننے لگے یہاں تک کہ انھوں نے اس کے بارے میں شک کیا اپنے دلوں میں اور لوگوں نے بھی اس میں شک کیا اور اس دستر خوان کے بارے میں صبح اور ناپسندیدہ باتیں کرنے لگے۔ شیطان نے ان سے عہد لیا۔ اور اس نے اپنے وسوسے شک کرنے والوں کے دلوں میں ڈال دیئے یہاں تک کہ انھوں نے عیسیٰ ؑ کو کہا ہم کو دستر خوان اور اس کے آسمان سے نازل ہونے پر سچی بات بتایئے اس لیے کہ اس کے بارے میں بہت سے آدمیوں نے شک کیا ہے۔ عیسیٰ ؑ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا ہے۔ اور عیسیٰ ؑ کے معبود کی قسم تم نے اپنے نبی سے دستر خوان کا مطالبہ کیا کہ وہ تمہارے لیے اس کو اپنے رب سے طلب کریں جب ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر رحمت اور رزق کی صورت میں نازل فرمایا اور اس میں تم کو نشانیاں اور عبرتیں دکھائیں تو تم نے اس کو جھٹلا دیا اور تم اس میں شک کرنے لگے۔ پس تم کو عذاب کی خوشخبری ہو عیسیٰ ؑ کی طرف وحی کی کہ میں پکڑنے والا ہوں جھٹلانے کو اپنی شرط کے مطابق بلاشبہ میں عذاب دینے والا ہوں ان میں سے جس نے انکار کیا دستر خوان کے نازل ہونے کے بعد ایسا عذاب کہ کسی ایک کو بھی جہاں والوں میں سے نہیں دیا جب شام کی شک کرنے والوں نے اور اپنی لیٹنے کی جگہوں میں لپیٹ گئے جبکہ وہ اپنی بیویوں

کے ساتھ بہترین حالت میں تھے اور امن میں تھے جب آخری رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جن کی شکل میں مسخ کر دیا اور وہ گندگی کو تلاش کر رہے تھے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر میں صبح کے وقت۔

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ وہ عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں بیان کرتے تھے کہ بنی اسرائیل سے فرمایا کیا تم اللہ کے لیے تیس روزے رکھو گے پھر تم اس سے سوال کرو تو وہ تم کو جواب دیں گے جو تم سوال کرو گے بلاشبہ عامل کا اجر اس پر لازم ہے جس کے لیے اس نے کام کیا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا پھر کہنے لگے اے خیر کے معلم! تو نے ہم سے کہا کہ عامل کا اجر اس ذات پر ہے جس کے لیے اس نے عمل کیا؟ اور تو نے ہم کو تیس دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا تھا۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور ہم کسی کے لیے بھی تیس دن عمل کرتے ہیں تو وہ ہماری اطاعت کرتا ہے (پھر انھوں نے) لفظ آیت ھل تستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السمآء سے لے کر لفظ آیت احدا من العلمین تک فرشتے دسترخوان لے کر ان پر اترنے لگے۔ اس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں۔ یہاں تک کہ اس کو ان کے آگے رکھ دیا۔ لوگوں میں سے آخری آدمی نے ایسے میں کھایا جیسے کہ اس میں سے پہلے آدمی نے کھالیا۔ (یعنی اس میں کمی نہ آئی)۔

(آیت) وتطمئن قلوبنا ونعلم ان قد صدقتنا ونکون علیھا من الشھدین یہ تمام معطوف ہے انھوں نے اپنے سوال کا سبب بیان کیا جب انھیں سوال سے منع کیا گیا نا کل منھا میں دو وجہیں ہیں:

(۱) انھوں نے اپنی بھوک مٹانے کے لیے کھانے کا ارادہ کیا۔ یہ اس لیے تھا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) جب نکلتے تھے تو ان کے پیچھے پانچ ہزار یا اس سے زیادہ آدمی ہوتے تھے، بعض تو ان میں آپ کے اصحاب ہوتے تھے اور بعض دیکھتے تھے اور استہزاء کرتے تھے۔ ایک دن آپ ایک علاقہ کی طرف

نکلے تو ایک جنگل میں پہنچ گئے جہاں ان کے لیے کھانے پینے کے لیے کچھ نہ تھا وہ بھوکے ہو گئے اور انھوں نے حواریوں سے کہا: حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے عرض کرو تا کہ وہ دعا فرمائیں کہ ہم پر آسمان سے خوان نازل ہو۔ شمعون جو حواریوں کے سردار تھے وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئے اور کہا کہ لوگ عرض کر رہے ہیں آپ دعا فرمائیں ان پر آسمان سے خوان نازل ہو۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے شمعون سے کہا: ان کو کہو کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ شمعون نے یہ لوگوں کو کہا تو پھر انھوں نے کہا: تم حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے عرض کرو کہ ہم اس سے کھانا چاہتے ہیں۔

(۲) ناکل منھا تا کہ ہم اس کی برکت حاصل کریں ہمیں کھانے کی حاجت نہیں۔ ماوردیؒ نے کہا: یہ بہتر ہے، کیونکہ اگر وہ کھانے کے محتاج ہوتے تو انھیں سوال کرنے سے منع نہ کیا جاتا۔

وتطمئن قلوبنا میں تین احتمال ہیں:

(۱) ہمارے دل مطمئن ہو جائیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔

(۲) ہم مطمئن ہو جائیں کہ اللہ نے ہمیں ہماری دعوت کے لیے چن لیا ہے۔

(۳) ہمارے دل مطمئن ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سوال کا قبول فرمالیا ہے۔ یہ تینوں احتمال ماوردیؒ نے ذکر کیے ہیں۔ مہدویؒ نے کہا: ہمارے دل مطمین ہو جائیں کہ اس نے ہمارے روزے اور عمل کو قبول فرلیا ہے۔ ثعلبیؒ نے کہا: ہم اس کی قدرت کا یقین کرلیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔

(آیت) ونعلم قد صدقتنا ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (آیت) ونکون علیھا من الشھدین اور ہم اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت ونبوت کے گواہی دینے والے ہو جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جب ہم لوٹ کر جائیں تو جنھوں نے یہ نہیں دیکھا ہم

تمہارے لیے ان کے پاس گواہ ہو جائیں۔

﴿ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾ ﴾

عیسیٰ بن مریم نے عرض کیا کہ اے اللہ! جو ہمارا رب ہے ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما دے جو ہمارے موجودہ لوگوں کے لیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے عید ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو جائے اور آپ ہمیں عطا فرمائیے! اور آپ تمام عطا کرنے والوں میں سے سب سے بہتر عطا فرمانے والے ہیں۔

عام آدمی کی نظر اور نبی کی نظر

حواریوں نے جب خوان کی درخواست کی تھی تو کہا تھا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے سچ کہا تھا' انھوں نے اس خوان سے دنیاوی غرض' یعنی کھانے کو پہلے ذکر کیا اور اخروی غرض' یعنی ایمان کی پختگی کو بعد میں ذکر کیا اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے جب دعا کی تو اخروی غرض کو پہلے ذکر کیا اور وہ ہے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہونا اور اللہ کی طرف سے نشانی ہونا اور دنیاوی غرض کا بعد میں ذکر کیا اور وہ ہے کہ مجھے رزق عطا فرما

اور اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی کہ تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے' یہ فرق ہے نبی کی نظر میں اور عام آدمی کی نظر میں۔

عید کے دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کی جاتی ہے' حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی نظر پہلے اللہ کی عبادت کی طرف تھی' پھر فرمایا کہ وہ تیری طرف سے نشانی ہو جائے' یعنی لوگ نزول مائدہ میں غور وفکر کر کے اس کے نازل کرنے والے کی طرف رسائی حاصل کریں اور نظر اور استدلال سے خدا کو پہچانیں' یوں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی نظر ایک بلند مقام سے' اس سے بھی بلند تر مقام پر پہنچی۔ پھر جب فرمایا ہمیں رزق عطا فرما تو نفس کے حصہ کی طرف نظر کی اور خالق سے مخلوق کی طرف نزول کیا اور جب کہا تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے تو نزول کے بعد پھر خالق کی طرف رجوع کیا' اور یوں اس آیت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے دو مرتبہ خلق سے خالق اور غیر اللہ سے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس دعا کے اول میں بھی ان کی نظر اللہ کی طرف تھی اور آخر میں بھی ان کی نظر اللہ کی طرف تھی اور اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے وہ ہر حال میں اللہ کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں بھی اس بلند مقام سے حظ وافر عطا فرما! (آمین)۔

اول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی

تا کہ وہ دن ہمارے اول اور آخر کے لیے عید ہو جائے ابن جریج ؒ نے کہا اول سے مراد اس وقت کے زندہ لوگ ہیں اور آخر سے مراد بعد میں آنے والے لوگ ہیں۔

سفیانؒ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن ہم دو مرتبہ نماز پڑھیں۔

حضرت ابن عباس ؓ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے خوان رکھا جائے تو اول سے لے

کر آخر تک سب لوگ کھالیں۔

سدی ؒ نے کہا جس دن مائدہ نازل ہو اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے ہم بھی اس دن عید منائیں اور ہمارے بعد آنے والے لوگ بھی۔

امام ابن جریرؒ نے کہا صحیح قول یہ ہے کہ اس دعا کا معنی یہ ہے کہ: یہ دن ہمارے لیے عید ہو جائے اور جس دن یہ خوان نازل ہو اس دن ہم نماز پڑھیں' جیسے لوگ عید کے دن نماز پڑھتے ہیں۔ [1]

بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خوان

امام ابو عیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمار بن یاسرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا آسمان سے جو خوان نازل کیا گیا تھا' اس میں روٹیاں اور گوشت تھا' ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس میں نہ خیانت کریں اور نہ اس کو کل کے لیے بچا کر رکھیں۔ انھوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لیے بچا کر بھی رکھا' سو ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ [2]

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ ھ روایت کرتے ہیں:

بنو عجل کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمار بن یاسرؓ کے پہلو میں نماز پڑھی۔ انھوں نے نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بنو اسرائیل کے خوان کا کیا معاملہ ہوا تھا؟ میں نے نہیں۔ انھوں نے کہا بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ ابن مریم ؑ سے سوال کیا کہ ان کے اوپر کھانے کا

۱۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۱۷۸۔۱۷۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷۶)

ایسا خوان نازل کیا جائے جس سے وہ کھانا کھاتے رہیں اور وہ کبھی ختم نہ ہو' ان سے کہا گیا کہ وہ خوان تمہارے پاس رہے گا بشرطیکہ تم اس میں سے کچھ چھپا کر نہ رکھو اور خیانت نہ کرو اور اس میں سے کوئی چیز نہ اٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم نے ایسا کیا تم نے ایسا کیا تو میں تم کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔ پھر ایک دن بھی نہیں گذرا حتی کہ انھوں نے اس میں سے چھپایا اور اٹھا لیا اور خیانت کی' سو ان کو ایسا عذاب دیا گیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا تھا اور اے عرب والو! تم لوگ اونٹوں اور بکریوں کو چراتے تھے' پھر اللہ نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا' جس کے حسب اور نسب کو تم جانتے اور پہچانتے تھے' تمہارے نبی کی زبان سے تم کو اطلاع دی کہ عنقریب تم پورے عرب پر غلبہ پاؤ گے' اور تم کو سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے منع کیا اور بخدا تم اب دن رات سونا اور چاندی جمع کر رہے ہو' اور دردناک عذاب کے مستحق ہو رہے ہو۔

حضرت عمارؓ بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر مائدہ نازل کیا گیا اس میں جنت کے پھول تھے' ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس میں سے نہ چھپائیں' نہ خیانت کریں' نہ ذخیرہ کریں' ان لوگوں نے خیانت کی' چھپایا اور ذخیرہ کیا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔ [1]

﴿ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ ﴾

اللہ نے فرمایا: بیشک میں اسے تم پر اتارنے والا ہوں، پھر جو اس کے بعد تم میں

۱۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۱۸۰۔۱۷۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

سے ناشکری کرے گا تو میں اسے عذاب دوں گا ایسا عذاب جو دنیا میں کسی کو نہ دوں گا۔"

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم پر اس مائدہ کو نازل کرنے اور تم کو اس کا طعام کھلانے کے بعد جس نے میرے نبی عیسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت کا انکار کیا اور میرے احکام کی اطاعت کرنے سے روگردانی کی تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دیا ہوگا۔ قتادہؒ نے بیان کیا ہے کہ ان کو خنزیر بنا دیا گیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا سب سے زیادہ عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہوگا۔ منافقین کو' اصحابہ مائدہ میں سے کافروں کو اور آل فرعون کو۔ [1]

نزول مائدہ کی کیفیت کی تحقیق:

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانیؒ المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سلمان الخیرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حواریوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) سے مائدہ (طعام کے خوان) کا سوال کیا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا اے لوگو اللہ سے ڈرو اور اللہ نے تم کو جو رزق حلال زمین سے دیا ہے' اس پر قناعت کرو اور آسمان سے مائدہ کا سوال نہ کرو' کیونکہ اگر وہ تم پر نازل کیا گیا تو وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانی ہوگی۔ تم سے پہلے قوم ثمود نے اپنے نبی سے نشانی کا سوال کیا تھا' وہ اس نشانی میں مبتلا کیے گئے' پھر اس نشانی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ جب ان کی قوم نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے نماز پڑھی اور بہت گریہ وزاری سے دعا

۱۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۱۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

کی: اے اللہ! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما' تو اللہ تعالیٰ نے دو بادلوں کے درمیان ان پر سرخ دستر خوان نازل کیا' بنو اسرائیل اس کو نازل ہوتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے' اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خوف زدہ ہو کر بار بار دعا کر رہے تھے' اے اللہ! اس خوان کو رحمت بنانا اور اس کو غضب نہ بنانا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) دعا کر رہے تھے کہ وہ دستر خوان حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آ کر ٹھہر گیا' حواریوں کو اس سے ایسی خوشبو آئی جیسی انھوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی' حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے' یہود اس خوان کو دیکھ کر غیظ و غضب سے جل گئے۔ حواری اس دستر خوان کے گرد بیٹھ گئے' وہ خوان ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ عبادت گزار اور اللہ کا شکر گزار ہوگا' وہ اس کو کھولے گا۔ حواریوں نے کہا یا روح اللہ! آپ ہی اس کو کھولنے کے لائق ہیں' حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے دوبارہ وضو کیا' نماز پڑھی اور اللہ سے رو رو کر اپنے قوم کے لیے برکت کی دعا کی' پھر اس کو کھولا' تو اس میں بہت بڑی بھنی ہوئی مچھلی تھی جس میں کانٹے نہیں تھے اور اسے گھی بہہ رہا تھا اور اس کے گرد ہر قسم کی سبزیاں تھیں اور نمک اور سرکہ تھا اور پانچ روٹیاں تھیں۔ ایک روٹی پر زیتوں' ایک پر کھجور اور باقیوں پر انار تھے۔

شمعون نے کہا یا روح اللہ! یہ طعام دنیا کے طعام میں سے ہے یا آخرت کے طعام میں سے؟ آپ نے فرمایا یہ نہ دنیا کا طعام ہے نہ آخرت کا' اس کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے رب کا شکر ادا کرو' وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا۔ انھوں نے کہا یا روح اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھائیں۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا سبحان اللہ! کیا تمہارے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے جو اور نشانی کا

سوال کرتے ہو۔ جب انھوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اس مچھلی سے کہا اے مچھلی! تو اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح زندہ ہوجا' وہ مچھلی اللہ کی قدرت سے زندہ ہوگئی۔ وہ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں اور وہ پھڑکنے لگی' حواری خوف زدہ ہوکر بھاگنے لگے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا پہلے تم نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا' اب نشانی دیکھ کر ڈرتے کیوں ہو؟ پھر آپ نے مچھلی سے فرمایا اے مچھلی! اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح بھنی ہوئی ہوجا' پھر انھوں نے کہا اے روح اللہ! آپ کھانے کی ابتداء کریں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! وہی کھانے کی ابتداء کرے گا جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ حواری اور اس کے اصحاب ڈرتے تھے کہ اس کے کھانے سے کہیں وہ مثلہ نہ ہوجائیں' یا ان پر کوئی آفت نہ آجائے۔ تب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فقراء اور اپاہجوں کو بلایا کہ تم اللہ کے رزق اور اپنے نبی کی دعا سے کھاؤ' اللہ کے نام سے شروع کرو اور اللہ کے شکر پر ختم کرو' تم پر کوئی آفت نہیں آ گی۔ سو اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں اور عورتوں نے کھایا' اور ان میں سے ہر شخص سیر ہوگیا' حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حواریوں نے دیکھا وہ طعام اسی طرح تھا اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ مائدہ آسمان کی طرف اٹھالیا گیا اور جس فقیر نے اس مائدہ سے کھایا تھا وہ غنی ہوگیا اور جس اپاہج نے کھایا وہ تندرست ہوگیا اور وہ لوگ تادم حیات اسی طرح رہے۔ پھر حواری اور ان کے اصحاب اس میں سے نہ کھانے پر پشیمان ہوئے اور تادم مرگ ان کے دل میں اس سے کھانے کی حسرت رہی۔ چند دنوں بعد پھر مائدہ نازل ہوا۔ پھر ہر جگہ سے امیر اور غریب' صحت مند اور بیمار' چھوٹے اور بڑے' بنو اسرائیل اس پر ٹوٹ پڑے۔ جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے یہ دیکھا تو آپ نے باری مقرر کردی۔ ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن نازل نہ ہوتا' چالیس دن تک یہی معمول رہا' جب

تک وہ کھاتے رہتے مائدہ ان کے سامنے رہتا اور جب وہ کھا چکتے تو مائدہ آسمان کی طرف اٹھ جاتا' وہ اس کو دیکھتے رہتے' حتیٰ کہ وہ ان کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی کی کہ اس مائدہ سے یتیموں' فقیروں اور اپاہجوں کو کھلایا جائے اور امیر لوگوں کو نہ کھلایا جائے۔ تب امیروں نے اس میں شک کرنا شروع کر دیا اور اس کے متعلق بری باتیں پھیلا دیں اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے کہا' کہ آپ ہمیں مائدہ کے نزول کے متعلق مطمئن کریں' کیونکہ بہت لوگ اس میں شک کرتے ہیں (کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا بخدا! اگر تم نے اس پر شک کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اسی شرط سے مائدہ نازل کیا تھا کہ جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہوگا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا' اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تم ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے۔ شام کو جب شک کرنے والے بستروں پر اپنی عورتوں کے ساتھ لیٹے تو ان کی اچھی صورتیں تھیں اور رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا' صبح کو وہ کوڑے اور گندگی کے ڈھیروں پر گندگی تلاش کر کے کھانے لگے۔

پھر باقی بنو اسرائیل خوف زدہ ہو کر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی اطاعت کرنے لگے۔ جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) باہر نکلتے تو وہ خنزیر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آتے اور آپ کے پیروں پر گرتے اور زار و قطار روتے' حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ان میں سے ہر شخص کا نام لے لے کر پکارتے' ان میں سے ہر ایک اپنا سر ہلاتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا۔ آپ فرماتے' میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا تھا' گویا

میں پہلے سے یہ دیکھ رہا تھا' وہ تین دن تک اسی طرح بلکتے رہے اور ان کے گھر والے ان کو دیکھ کر روتے رہے' لوگوں کے دل ان کا حال دیکھ کر پگھل گئے' پھر چوتھے دن حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ سے دعا کی کہ ان پر موت طاری کر دے' سو چوتھے روز وہ مر گئے اور زمین پر ان کا مردہ جسم نہیں دکھائی دیا' اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے مردہ اجسام کہاں گئے۔ البتہ' یہ ایسا عذاب تھا جس سے ان لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور روئے زمین پر ان کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ (۱)

اس حدیث کو بعض مفسرین نے اختصار سے اور بعض نے تفصیل سے بعض نے اپنی سند سے اور بعض نے بغیر سند کے بیان کیا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ (۲)

علامہ سیوطی ؒ نے اس حدیث کو حکیم ترمذی ؒ کی نوادر الاصول کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ میں نے ان کی چاروں جلدیں دیکھیں' ان میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام رازی ؒ' علامہ سمرقندی اور علامہ قرطبی ؒ نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے' باقی سب نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ ان مفسرین نے بغیر کسی جرح کے اس روایت کو نقل کر دیا ہے۔ علامہ ابوالحیان اندلسی ؒ نے لکھا ہے کہ میں اس روایت کے ذکر سے اعراض کرتا ہوں' کیونکہ اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس پر قرآن مجید کی آیت دلالت کرتی ہو اور سب سے اچھی وہ روایت ہے جس کو امام ترمذی ؒ نے نقل کیا ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا' اس میں گوشت اور روٹیاں تھیں۔ بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس میں

۱۔ (کتاب العظمہ' ص ۳۶۷۔۳۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

۲۔ (زاد المسیر' ج ۲' ص ۴۶۱۔۴۵۹' تفسیر کبیر' ج ۳' ص ۴۷۲' الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۲۸۲' تفسیر ابن کثیر' ج ۲ ص ۶۸۵۔۶۸۲' البیضاوی مع الکازرونی' ج ۲' ص ۳۸۲۔۳۸۱' الدر المنثور' ج ۲' ص ۳۴۷۔۳۴۶' تفسیر ابوالسعود علی ہامش التفسیر الکبیر' ج ۴' ص ۹۷۔۹۵' تفسیر الجمل' ج ۱' ص ۵۴۶۔۵۴۵' روح المعانی' ج ۷' ص ۶۴۔۶۳' قصص الانبیاء للثعلبی' ص ۴۰۲۔۴۰۱' تفسیر السمرقندی' ج ۱' ص ۴۶۸)

سے بچا کر نہ رکھیں اور خیانت نہ کریں' انھوں نے اس حکم کی معصیت کی تو یہ مائدہ اٹھا لیا گیا اور ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ [1]

امام ترمذی ؒ کی روایت کا مفاد یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے کفران نعمت کیا تو ان پر عذاب نازل ہوا اور سلمان الخیرؓ کی مفصل روایت کا مفاد یہ ہے کہ انھوں نے اس مائدہ کے نزول کے بعد بھی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت میں شک کیا اور یہ کفر ہے تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ لیکن ترمذی کی حدیث صحاح میں سے ہے اور وہ حدیث مرفوع ہے اور اس حدیث کی سند میں وھب بن منبہ ہیں یہ اسرائیلی عالم تھے' بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سو یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے' اس لیے ہمارے نزدیک بھی اس کے مقابلہ میں امام ترمذی ؒ کی روایت ہی کو ترجیح ہے' ہم نے صرف تحقیق مقام کے لیے اس روایت کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے ماخذ کے ساتھ درج کیا ہے' واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہ واضح رہے کہ عیسائیوں کی کتابوں میں نزول مائدہ کا ذکر نہیں ہے' نہ وہ اس دن کو عید مناتے ہیں' لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں مائدہ کو نازل فرماؤں گا اس لیے ہمارے نزدیک حجت قرآن اور حدیث ہے' عیسائیوں کا نقل نہ کرنا ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی ؒ متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اس (سلمان الخیر) کی حدیث میں بحث کی گنجائش ہے اور یہ سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابو عبدالرحمن سلمیؒ نے کہا مائدہ کا طعام روٹی اور مچھلی تھی۔ حضرت عمار بن یاسر اور قتادہؓ نے کہا مائدہ آسمان سے نازل ہوتا تھا اور اس میں جنت کے پھل تھے' اور وھب بن منبہؒ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو

۱۔ (البحر المحیط' ج ٤' ص ٤١٥۔٤١٤)

کی روٹیاں اور مچھلیاں نازل کی تھیں اور یہ تین اقوال امام ترمذی کی حدیث کے خلاف ہیں۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا آسمان سے مائدہ نازل ہوا' اس میں روٹیاں اور گوشت تھا اور ترمذی کی حدیث ان اقوال سے اولی ہے۔ [1]

دسترخوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم

سلمان الخیرؓ کی حدیث میں مائدہ کا بیان ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ وہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان) تھا' وہ کوئی خوان (میز) نہیں تھی جس کے پائے ہوں اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عربوں کا مائدہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان تھا) حکیم ترمذیؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کبھی خوان کے اوپر کھانا کھایا نہ پالی میں اور نہ کبھی آپ کے لیے چپاتی پکائی گئی۔

قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے پوچھا پھر وہ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟ انھوں نے کہا: سفرہ پر۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذیؒ نے کہا خوان ایک نئی چیز ہے جس کو عجمیوں نے ایجاد کیا ہے' عرب سفرہ پر کھانا کھاتے تھے' سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے جس کو کھولا بھی جاتا ہے اور لپیٹا بھی جاتا ہے' کپڑے کے دسترخوان کو مائدہ کہتے ہیں اور خوان چوکی یا میز کو کہتے ہیں جس کے پائے ہوں اور سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے۔ حسنؒ نے کہا میز پر کھانا کھانا بادشاہوں کا فعل ہے اور کپڑے کے دسترخوان پر کھانا عجمیوں کا فعل ہے اور سفرہ پر کھانا عربوں کا طریقہ ہے اور یہی سنت ہے۔ [2]

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۲۸۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

۲۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۲۸۸' ۔ ۲۸۷ مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام مسلم ؒ نے حضرت ابن ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے' اگر گوہ حرام ہوتی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مائدہ پر نہ کھائی جاتی۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کے دسترخوان اور چمڑے کے دسترخوان دونوں پر کھانا سنت ہے' اور میز ایک نئی چیز ہے' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس پر کھانے سے منع نہیں فرمایا' اس لیے اس پر کھانا مباح ہے۔ اور اگر میز پر کپڑے یا چمڑے کا دسترخوان بچا لیا جائے اور اس پر کھانا کھایا جائے تو سنت پر بھی عمل ہوگا۔

﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ ﴾

اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب اللہ فرمائے گا، اے عیسیٰ بیٹے مریم کے، کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو، اللہ (وحدہ

۱۔ (صحیح مسلم' الصید' ٤٦' (١٩٤٧)، ٤٩٥٠' صحیح البخاری' رقم الحدیث' ٢٥٧٥' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٣٧٩٣' سنن النسائی' رقم الحدیث: ٤٣١٨)

لاشریک) کے سوا؟ تو اس پر عیسیٰ (دست بستہ) عرض کریں گے، کہ پاک ہے تو (اے میرے مالک!) میرا یہ کام نہیں ہوسکتا تھا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر (بالفرض) میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی، تو آپ کو ضرور اس کا علم ہوتا، کہ آپ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے، بیشک تو ہی سب غیبوں کا (اے میرے مالک!) جاننے والا ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ (علیہ السلام) کو مذکورہ احسانات یاد دلانے کے بعد ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے بجائے مجھے اور میری ماں کو الٰہ بنالینا اور تمام حاجات ہم سے طلب کرنا، کیا میرے احسانات کا یہی بدلہ تھا؟ عیسیٰ (علیہ السلام) نہایت عاجزی سے جواب دیں گے کہ یا اللہ! میں ایسی بات کیونکر کہہ سکتا تھا جو میرے لائق ہی نہ تھی۔ علاوہ ازیں تو تو چھپی اور علانیہ سب باتوں کو جانتا ہے، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو یقیناً تیرے علم میں ہوتی۔ واضح رہے کہ قیامت کے دن کا یہ مکالمہ اس لیے بیان نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم ہوجائے۔

بلکہ یہ سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروکاروں کی تہدید اور سرزنش کے لیے بیان کیا جارہا ہے، جنھوں نے آپ کے بعد انھیں اور ان کی والدہ کو الٰہ بنالیا تھا، تاکہ ان کے لیے ان کے رسول ہی کی شہادت قائم ہوجائے جس کی وہ پرستش کرتے رہے، اس کے بعد سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوکر کہیں گے کہ اے اللہ! تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں خود بھی تیری بندگی اور عبادت کروں اور لوگوں سے

بھی تیری بندگی اور عبادت کراؤں، تو اسے میں بجالاتا رہا اور جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا اس وقت تک تو میں نے تیرے حکم کا پوری طرح دھیان رکھا، البتہ میرے بعد کے حالات کا مجھے کچھ علم نہیں۔ بعد کے حالات تو تو ہی جانتا ہے کہ ان لوگوں نے کب، کس طرح اور کیوں یہ غلط روش اختیار کی تھی؟۔

امام عبدالرزاقؒ، ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ کے بارے میں پوچھا گیا یہ کب ہوگا؟ فرمایا قیامت کے دن کیا تو نے دیکھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم (المائدہ آیت ۱۱۹)۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت واذ قال اللہ یعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ کے بارے میں فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اپنی طرف اٹھالیا تو نصاری نے کہا جو کہا اور انھوں نے گمان کیا کہ عیسیٰؑ نے ان کو اس کا حکم فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا تو عیسیٰ (علیہ السلام) نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ لفظ آیت وقال سبحنک ما یکون لی (سے لے کر) لفظ آیت وانت علی کل شیء شھید تک۔

امام عبدالرزاقؒ، فریابیؒ، ابن ابی شیبہؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، امام ابن ابی حاتمؒ نے طاؤسؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے رب نے آپس میں بحث کی اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو اس کی توثیق دی۔ انھوں نے فرمایا لفظ آیت فقال سبحنک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق (یعنی تیری ذات پاک ہے مجھ کو یہ حق نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کا کہنا کا مجھ کو حق نہیں)۔

امام ابوالشیخؒ نے طاؤسؒ کے طریق سے ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ان کے رب نے دلیل قائم کی اور عیسیٰؑ نے اپنے رب کے پاس دلیل پیش کی اللہ تعالیٰ نے اپنی دلیل میں یوں فرمایا لفظ آیت ءانت قلت للناس (الایۃ)۔

غیر اللہ کو پوجنے والوں سے باز پرس ہوگی

امام ابن مردویہؒ نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ سب امتوں کو جمع فرمائیں گے اور سب لوگ اپنے اماموں کے ساتھ بلائے جائیں گے اور عیسیٰؑ کو بلایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ عیسیٰ سے فرمائیں گے۔ لفظ آیت ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ تو وہ جواب دیں گے لفظ آیت سبحنک ما یکون لی ان اقول مالیس لی بحق (سے لے کر) لفظ آیت یوم ینفع الصدقین صدقھم تک۔

امام ابوالشیخؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کیا کہ (جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) لفظ آیت واذ قال اللہ یعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ تو اور لوگ بھی سن رہے ہوں گے عیسیٰ (علیہ السلام) وہ جواب دیں گے جو تم نے دیکھ لیا۔ اور عیسیٰ (علیہ السلام) اپنے بارے میں بندہ ہونے کا اقرار کریں گے اور وہ جان لے گا عیسیٰؑ کے بارے میں جو من گھڑت باتیں کرتا تھا کہ وہ جھوٹ کہتا تھا۔

امام ابوالشیخؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ان اعبدوا اللہ ربی وربکم کے بارے میں فرمایا کہ میرے سردار اور تمہارے سردار۔

امام طبرانیؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا لفظ آیت

وکنت علیھم شھید امادمت فیھم۔

امام ابن ابی شیبہؒ، احمدؒ، عبد بن حمیدؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتمؒ، ابن حیانؒ، ابوالشیخؒ، ابن مردویہ اور بیہقیؒ نے الاسماء والصفات میں ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ (کہ جب تک میں ان میں موجود تھا ان پر نگہبان تھا) کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اے لوگو تم اکٹھے کئے جاؤ گے اللہ کی طرف ننگے بدن، ننگے پاؤں، بغیر ختنہ کئے ہوئے۔

پھر (یہ آیت) پڑھی لفظ آیت کما بدانا اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فعلین (الانبیاء آیت ۱۰۴) پھر فرمایا خبردار مخلوق میں سے سب سے پہلے قیامت کے دن ابراہیم (علیہ السلام) کو کپڑا پہنایا جائے گا۔ خبردار! کچھ لوگ میری امت میں سے لائے جائیں گے ان کو بائیں جانب (یعنی جہنم کی جانب) کے جایا جائے گا۔ میں کہوں گا اے میرے رب میرے ساتھی میرے ساتھی۔ کہا جائے گا۔ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں۔ میں اس طرح کہوں گا جیسا کہ نیک بندے نے کہا لفظ آیت وکنت علیھم شھید امادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم کہا جائے گا اسی وقت مرتد ہو گئے تھے جب آپ ان سے جدا ہوئے تھے۔

امام ابن منذرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت کنت انت الرقیب علیھم میں رقیب کا معنی ہے حفاظت کرنے والا یعنی نگہبان۔

امام عبدالرزاقؒ، ابن منذر اور ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت کنت انت الرقیب علیھم سے مراد ہے حفاظت کرنے والا بھی نگہبان۔

﴿ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١١٧﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١١٨﴾ ﴾

میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ میں اسی وقت تک ان سے خبردار تھا جب تک ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ خود ان کے نگران تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں۔(۱۱۷) اب اگر تو انھیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو تو زبردست ہے، حکمت والا ہے۔(۱۱۸)

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ: یعنی ہر چیز اور ہر شخص کی ہمہ وقت خبر رکھنے والا فقط ایک اللہ ہی ہے۔

جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: "اے لوگو! بیشک تم سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ننگے پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ)[الانبیاء:۱۰۴] "جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کی ابتدا کی (اسی طرح) ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، یقیناً ہم ہمیشہ پورا کرنے والے ہیں۔" آخر آیت تک، پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "خبردار! بیشک روز قیامت سب سے پہلے ابراہیم (علیہ السلام) کو لباس پہنایا جائے گا۔ خبردار! آگاہ رہو کہ میری امت کے کچھ آدمیوں کو لایا جائے گا تو انھیں بائیں طرف کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی (پیروکار) ہیں، تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کتنی نئی باتوں کو ایجاد کر لیا تھا۔ تب میں بھی اسی طرح کہوں گا کہ جس طرح اللہ کے نیک بندے (عیسیٰ (علیہ السلام) جواب دیں گے: (وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ)[المائدۃ:۱۱۷، ۱۱۸] "اور میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ اگر تو انھیں عذاب دے تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بیشک تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ جب آپ ان سے جدا ہوئے تو یہ لوگ مرتد ہو گئے (یعنی

اسلام سے پھر گئے)۔"[1]

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بارگاہ خداوندی میں یہ بھی عرض کریں گے کہ (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ) (اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں) (وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ) (اور آپ ان کی مغفرت فرما دیں تو آپ عزیز و حکیم ہیں) مطلب یہ ہے کہ آپ کا ہر فیصلہ عدل و حکمت پر مبنی ہے یہ آپ کے بندے ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو آپ کو اس کا بھی اختیار ہے اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو یہ بھی حکمت کے موافق ہوگا۔ آپ عزیز ہیں غالب ہیں جسے عذاب دینا چاہیں وہ کہیں بچ کر نہیں جا سکتا۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا یہ عرض کرنا اللہ کی قدرت اور عزت و حکمت اور شان غفاریت بیان کرنے کے لیے ہوگا۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مشرکین کی مغفرت بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ سورہ نساء کی آیت (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ) میں بالتصریح صاف اور واضح طور پر بیان فرما دیا کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہوگی۔

﴿ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وکنت علیھم شھیدًا مادمت فیھم): ٤٦٢٥۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامۃ: ٢٨٦٠]

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

"اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ ان سے ہمیشہ راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔" (۱۱۹)

اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان میں ہے (سب میں) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۲۰)

سچ بولنے کا فائدہ صرف آخرت میں کیوں ہوگا؟

اس پر اجماع ہے کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے' اور یہ کہ جن لوگوں نے دنیا میں سچ بولا تھا' ان کا سچ اس دن کام آئے گا اور ان کو نفع دے گا' اور اس دن کسی کا سچ بولنا اس کے لیے نفع آور نہیں ہوگا' کیونکہ دار التکلیف اور دار العمل دنیا ہے اور قیامت کا دن یوم الجزاء ہے۔ اس دن تو شیطان بھی سچ بولے گا اور کہے گا۔

(آیت) "وقال الشیطن لما قضی الامر ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم فاخلفتکم"۔ (ابراہیم: ۲۲)

ترجمہ: اور فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا بیشک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا سو میں نے اس کے خلاف کیا۔

شیطان کا یہ قول سچ ہے لیکن اس دن کسی کا سچ اس کے کام نہیں آئے گا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مسلمان یوم آخرت میں انبیاء (علیہم السلام) کے تبلیغ کرنیکی جو سچی گواہی دیں گے اور اپنے اعمال کی سچی گواہی دیں گے تو مسلمانوں کی یہ سچی گواہی ان کو نفع دے گی' اور نفع یہ ہے کہ ان سے شہادت کے چھپانے کا مواخذہ نہیں ہوگا اور ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔

سچ بولنے کا نفع ویسے تو انسان کو ہر روز حاصل ہوتا ہے' لیکن آخرت میں دائمی اجر وثواب صرف اس دن حاصل ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آخرت میں سچ بولنے کا کیا نفع ملے گا' وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں۔ انسان کو کوئی نعمت مل جائے تو پھر بھی اس کو یہ فکر ستاتی رہتی ہے کہ کہیں یہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور اگر نعمت زائل نہ ہو تو اس نے ایک دن مر جانا ہے' تب بھی وہ اس خیال سے ملول رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی نہ ان کو موت آئے گی' بلکہ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت انسان کے جسم کی نعمت ہے اور اس کی روح کی نعمت یہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے تو جنت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر فرمایا: یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سب سے بڑی کامیابی اللہ کا راضی ہونا ہے' جنت میں مرغوبات نفس ہیں اور اللہ کی رضا اس سے بہت بڑا اور اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے' ہم جنت کے لائق تو نہیں ہیں وہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور سب سے بڑا مطلوب یہ ہے کہ وہ ہم سے راضی ہو جائے۔

اللہ کی عظمت وجبروت کے ذکر پر سورت کا اختتام

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اس آیت میں لفظ ما

استعمال فرمایا ہے۔ جو غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ من کا لفظ استعمال نہیں فرمایا' جو ذوی العقول کے لیے آتا ہے' اس میں ہوسکتا ہے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہو کہ آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے خواہ وہ ذوی العقول اور ذوی العلوم ہوں' غیر ذوی العقول اور غیر ذوی العلوم سب اس کے قبضہ وقدرت میں مسخر ہیں اور سب اس کی قضاء وقدرت کے تابع ہیں۔ اور ذوی العقول اس کے سامنے غیر ذوی العقول اور جمادات کے درجہ میں ہیں' اس کی قدرت کے سامنے کسی کی قدرت نہیں اور اس کے علم کے سامنے کسی کا علم نہیں' اس لیے اس آیت میں غیر ذوی العقول کو ذول العقول پر غلبہ دے کر لفظ ما استعمال فرمایا۔

امام ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم سے مراد ہے کہ اس دن موحدین کو ان کی توحید نفع دے گی۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم ؒ نے سدی ؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قال اللہ ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم یعنی یہ فیصلہ ہے عیسیٰ (علیہ السلام) کی گزارش کا۔ اور یہ قیامت کے دن کا ہوگا۔

امام عبد بن حمید ؒ، ابن منذر اور ابو الشیخ ؒ نے قتادہ ؓ سے روایت کیا کہ وہ کلام کرنے والے قیامت کے دن کلام کریں گے اللہ کے نبی عیسیٰ (علیہ السلام) اور اللہ کے دشمن ابلیس۔ وہ کہیں گے۔ لفظ آیت ان اللہ وعدکم وعد الحق (سے لے کر) لفظ آیت الا ان دعوتکم فاستجبتم لی (ابراہیم آیت ۲۳) اللہ کا دشمن اس دن سچ کہے گا جبکہ وہ دنیا میں جھوٹا تھا لیکن عیسیٰ ؑ کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کی گفتگو کے بارے میں فرمایا (یعنی) لفظ آیت واذ قال اللہ یعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ قال سبحنک ما یکون لی آخر آیت تک (پھر فرمایا) لفظ آیت قال اللہ ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم وہ سچے تھے دنیا کی زندگی میں اور موت کے بعد۔ قولہ تعالیٰ: لفظ آیت للہ ملک السموت والارض وما فیھن: الآیہ ابو

عبد نے فضائل میں ابوالزاھریہ سے روایت ہے کہ عثمانؓ نے سورہ مائدہ کے آخر میں یہ آیت لکھی لفظ آیت للہ ملک السموت والارض واللہ سمیع بصیر الحمدللہ سورہ المائدہ مکمل ہوئی۔

سورہ انعام

اس سورت کا نام الانعام ہے' اس میں بیس (۲۰) رکوع اور ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) آیات ہیں' یہ سورت مکی ہے البتہ! اس کی چند آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان آیتوں کو اس سورت میں اپنے اپنے مقام پر لکھوا دیا۔

وجہ تسمیہ:

انعام جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد نعم ہے، جس کے معنی جانور کے ہیں۔ اس سورت میں انعام یعنی جانوروں کے متعلق مشرکین کی جہالتوں اور رسموں کا بیان ہے، اس لیے اس سورت کا نام انعام رکھ دیا گیا۔

سورہ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سورہ الانعام مکمل ایک رات میں مکہ میں نازل ہوئی اور اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ [1]

حضرت اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سورہ الانعام یکبارگی مکمل

۱۔ (المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث ۱۲۹۳۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

نازل ہوئی۔اس وقت میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھی' اور اس سورت کے بوجھ سے لگتا تھا کہ اس اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ [1]

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا سورہ الانعام نازل ہوئی درآنحالیکہ اس کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جس نے مشرق اور مغرب کو بھر لیا تھا' وہ بلند آواز سے تسبیح اور تقدیس کر رہی تھی اور زمین لرز رہی تھی' اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑھ رہے تھے۔سبحان اللہ العظیم' سبحان اللہ العظیم" اس حدیث کی روایت میں احمد بن محمد سالمی ؒ متفرد ہیں۔ [2]

سورہ الانعام سے مدنی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی ؒ متوفی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام النحاس ؒ نے اپنی کتاب ناسخ میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ سورہ الانعام مکہ میں مکمل یکبارگی نازل ہوئی' سو یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا تین آیتوں کے وہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔(آیت)" قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم۔" الایہ: ۱۵۳۔۱۵۱)

امام ابن المنذر ؒ نے حضرت ابوحذیفہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ سورہ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے' یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا اس آیت کے" ولو اننا نزلنا الیھم الملائکۃ (الانعام: ۱۱۱)

۱۔(المعجم الکبیر' ج ۳۴' رقم الحدیث: ۴۴۹۔۴۴۸' مطبوعہ بیروت)

۲۔(المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۴۴۳' مطبوعہ مکتبہ المعارف الریاض' ۱۴۱۵ھ)

امام فریابیؒ، امام اسحاق بن راھویہ اور امام عبد بن حمیدؒ نے شہر بن حوشبؒ سے روایت کیا ہے کہ سورہ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ فرشتے بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے، یہ مکی سورت ہے ماسوا ان دو آیتوں کے قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم"۔ (الایہ) اور اس کے بعد والی آیت۔ (الانعام: ۱۵۱۔۱۵۲)۔[۱]

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ حدیث میں سورہ الانعام چھ آیتوں کے سوا مکہ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کاتبوں کو بلا کر اسی رات اس سورت کو لکھوا لیا تھا۔[۲]

سورہ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث

امام دیلمیؒ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا سورہ الانعام پڑھنے والے کو ایک منادی ندا کرتا ہے: اس سورت سے محبت رکھنے اور اس کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آؤ جنت کی طرف۔

امام ابوالشیخؒ نے ابو محمد عابدؒ سے روایت کیا ہے۔ جس شخص نے سورہ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں: تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے دعا کرتے ہیں، قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا، اس کو کوثر سے غسل دے گا اور سلسبیل سے اس کو پانی پلائے گا اور فرمائے گا" میں تیرا برحق رب ہوں اور تو میرا برحق بندہ ہے"۔

امام ابن الضریسؒ، ابو محمد فارسیؒ سے روایت کرتے ہیں جس نے سورہ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں،

۱۔ (الدر المنثور، ج ۳، ص ۲۴۴، مطبوعہ بیروت)

۲۔ (قرطبی، ج ۶، ص ۲۱۵)

اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جو قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور کوثر سے پانی پلائے گا اور سلسبیل سے غسل دے گا اور اللہ فرمائے گا' میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔

امام دیلمیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اور اپنے مصلی پر بیٹھ گیا اور سورہ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں' اللہ تعالیٰ ستر فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور قیامت تک اس شخص کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ [1]

ان احادیث کو علامہ قرطبیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ [2]

حافظ سیوطیؒ نے سورہ الانعام کی فضیلت میں جو احادیث نقل کی ہیں' ان میں صرف ایک حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے اور باقی روایات کی اسانید سے سکوت کیا ہے۔ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کم عمل پر بہت زیادہ ثواب بیان کیا جائے' وہ موضوع ہوتی ہے اور فضائل قرآن کے سلسلہ میں لوگوں نے بہت احادیث وضع کی ہیں۔ اگر یہ احادیث موضوع نہ ہوں' تب بھی ضعف سے بہر حال خالی نہیں ہیں اور فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہے' اور تعدد اسانید سے حدیث ضعیف کو تقویت ملتی ہے۔ ہم نے اس نیت سے یہ احادیث لکھی ہیں کہ ان میں بیان کردہ ثواب کی امید پر سورہ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنی چاہئیں' لیکن یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ صرف ان تین آیتوں کو پڑھ لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے نہ فرائض' واجبات اور سنن و مستحبات پر عمل کی ضرورت ہے' محرمات اور مکروہات سے اجتناب

۱۔ (الدر المنثور' ج ۳ ص ۲' مطبوعہ ایران)

۲۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ۶' ص ۲۹۶۔۲۹۵)

کی حاجت ہے تاہم اللہ بہت کریم اور نکتہ نواز ہے۔ وہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے پانی پلایا' حتی کہ اس کتے کو سیراب کر دیا۔ اللہ نے اس کے اس عمل کو مشکور کیا اور اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔ [1]

سو اگر اللہ تعالیٰ سورہ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنے سے بخش دے اور جنت عطا فرمائے تو یہ اس کے کرم اور نکتہ نوازی سے کب بعید ہے!

مضامین کا خلاصہ

رکوع 1: اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات و دلائل اور اس کی صفات کا بیان ہے۔ پھر کفار کے اعراض، حق کو جھٹلانے اور پچھلی امتوں کا ذکر ہے۔ نیز کفار کی عادات اور فرشتوں کو رسول بنا کر نہ بھیجنے کی حکمت اور کفار کے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کا بیان ہے۔

رکوع 2: زمین پر چل پھر کر سابقہ امتوں کا انجام دیکھنے، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے دلائل، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے، اس کے مشکل کشا اور قاہر و حاکم ہونے کا ذکر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی گواہی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شرک سے برات اور خاسرین کے اسلام نہ لانے کا بیان ہے۔

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

رکوع 3: اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے، قیامت کے روز عدالت الٰہی میں مشرکین سے سوال و جواب کی کیفیت اوران کی بدنصیبی کا ذکر ہے۔ پھر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کفار کی اپنے ہاتھوں تباہی، ان کی دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش اوراس کے رد ہونے کا بیان ہے۔ آخر میں کفار کا حشر میں کف افسوس ملنا مذکور ہے۔

رکوع 4: اس رکوع میں خسارے والوں کا ذکر، دنیا کی بے ثباتی اوراس کے بے حقیقت ہونے کا ذکر، خدا کے منکرین کی فطرت اور ہدایت سے محرومی کا بیان ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تسلی کے لیے سابقہ رسولوں کی تکذیب کا بیان ہے۔ پھر کفار کے معجزہ طلب کرنے اس کی نشانیوں کی تکذیب کرنے والوں کی مثال اور مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا بیان ہے۔

رکوع 5: بہت سی امتوں پر رسولوں کو بھیجنے، کفار کو ڈھیل دے کر ان کی گرفت کرنے کا بیان ہے۔ پھر عذاب کے مستحقین اور رسولوں کی بعثت کے سبب کا بیان، منکرین کو عذاب دینے اور انبیاء کے اختیار کا تذکرہ ہے۔

رکوع 6: کفار کو ڈرانے اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ ہٹانے کی تلقین جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ آزمائش کی حکمت، توبہ کی تاکید اور آیات معجزات بیان کرنے کی مصلحت کا بیان ہے۔

رکوع 7: آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بتوں کو پوجنے اور مشرکین کی خواہشات پر چلنے سے انکار کا اعلان کرنے کا حکم، پھر اللہ تعالیٰ کے خیر الفاصلین ہونے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے کافروں کو جواب، غیب کے خزانوں اور اللہ تعالیٰ کے کمال علم وقدرت کا بیان ہے۔

رکوع 8: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتوں کا لوگوں کی روح قبض کرنا، ان سے جلد حساب لینا اور کفار کی عاجزی ولاچاری کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب دینے پر قادر ہونا، مکذبین اور یدن کا تمسخر کرنے والوں سے کنارہ کشی اور منکرین کو نصیحت کی تلقین مذکور ہے۔

رکوع 4: اطاعت ونماز ادا کرنے کی تاکید، اللہ تعالیٰ کی مالکیت، حضرت ابراہیمؑ کا مناظرہ مذکور ہے پھر شرک سے برات، قوم کا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے جھگڑا کرنا اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بے خوفی کا بیان ہے۔

رکوع 10: حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں دلیل عطا کرنا اور انبیاء (علیہم السلام) کو ہدایت وفضیلت اور حکمت ونبوت عطا کرنے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو انہی انبیاء کے طریقہ پر چلنے کی تلقین ہے۔

رکوع 11: منکرین کے اعتراض کا جواب، مبارک کتاب کا نازل کرنا، اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے، ظالموں پر موت کی سختیوں اور ان سے سوال وجواب کا ذکر ہے۔

رکوع 12: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کے وجود وصفات کے دلائل اور عجائبات قدرت کا بیان ہے۔

رکوع 13: اللہ تعالیٰ کے لیے بیوی بچوں کی نفی، صرف اسی کی ذات کا عبادت کے لائق ہونا، مشرکین سے اعراض کرنے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے کا بیان ہے۔ پھر باطل معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت، منکرین کی طرف سے معجزے کے مطالبے اور کافروں کے دلوں کو پھیرنے کا ذکر ہے۔

رکوع 14: کفار کا ایمان نہ لانا۔ انبیاء کے دشمن، قرآن کی حقانیت اور حلال وحرام ذبیحوں کا بیان ہے۔ پھر گناہوں سے بچنے اور جس جانور کو اللہ کے نام سے بغیر ذبح کیا گیا ہو اس سے اجتناب کی تلقین ہے۔

رکوع 15: مومن و کافر میں فرق، عطیہ، خداوندی، صراط مستقیم، سل امتی کا گھر اور جنوں سے باز پرس کا بیان ہے۔

رکوع 16: جنوں اور کافروں کا اقرار جرم اور بے خبری میں ان کو عذاب نہ دینے، اعمال کے درجات اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے۔ پھر کافروں کے لیے سخت وعید، مشرکین کی مذمت اور ان کے غلط عقائد اور اللہ پر افترا کا ذکر ہے۔

رکوع 17: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے حیرت انگیز کمالات، شیطان کے صریح دشمن ہونے اور آٹھ مویشیوں کی حلت کا بیان ہے۔

رکوع 18: چند حرام چیزوں کا بیان یہود کو ان کی سرکشی کی سزا دینے، مشرکین کی گمراہی کا بیان اور منکرین کی خواہشات کی پیروی کی ممانعت ہے۔

رکوع 14: چند حرام چیزوں کا ذکر اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا کرنے کا بیان ہے۔

رکوع 20: قرآن کی پیروی کرنے کی تاکید اور اس کے نازل کرنے کی وجہ کا بیان ہے۔ پھر سزا کے مستحق اور ظالم شخص کا ذکر، کفار کو دھمکی، تفرقہ کا انجام، نیکی کا بدلہ، ملت ابراہیمی اور زندگی و موت کا مالک کا بیان ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱ ﴾

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے پیدا فرمایا (ان عظیم الشان) آسمانوں

اور (اس حکمت بھری) زمین کو، اور اس نے بنائے اندھیرے اور روشنی، پھر بھی کافر لوگ (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

حمد، مدح اور شکر کا فرق

حمد، مدح اور شکر میں فرق ہے مدح، حمد سے عام ہے۔ حمد، کسی شخص کی اختیاری خوبی اور کمال پر تعریف اور توصیف کو کہتے ہیں خواہ وہ نعمت ملنے کی وجہ سے کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اور مدح کسی چیز کے حسن اور خوبی پر کی جانے والی تعریف کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ اس کی اختیاری خوبی ہو یا غیر اختیاری۔ اگر آپ کسی عالم کے علم و فضل کی تعریف کریں گے تو یہ حمد بھی ہے اور مدح بھی ہے اور اگر آپ کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کریں گے تو یہ مدح ہے، حمد نہیں ہے۔ حمد اور شکر میں بھی فرق ہے۔ حمد عام ہے خواہ نعمت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اگر آپ کسی ایسے شخص کے علم کی تعریف کریں جو آپ کو جانتا نہیں ہے اور آپ کا اس سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے تو یہ حمد ہے، شکر نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے آپ کو کچھ مال دیا ہو اور آپ اس کی سخاوت کی تعریف کریں تو یہ شکر بھی ہے اور حمد بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تنہا وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس لیے صرف وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے، کیونکہ جس ذات نے زمین و آسمان جیسی چیزوں کو پیدا کیا ہے درحقیقت وہی حمد و ثنا کے لائق ہے اور جس ذات نے ظلمت و نور جیسی چیزیں پیدا کی ہیں، یقیناً وہی تمام تعریفوں کی حق دار ہے۔ ان تمام کائناتی دلائل کے ہوتے ہوئے، جو اللہ تعالیٰ کے تنہا خالق و مالک ہونے پر دلالت کرتے ہیں، شرک کرنا عقلی طور پر بھی مستبعد ہے، لیکن ان مشرکوں کا حال یہ ہے کہ ان

قطعی کائناتی دلائل کے باوجود اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ: جو ذات آسمانوں اور زمین کی خالق ہے وہی مالک ہے، وہی کارساز ہے، وہی معبود ہے، وہی حاکم ہے، ہر قسم کی تعریف اسی کو زیبا اور سزاوار ہے، ارشاد فرمایا: (خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۔ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ)[لقمان: ۱۰، ۱۱] "اس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا کیا، جنھیں تم دیکھتے ہو اور زمین میں پہاڑ رکھ دیے، تاکہ وہ تمھیں ہلا نہ دے اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس میں ہر طرح کی عمدہ قسم اگائی۔ یہ ہے اللہ کی مخلوق، تو تم مجھے دکھاؤ کہ ان لوگوں نے جو اس کے سوا ہیں کیا پیدا کیا ہے؟ بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔" اور فرمایا: (وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ)[العنکبوت: ۶۱ تا ۶۳] "اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو مسخر کیا تو ضرور ہی کہیں گے کہ اللہ نے، پھر کہاں بہکائے جا رہے ہیں۔ اللہ رزق فراخ کر دیتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے اور اس کے لیے تنگ کر دیتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور یقیناً اگر تو ان سے

پوچھے کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا تو ضرور ہی کہیں گے کہ اللہ نے، کہہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے، بلکہ ان کے اکثر نہیں سمجھتے۔"

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ: یعنی جب ہر چیز کا مالک و خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ مشرکین اسے اپنا رب (پالنے والا) بھی تسلیم کرتے ہیں تو ان پر لازم تھا کہ عبادت بھی اسی کی کرتے، مگر یہ پھر بھی دوسروں کو اس کے برابر گردانتے ہیں، ان کے سامنے سجدے کرتے ہیں، ان کے نام کی نذریں چڑھاتے اور منتیں مانتے ہیں اور مشکلات میں ان سے مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ کس قدر بے عقلی ہے کہ پیدا اللہ تعالیٰ کرے، روزی بھی وہی دے، پھر مانگا غیر سے جائے اور اس کو اپنے رب کے برابر ٹھہرایا جائے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اذیت کی بات کو سن کر صبر کرنے والا اللہ سے زیادہ کوئی نہیں ہے، لوگ اس کے لیے بیٹا بناتے ہیں اور وہ پھر بھی ان کو عافیت سے رکھتا ہے اور رزق دیتا ہے۔"[1]

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ ﴾

وہی ذات ہے جس نے تم کو گیلی مٹی سے پیدا کیا، پھر (تمہاری زندگی کی) ایک میعاد مقرر کر دی، اور (دوبارہ زندہ ہونے کی) ایک متعین میعاد اسی کے پاس ہے

۱۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب (إن اللہ ہو الرزاق ذو القوۃ المتین): ۷۳۷۸۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب فی الکفار: ۲۸۰۴]

پھر بھی تم شک میں پڑے ہوئے ہو۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین یعنی عالم کبیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال کیا تھا اور اس آیت میں انسان یعنی عالم صغیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا اور تم آدم کی اولاد ہو' لہٰذا تم کو بھی مٹی سے پیدا کیا۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا اے لوگو! بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ مومن' متقی' کریم اور فاجر' درشت خو اور ذلیل۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ [1]

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم کو بلا واسطہ مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حافظ ابونعیمؒ نے اپنی کتاب حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے' وہ نطفہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے' اے رب! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ اگر اللہ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی تو پھر کہتا ہے' اے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کا نشان کیسا ہے؟

۱۔ (شعب الایمان' ج ٤ ص ٢٨٤' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٠ھ)

اور اس کی موت کب ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم لوح محفوظ دیکھو۔ وہ لوح محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کا رزق' اس کا نشان' اس کی موت اور اس کا عمل لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا' وہ وہاں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے:

(آیت) "منھا خلقنا کم وفیھا نعید کم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری"۔ (طہ:۵۵)

ترجمہ: ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔ [۱]

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذرؒ نے عطاء خراسانیؒ سے روایت کیا ہے جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا' وہاں کی مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے "منھا خلقنا کم"۔ [۲]

حافظ ابونعیم اصبہانیؒ متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔ [۳]

علامہ علی متقی برھان پوریؒ متوفی ۹۷۵ھ خطیب کے حوالے سے لکھتے ہیں' حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی میں دفن کیے

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۰۰' مطبوعہ بیروت)

۲۔ (الدر المنثور' ج ۴' ص ۳۰۲' مطبوعہ ایران)

۳۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲' ص ۲۸۰' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

جائیں گے۔[1]

امام ابن جریرؒ، ابن منذر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ھوالذی خلقکم من طین یعنی آدم (علیہ السلام) (مٹی سے پیدا ہوئے) لفظ آیت ثم قضیٰ اجلا یعنی موت کی مدت لفظ آیت واجل مسمی عندہ یعنی قیامت کی مدت بھی مقرر ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام فریابیؒ، ابن ابی شیبہؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتمؒ، ابوالشیخ اور حاکمؒ نے (اور آپ نے اس کی تصحیح بھی کی ہے) ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ثم قضی اجلا یعنی دنیا کی مدت اور دوسرے لفظ پر موت کا مقرر وقت بھی مذکور ہے۔ لفظ آیت واجل مسمی عندہ یعنی آخرت کی مدت بھی مقرر ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قضی اجلا سے مراد ہے نیند اللہ تعالیٰ اس میں روح قبض کر لیتے ہیں پھر اس کے جاگنے کے وقت اس کی طرف واپس لوٹا دیتے ہیں۔ لفظ آیت واجل مسمی عندہ یعنی انسان کے موت کے وقت۔

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ھوالذی خلقکم من طین سے مراد ہے کہ یہ پیدائش کی ابتدا کا ذکر ہے۔ جب آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا گیا پھر فرمایا لفظ آیت ثم جعل نسلہ من سللۃ من ماء مھین اور فرمایا لفظ آیت ثم قضی اجلا واجل مسمی عندہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تیری زندگی کا مقرر وقت موت تک ہے۔ اور تیری موت سے لے کر تیرے (دوبارہ) اٹھنے کے دن تک لفظ آیت ثم انتم تمترون پھر بھی تم اس میں شک کر رہے ہو۔

۱۔ (کنز العمال، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۳۳۶۷۳)

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذر اور ابو الشیخؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ثم قضی اجلا یعنی دنیا کی موت کی مدت لفظ آیت واجل مسمی عندہ یعنی آخرت میں (دوبارہ) اٹھائے جانے کا مقرر وقت ہے۔

امام عبد الرزاقؒ، ابن جریرؒ، ابن منذر اور ابو الشیخؒ نے قتادہ وحسن رحمۃ اللہ علیہما دونوں حضرات سے روایت کیا کہ لفظ آیت ثم قضی اجلا سے مراد ہے دنیا کی مدت کو پورا ہوتا تیرے پیدا ہونے سے لے کر (تیری) موت تک لفظ آیت واجل مسمی عندہ میں قیامت کے دن۔

امام ابو الشیخؒ نے یونس بن یزید ایلیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ثم قضی اجلا سے مراد ہے۔ جب پیدا فرمایا چھ دنوں میں لفظ آیت واجل مسمی عندہ سے مراد ہے کہ اس کے بعد جو قیامت کے دن تک تخلیق فرمائے گا۔

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ثم انتم تمترون یعنی تم شک کرتے ہو۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے خالد بن معدانؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ثم انتم تمترون یعنی تم دوبارہ اٹھنے میں شک کرتے ہو۔

﴿ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝٣ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝٤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا

جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

اور وہی اللہ (معبود برحق) ہے آسمانوں میں بھی، اور زمین میں بھی، وہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ (احوال) کو بھی، اور کھلے کو بھی، اور اسے خوب معلوم ہے وہ سب کچھ جو تم لوگ کرتے ہو۔ (۳) اور نہیں آتی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی مگر یہ اس سے اعراض کرنے والے بنے ہوئے ہیں۔ (۴) پس بیشک انھوں نے حق کو جھٹلا دیا جب ان کے پاس آیا تو جلد ہی ان کے پاس اس کی خبریں آجائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے ہیں۔ (۵)

کتاب اللہ کا مذاق اڑانا بدترین گناہ ہے

امام ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وما تاتیھم من ایۃ من ایت ربھم الا کانوا عنھا معرضین یعنی کتاب اللہ میں سے جو بھی چیز تمہارے پاس آئی تو تم نے اس سے اعراض کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول لفظ آیت فقد کذبوا بالحق لما جاءھم فسوف یاتیھم انبوا ما کانوا بہ یستھزءون یعنی عنقریب ان کے پاس قیامت کے دن خبریں آئیں گی جو وہ کتاب اللہ عزوجل کے ساتھ مذاق بنایا کرتے تھے۔

یعنی وہی ہستی ہے جس کو آسمانوں میں اور زمین میں اللہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ آیت تقریباً اس

آیت کے ہم معنی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۔ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ) [الزخرف: ۸۴، ۸۵] "اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اور وہی کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور بہت برکت والا ہے وہ جس کے پاس آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔" یعنی آسمانوں اور زمین میں ایک ہی ذات ہے جسے اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے، جس کی آسمانوں اور زمین دونوں میں حکومت ہے اور دونوں میں اس اکیلے ہی کی عبادت کی جاتی ہے، کیونکہ وہ تمہاری ہر چھپی اور کھلی بات کو اور تمہارے ہر عمل کو جانتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا کمال ثابت ہوتا ہے اور یہ کمال اس کے معبود برحق ہونے کی ایک دلیل ہے۔ بعض لوگ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کے خلاف بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے اور کوئی عرش وغیرہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ بلند ہو، حالانکہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے عرش کا اور اللہ تعالیٰ کے اس کے اوپر ہونے کا واضح بیان ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً اٹھارہ جگہ اللہ تعالیٰ کے عرش کا ذکر ہے، اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش کے اوپر ہے۔ البتہ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے وہ ہر جگہ ہے۔

ان آیات سے مراد وہ احکام بھی ہیں جو آیات کی صورت میں انبیاء (علیہ السلام) پر اترتے رہے اور وہ معجزات بھی جو نبوت کی دلیل کے طور پر اترتے رہے۔ اس کے علاوہ کائنات میں بیشمار نشانیاں ایسی

موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی طرف دعوت دیتی ہیں، لیکن یہ ان سے اعراض کرتے ہیں، ارشاد فرمایا: (وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ)[یوسف:۱۰۵] "اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے گزرتے ہیں اور وہ ان سے بے دھیان ہوتے ہیں۔" اور فرمایا: (وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ)[یٰسٓ:۳۳] "اور ایک نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے، ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے غلہ نکالا تو وہ اسی میں سے کھاتے ہیں۔" اور فرمایا: (وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ)[یٰسٓ:۳۷] "اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے، ہم اس پر سے دن کو کھینچ اتارتے ہیں تو اچانک وہ اندھیرے میں رہ جانے والے ہوتے ہیں۔"

اوپر کی آیات میں توحید اور آخرت کو ثابت کیا گیا ہے، اب اس آیت میں تقلید کا باطل ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ حق سے مراد قرآن کریم بھی ہوسکتا ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات بھی۔ ان دونوں کا دعویٰ یہ تھا کہ اسلام ہی بالآخر غالب آ کے رہے گا، کفار مکہ بالخصوص اس بات کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ کمزور سی مٹھی بھر جماعت ہے جسے کھانے پینے کی چیزیں بھی میسر نہیں آتیں۔ وہ اگر محلوں کے خواب دیکھے تو یہ دیوانگی نہیں تو کیا ہے؟ اسی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تو یہ کفار اس وعدہ کو محض مذاق سمجھتے ہوئے اس پر ہنستے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں، لیکن عنقریب مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا جائے گا اور پھر ایسے واقعات پیش آئیں گے جن سے یہ وعدہ حقیقت بن کر ان کے سامنے آجائے گا اور آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے کہ آخرت بھی، جس کا وہ مذاق اڑاتے ہیں، ان کے سامنے آجائے گی۔

جیسا کہ سیدنا ابوطلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کی لاشوں کو بدر کے کنوؤں میں سے ایک گندے اور ناپاک کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کنویں کی منڈیر پر کھڑے ہوئے اور انھیں (کفار قریش کو) ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنے لگے: "اے فلاں کے بیٹے فلاں، اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا اب تمھیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے، پس بیشک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے پالیا، کیا تم سے بھی تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے اسے سچا پایا؟"۔ [1]

﴿ اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَکِّنۡ لَّکُمۡ وَ اَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ۪ وَّ جَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَکۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ ۝۶ ﴾

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمھیں نہیں دیا ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتوں اور باغوں کے)

۱۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جھل: ۳۹۷۶۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب عرض مقعد المیت: ۲۸۷۳، ۲۸۷۵]

نیچے دریا بہائے پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم پیدا کر دی۔

ربط آیات اور خلاصہ مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانوں سے اعراض کرنے' ان کی تکذیب کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا تھا اور ان کے اس انکار اور استہزاء پر ان کو عذاب کی وعیدہ سنائی تھی۔ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اور مکذبین کو عذاب کی وعید سنانا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ کیا ان مکذبین کو لوگوں سے خبریں سن کر یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی سابقہ امتوں کو مثلاً قوم عاد و ثمود' قوم فرعون اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا۔ جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اس گھمنڈ سے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی کہ وہ بہت مالدار اور طاقتور ہیں۔ وہ قریش مکہ سے اس بات میں ممتاز تھے کہ ان پر بکثرت موسلا دھار بارشیں نازل ہوتی تھیں، جس سے ان کی زرعی زمینیں بہت زرخیز ہوتی تھیں اور ان کے مکانوں کے کنارے پر دریا بہتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ایک اور قوم پیدا کی جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی تھی اور یہ بھی اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کرتی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہے' اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "وکم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا فتلک مساکنھم لم نسکن من بعدھم الا قلیلا وکنا نحن الورثین، وما کان ربک مھلک القری حتی یبعث فی امھا رسولا تتلوا علیھم ایتنا وما کنا مھلکی القری الا واھلھا ظالمون

"۔(القصص:۵۹۔۵۸)

ترجمہ: ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا (جن کے رہنے والے) اپنی خوشحالی پر اترانے لگے تھے۔ سو یہ ہیں ان کے مکان' جن میں ان کے بعد بہت کم رہائش کی گئی ہے اور (بالآخر) ہم ہی وارث ہیں، اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان بستیوں کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے' جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرے اور ہم اس وقت ہی بستیوں کو ہلاک کرتے ہیں جب اس کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار مکہ کو نصیحت کی جائے اور انھیں اس بات سے ڈرایا جائے کہ کہیں ان پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو پچھلی امتوں کے ان کے ان جیسے کافروں پر آیا تھا' جب کہ وہ لوگ دنیاوی شان وشوکت اور قوت وطاقت اور عددی حیثیت سے اہل مکہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ اور برتر تھے۔

قرن کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے قرن تباہ کر دیئے اس آیت میں قرن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ راغب اصفہانیؒ متوفی ۵۰۲ھ: نے قرن کا یہ معنی لکھا ہے قرن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں مقترن ہوں اس کی جمع قرون ہے۔ [1]

علامہ ابن اثیر جزریؒ متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے' ہر زمانہ کے لوگوں کو قرن کہتے ہیں اور یہ ہر زمانہ میں متوسط عمروں کی مقدار پر مشتمل لوگ ہیں۔ یہ لفظ اقتران سے ماخوذ ہے' یعنی جتنے زمانہ میں اس زمانہ کے لوگ اپنی عمروں اور اپنے احوال سے مقترن ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زمانہ چالیس سال کا ہے۔

۱۔(المفردات' ص ۴۰۱)

ایک قول یہ ہے کہ یہ اسی سال کا زمانہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سو سال کا زمانہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مطلق زمانہ ہے۔ [1]

امام رازیؒ متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ واحدیؒ نے کہا ہے کہ زمانہ کی جس مدت میں ایک قوم مقترن ہو وہ قرن ہے' یعنی جس مدت میں ایک قوم مقترن ہو' پھر موت سے وہ دوسری قوم سے متفرق ہو جائے تو وہ قوم ایک قرن ہے۔ کیونکہ جو لوگ اس کے بعد آئیں گے وہ ایک دوسری قوم ہوں گے اور وہ آپس میں مقترن ہوں گے' تو یہ دوسری قرن ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تمام قرنوں میں بہترین میرا قرن ہے۔

اور جبکہ عموماً لوگوں کی عمریں ساٹھ' ستر' اور اسی سال کے لگ بھگ ہوتی ہیں اس وجہ سے بعض لوگوں نے کہا قرن ساٹھ سال کا زمانہ ہے۔ بعض نے کہا ستر سال کا اور بعض نے کہا اسی سال کا زمانہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں زمانہ کی کوئی ایسی معین مقدار نہیں ہے جس پر زیادتی یا اس سے کمی نہ ہو سکے' بلکہ اس سے مراد ہے ہر زمانہ کے لوگ اور جب اس زمانہ کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو کہا جائے گا کہ وہ قرن ختم ہو گئی۔ [2]

امام رازیؒ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے' وہ یہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم سب میں

۱۔ (النہایہ' ج ۴' ص ۵۱)

۲۔ (تفسیر کبیر' ج ۴ ص ۱۱' طبع قدیم)

بہترین میرا قرن ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں' پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں۔ [1]

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرن سو سال کا زمانہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے فرمایا تھا کہ تم ایک قرن تک زندہ رہو گے تو وہ سو سال زندہ رہے۔ [2]

بعض سوالوں کے جوابات:

اس آیت پر ایک یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مکذبین کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ اس میں زجر و توبیخ کی کون سی بات ہے؟ کیونکہ موت تو ہر شخص کو آنی ہے۔ خواہ مومن ہو یا کافر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زجر و توبیخ کی وجہ یہ ہے کہ ان کو عذاب شدید سے موت آئی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کیا انھوں نے گزشتہ امتوں کی ہلاکت کو نہیں دیکھا؟ حالانکہ کفار مکہ نے گزشتہ امتوں کے احوال کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خبر دینے کے وہ مصدق نہیں تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کیا ان کو ان امتوں کے احوال نہیں معلوم اور ان امتوں کی ہلاکت کے احوال تواتر سے نقل ہو رہے تھے اور لوگوں کے درمیان مشہور تھے۔ ایک اور سوال یہ

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۵۱' صحیح مسلم' فضائل صحابہ' ۲۱۳' (۲۴۳۵) ۶۲۵۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۵۷' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۲۹' سنن نسائی' ۳۸۱۸' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۲۲۹' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۲' ص ۱۷۶' المعجم الکبیر' ج ۱۸' رقم الحدیث: ۵۸۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۲۰۸' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۵۹۴' طبع قاہرہ' مسند احمد ج ۱' ص ۲۷۹' طبع قدیم)

۲۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۳۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہے کہ اس بات کے ذکر کی کیا ضرورت ہے کہ اللہ ان کی جگہ ایک اور قوم کو لے آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان کو ہلاک کرنا اللہ پر دشوار نہیں ہے' وہ اس پر قادر ہے کہ ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابو مالکؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت من قرن سے مراد امت ہے۔

امام عبدالرزاقؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ اس آیت کے متعلق لفظ آیت مکنھم فی الارض مالم نمکن لکم یعنی ہم نے اس کو جو کچھ عطا کیا تھا جو ہم نے تم کو عطا نہیں کیا۔

امام ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے علیؓ کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت وارسلنا السمآء علیھم مدرارا کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ مسلسل برسنے والی موسلا دھار بارش ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے ہارون التمیمیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وارسلنا السمآء علیھم مدرارا یعنی ایسی بارش جو موسلا دھار اور تیز ہو۔

﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ ﴾

اگر ہم تم پر کوئی ایسی کتاب اتارتے' جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہوتی اور یہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے' جب بھی یہ کفر کرنے والے یہی کہتے کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا

جادو ہے۔

ربط آیات اور شان نزول

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت توحید اور پیغام اسلام کو مسترد کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ایک وہ جو اپنے عیش و آرام میں مست تھے اور ان کو اپنی قوت و حشمت پر گھمنڈ تھا۔ان کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آچکا ہے۔دوسری قسم کے وہ لوگ تھے جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیش کیے ہوئے معجزات کو کھلا ہوا جادو قرار دیتے تھے۔ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔

امام عبدالرحمن بن علی محمد جوزی ؒ متوفی ۵۹۷ ھ نے بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کتاب نہ لائیں اور اس کتاب کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو یہ گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔تب یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم ؒ نے عوفی ؒ کے طریق سے ابن عباس ؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ولو نزلنا علیک کتبا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم یعنی اگر ہم آسمان سے کوئی صحیفہ نازل فرمائیں اس میں لکھا ہوا ہو اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں۔تو یہ بات ان کی تکذیب میں اور زیادہ کر دیتی ہے۔

امام عبدالرزاق ؒ، عبد بن حمید ؒ، ابن جریر ؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ ؒ نے قتادہ ؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ولو نزلنا علیک کتبا فی قرطاس کہ اس میں قرطاس سے مراد صحیفہ ہے۔

امام عبد بن حمید ؒ، ابن جریر ؒ، ابن منذر اور ابن ابی حاتم ؒ نے قتادہ ؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت

۱۔(زادالمسیر ج ۳، ص ۷، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

فلمسوہ بایدیھم کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ اس کو (اپنی) آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنے ہاتھوں سے چھولیں (تب بھی ایمان نہیں لائیں گے)۔

امام ابن ابی شیبہؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فلمسوہ بایدیھم یعنی اس کو چھولیں اور اس کی طرف دیکھ لیں تو اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔

﴿ وَقَالُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ ﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کر دیا جاتا پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی۔ (۸) اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑ رہے ہیں۔ (۹) اور تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو جن لوگوں نے ان میں سے

مذاق اڑایا ان کو اس چیز نے آن گھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔(۱۰)

کفار کے مطالبہ کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فرشتے کو نہ بھیجنے کی حکمت

حافظ جلال الدین سیوطی ؒ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم ؒ نے امام محمد بن اسحاق ؒ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو مسلمان کرنے کی انتہائی کوشش کی تو۔

زمعہ بن الاسود' نضر بن حارث' عبدہ بن عبد یغوث' ابی بن خلف اور عاص بن وائل نے کہا کہ آپ پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا۔[1]

کفار مکہ کا منشا یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ کیونکہ فرشتوں کے علوم انسانوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی قدرت اور ان کی ہیبت بھی انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ مکمل طور دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ سو ان کی نبوت اور رسالت میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہوگا' تو اس وجہ سے اگر اللہ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جو جواب دیا ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ فرشتے کو اسی وقت دیکھ سکتے تھے جب وہ کسی جسم کثیف میں متمثل ہوتا' اور ہر شخص اپنی جنس سے مانوس ہوتا ہے اور دوسری جنس سے غیر مانوس ہوتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو ان کے پاس رسول بنا کر بھیجتا تو اگر وہ اپنی اصل صورت میں ان کے پاس آتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے' نہ اس کا کلام سن سکتے اور نہ اس کی عبادات اور معمولات ان کے لیے

۱۔(الدر المنثور' ج ۳' ص ۵' مطبوعہ ایران)

نمونہ اور حجت ہوتے۔ کیونکہ دونوں کی جنس الگ الگ ہوتی اور اگر وہ ان کے سامنے انسانی پیکر میں متمثل ہو کر آتا' تو وہ اس سے کہتے کہ تم فرشتہ نہیں ہو' تم تو ہماری طرح انسان ہو اور پھر ان کا وہی شبہ لوٹ آتا۔ انبیاء (علیہم السلام) کے پاس بھی فرشتے بعض اوقات انسانی پیکر میں آتے تھے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس فرشتے انسانی صورتوں میں آئے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس حضرت جبرائیل (علیہ السلام) اعرابی اور دحیہ کلبی کی شکل میں آئے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دو مرتبہ حضرت جبرائیل ؑ کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

علامہ قرطبی ؒ متوفی ٦٦٨ نے لکھا ہے کہ اگر کفار فرشتہ کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیتے تو اسی وقت مر جاتے' کیونکہ وہ اس کی صورت دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ مجاہد اور عکرمہ ؒ نے کہا کہ قیامت آجاتی۔ حسن اور قتادہ ؒ نے کہا ان پر عذاب آکر ان کو ملیا میٹ اور تہس نہس کر دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی نشانی کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کے مطالبہ پر وہ نشانی بھیج دی جاتی ہے اور پھر وہ ایمان نہیں لاتی تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو فی الفور ہلاک کر دیتا ہے اور چونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت کے بعد آسمانی عذاب نہیں آنا تھا' اس لیے ان کا یہ مطالبہ پورا نہیں کیا گیا۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی سزا

بعض کفار مکہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے استہزاء یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ آنا چاہیے جو آپ کی رسالت کی گواہی دے تو اللہ نے آپ کی تائید اور نصرت کے لیے یہ آیت

۱۔ الجامع لاحکام القرآن جز ٦ ص ٣٠٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ١٤١٥ھ)

نازل کی اور بیشک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا' تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس سے پہلے دیگر کافر قوموں نے بھی اپنے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا

(آیت) "ولقد ارسلنا من قبلک فی شیع الاولین، وما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن"۔(الحجر:۱۱۔۱۰)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے اگلے گروہوں میں رسول بھیجے اور ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) "فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین، انا کفینک المستھزئین"۔(الحجر:۹۵۔۹۴)

ترجمہ: آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کو علانیہ ذکر فرمائیں اور مشرکین سے اعراض کریں اور بیشک ان مذاق اڑانے والوں کو سزا دینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

اور مکہ کے جو صنادید رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کا بدلہ لے لیا۔

امام ابن جریرؒ، اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عروہ بن زبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سردار نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا پہنچاتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان لوگوں میں اسد بن عبد العزی سے اسود بن المطلب تھا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ خبر پہنچی کہ وہ آپ کا مذاق اڑاتا ہے' آپ نے اس کے خلاف دعا کی: اے اس کو

اندھا کر دے اور اس کے بچوں کو گم کر دے اور بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد یغوث تھا اور بنو مخزوم میں سے ولید بن مغیرہ تھا۔ اور بنو سہم میں سے عاص بن وائل تھا اور خزاعہ میں سے حارث بن طلاطلہ تھا۔ جب ان کی سرکشی بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ لوگ بہت مذاق اڑانے لگے' تو سورہ حجر کی یہ آیات (۹۵۔۹۴) نازل ہوئیں اور جس وقت یہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے' اس وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اسود بن المطلب حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا' حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے اس کے منہ پر سبز پتا مارا جس سے وہ اندھا ہو گیا اور اسود بن عبد یغوث گزرا' جبرائیل (علیہ السلام) نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کو استسقاء (پیاس) کی بیماری لگ گئی' پانی پی پی کر اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ اسی حال میں مر گیا۔ اور ولید بن مغیرہ گزرا' دو سال پہلے اس کے پیر کی ایڑی کے نیچے ایک زخم آیا تھا' کیونکہ وہ بنو خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے گزرا تو اس کا تیر اس کے تہبند میں گھس گیا جس سے اس کا پیر زخمی ہو گیا۔ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے اس زخم کی طرف اشارہ کیا وہ تازہ ہو گیا اور وہ اس کی تکلیف میں مر گیا۔ اور عاص بن وائل سہمی گزرا حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے اس کے پیر کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ طائف جانے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہوا تو اپنے گدھے سے گرا اور اس کے تلوے میں کانٹا چبھ گیا اور اس سے زخم ہو گیا اور اسی تکلیف میں وہ مر گیا۔ اور حارث بن طلاطلہ گزرا' حضرت جبرائیلؑ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تو اس کے سر سے پیپ نکلنے لگی اور وہ اسی

بیماری میں مرگیا۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ جو نامی گرامی کافر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر طعن کرتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے، وہ سب عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر مر گئے۔

فرشتے کو مطالبہ پر اتارتے تو کام تمام ہو جاتا

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ولو انزلنا ملکا اگر ان کے پاس فرشتہ اس کی صورت میں آتا تو لفظ آیت لقضی الامر ہم ان کو ضرور ہلاک کر دیتے لفظ آیت ثم لا ینظرون یعنی ڈھیل نہ دیئے جاتے لفظ آیت ولو جعلنہ ملکا لجعلنہ رجلا وللبسنا یعنی اگر ان کے پاس فرشتہ آتا تو ان کے پاس آدمی کی صورت میں آتا۔ کیونکہ وہ اس کی طرف دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے۔ لفظ آیت وللبسنا علیھم مایلبسون تو ہم اس پر ان پر معاملہ خلط کر دیتے جس طرح وہ ابھی خلط کر رہے ہیں۔

امام عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ولو جعلنہ ملکا لجعلنہ رجلا کے بارے میں فرمایا اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بناتے تو یقیناً ہم اسے انسان کی شکل میں اور انسان کی طرح پیدا کر کے نبی بناتے۔

امام عبدالرزاقؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابوالشیخؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ولو جعلنہ ملکا لجعلنہ رجلا یعنی آدمی کی صورت میں بناتے۔

امام ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ولو جعلنہ ملکا لجعلنہ رجلا کے بارے میں فرمایا ہم اس فرشتہ کو آدمی کی صورت میں بناتے ہم اس کو فرشتوں کی صورت میں نہ بھیجتے۔

۱۔ (جامع البیان، جز ۱۴ ص ۹۵۔۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وللبسنا علیھم یعنی ہم ان پر مشتبہ بنا دیتے۔

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ ؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت وللبسنا علیھم مایلبسون کے بارے میں فرمایا ہم ان پر مشتبہ بنا دیتے جس طرح وہ اس شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

امام ابن جریر اور ابوالشیخؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت وللبسنا علیھم مایلبسون کے بارے میں فرمایا کہ کوئی قوم شبہات میں نہیں پڑتی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر معاملہ کو مشتبہ کر دیتے ہیں۔ التباس اور اشتباہ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ (اس بات کو) بندوں کے لیے واقع بیان کر دیا۔ اور اپنے رسولوں کو بھیج دیا اور ان پر حجت اور دلائل قائم کئے اور ان کو اپنی آیات اور نشانیاں دکھائی دیں اور ان کو وعید بھی سنا دی۔

لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا الخ، یعنی اگر ہم فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے تو ظاہر بات ہے کہ وہ فرشتے کی اصل شکل میں تو آ نہیں سکتا تھا، کیونکہ انسان اس سے خوف زدہ ہوتے اور قریب و مانوس ہونے کے بجائے دور بھاگتے اس لیے ناگزیر تھا کہ اسے انسانی شکل میں بھیجا جاتا اس میں بھی یہی شبہ ہوتا کہ یہ تو انسان ہی ہیں تو پھر فرشتے کو بھیجنے سے کیا فائدہ ہوتا، حضرت داؤد (علیہ السلام) اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جو فرشتے آئے تھے وہ انسان ہی کے شکل میں آئے تھے۔

امام ابن منذر اور ابن ابی حاتمؒ نے محمد بن اسحاقؒ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، ابوجہل بن ہشام کے پاس سے گزرے تو۔ انھوں نے آپ کو ہٹا دیا اور آپ کے ساتھ مذاق اڑایا۔ اس بات سے آپ غصہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت ولقد

استھزی برسل من قبلک فحاق بالذین سخروا منھم ما کانوا بہ یستھزءون۔

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ ؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فحاق بالذین سخروا منھم سے مراد رسول ہیں جن کا وہ مذاق اڑا رہے تھے۔ لفظ آیت ما کانوا بہ یستھزءون یعنی انھیں اس چیز نے عذاب میں واقع کیا جس کے ساتھ انھوں نے مذاق کیا۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ آپ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں نے ایسا ہی برتاؤ کیا تھا، لہٰذا آپ ان کی پروا نہ کیجیے اور انجام کار انھیں اسی قسم کے عذاب سے ہلاک کیا گیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

﴿ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلْ لِلَّهِ ۚ كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ ﴾

ان سے کہا کہ چلو (پھرو) تم لوگ (عبرتوں بھری) اس زمین میں، پھر دیکھو کہ کیسا ہوا انجام (حق وصداقت کے) جھٹلانے والوں کا۔ (۱۱) آپ فرما دیجیے! کس کی ملکیت ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ فرما دیجیے یہ سب اللہ ہی کے

لیے ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا لازم فرمالیا ہے اور وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(۱۲)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ اگر کفار مکہ قرآن میں مذکور ہلاک شدہ قوموں کے واقعات میں شبہ کرتے ہیں تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ زمین میں گھوم کر انبیاء کو جھٹلانے والی قوموں کا حال معلوم کرلو کہ کس طرح اللہ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ گزشتہ آیت میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو تسلی دی گئی ہے، یہ تتمہ ہے اور اس بات کی تاکید ہے کہ ان کافروں کا انجام بھی پہلوں جیسا ہوگا، جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۔ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ)[الحج:۴۵،۴۶] "سو کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے اس حال میں ہلاک کیا کہ وہ ظالم تھیں، پس وہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی ہیں اور کتنے ہی بے کار چھوڑے ہوئے کنویں ہیں اور چونا گچ محل۔ پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے لیے ایسے دل ہوں جن کے ساتھ وہ سمجھیں، یا کان ہوں جن کے ساتھ وہ سنیں۔ پس بیشک قصہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔" اور فرمایا: (اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا)[محمد:۱۰] "تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا

انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور ان کافروں کے لیے بھی اسی جیسی (سزائیں) ہیں۔" اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ میدان بدر میں پورا ہوا۔

چنانچہ سیدنا ابوطلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کی لاشوں کو بدر کے کنوؤں میں سے ایک گندے اور ناپاک کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کنویں کی منڈیر پر کھڑے ہوئے اور انھیں (کفار قریش کو) ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنے لگے: "اے فلاں کے بیٹے فلاں، اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا اب تمھیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے، پس بیشک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے پا لیا، کیا تم سے بھی تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے اسے سچا پایا؟"۔ [1]

الوہیت، رسالت اور قیامت پر دلیل

اس آیت سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق اور مستحق عبادت ہے اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے رسول برحق ہیں اور قیامت کے دن مخلوق سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور دلیل کی تقریر یہ ہے کہ کفار اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تمام آسمان اور زمینیں اور ان میں تمام رہنے والے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ساری مخلوق اللہ کی مملوک ہے اور مملوک پر اپنے مالک کی اطاعت کرنا لازم ہے۔ سو تمام انسانوں پر لازم ہے کہ صرف اس ایک رب کی عبادت کریں، اور اسی کو عبادت کا مستحق مانیں اور عبادت کا طریقہ بتلانے اور اللہ کے احکام پہنچانے کے لیے ایک

۱۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جھل: ۳۹۷۶۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب عرض مقعد المیت: ۲۸۷۳، ۲۸۷۵]

رسول کا ہونا ضروری ہے' جو دلیل اور معجزہ سے اپنی رسالت کو ثابت کرے اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بکثرت دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کیا ہے۔ پھر جو لوگ اللہ کی اطاعت کریں' ان کو اجر دینے کے لیے اور جو نافرمانی کریں ان کو سزا دینے کے لیے ایک دن ہونا چاہیے اور وہ روز قیامت اور روز جزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی کہ بیشک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر لیا تو اپنی اس کتاب میں لکھا جو اس کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ بیشک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ [2]

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی کرنے والے مسلمان کو ثواب عطا فرمانے اور اپنے بندہ کو نفع

۱۔ (صحیح مسلم' التوبۃ' ۱۴ (۲۷۵۱) ۶۸۳۶' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۱۹۴' سنن کبری للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۷۵۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۹۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۶۰۔۲۵۸۔۲۴۲' طبع قدیم)

۲۔ (صحیح مسلم' التوبۃ' ۱۶' (۲۷۵۱) ۶۸۳۸' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۵۰۳' طبع دار الفکر' بیروت)

پہنچانے کا ارادہ کرے اور اللہ کے غضب کا معنی یہ ہے کہ وہ فاسقوں اور نافرمانوں کو عذاب میں مبتلا کرنے اور مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرنا اس کی صفت قدیمہ ہے' جس سے وہ تمام مرادات کا ارادہ فرماتا ہے اور رحمت کی سبقت اور اس کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ رحمت بہت زیادہ اور بہت کثیر افراد کو شامل ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ کی ایک سو رحمتیں ہیں۔ جنات' انسانوں' جانوروں اور حشرات الارض میں اس نے (صرف) ایک رحمت رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت اور رحم کرتے ہیں۔ اس رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں موخر کر رکھی ہیں۔ ان کے ساتھ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ [1]

یہ دنیا دار البلاء اور دار التکلیف ہے اور اس دنیا میں بھی اللہ کی ایک رحمت سے مسلمانوں کو' اسلام' قرآن اور نماز کی رحمت حاصل ہوئی' بلکہ تمام شریعت اللہ کی رحمت ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمت رکھی جس سے وہ نیکی' صلہ رحمی اور غریب پروری کرتے ہیں تو ان ننانوے رحمتوں کی وسعت اور گیرائی کے متعلق کوئی شخص کیا تصور کر سکتا ہے جو دار آخرت میں حاصل ہوں گی' جو دار القرار اور دار الجزاء ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں قیدی پیش کیے گئے قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ اچانک اس نے قیدیوں میں اپنے بچہ کو

۱۔ (صحیح مسلم' التوبہ' ۱۹' (۲۷۵۲) ۶۸۴۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۲۹۳)

دیکھا' اس نے بچے کو اپنے پیٹ سے چمٹا لیا اور اس کو دودھ پلایا۔ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا نہیں' خدا کی قسم اگر آگ میں ڈالنا اس کے لیے مقدور ہوا تو یہ اپنے بچہ کو کبھی آگ میں نہیں ڈالے گی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ اپنے بچہ پر جس قدر رحم کرنے والی ہے' اللہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ [1]

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب ماں اپنے بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارہ نہیں کرتی تو اللہ اپنے بندوں کو آگ میں ڈالنا کیسے گوارا کرے گا' جبکہ اللہ ماں سے کہیں زیادہ رحیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور جن کو آگ میں ڈالے گا' وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ نہیں کہتے۔ کوئی خود کو بتوں کا بندہ کہتا ہے' کوئی اپنے آپ کو سورج' آگ پیپل اور کوئی گائے کا بندہ کہتا ہے اور کوئی خود کو عیسیٰ (علیہ السلام) اور عزیر (علیہ السلام) کا بندہ کہتا ہے اور کوئی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہتا ہے مگر بندگی اپنی خواہشات کی کرتا ہے:

(آیت) "ارءیت من اتخذ الھہ ھوہ افانت تکون علیہ وکیلا"۔ (الفرقان: ٤٣)

ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا تو کیا آپ اس کی وکالت کریں گے۔

ہاں جو لوگ خود کو اللہ کا بندہ کہلانے میں عار نہیں سمجھتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں' وہ ان کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور ایسے لوگوں سے اگر کبھی انسانی تقاضے

۱۔ مسلم' التوبہ' ٢٢' (٢٧٥٤) ٦٨٤٥' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ٥٩٩٩)

سے کوئی لغزش یا اطاعت میں کمی ہوگئی اور انھوں نے پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر لیا تو اللہ انھیں معاف فرما دے گا اور ان میں سے اگر کوئی بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کے لیے بھی اللہ کی رحمت اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت سے عفو و درگزر کی گنجائش ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک شخص کی موت کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا' پھر میرے جسم کو پیسنا اور میری راکھ کو سمندر میں ہوا کے اندر اڑا دینا۔ پس بخدا اگر میرا رب مجھ پر قادر ہوا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا؟ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا تمہارے اس فعل کا محرک کیا تھا؟ اس نے کہا اے میرے رب! تیرا خوف۔ سو اللہ نے اس وجہ سے اس کو بخش دیا۔ [1]

اس حدیث میں ہے کہ اگر بخدا میرا رب قادر ہوا تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ (الحدیث) اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس شخص کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک کرنا کفر ہے۔ اس اعتراض کے متعدد جواب ہیں۔

(۱) اس شخص کے قول میں "قدر" قدرت سے ماخوذ نہیں ہے' بلکہ قضاء قدر کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے میرے لیے عذاب مقرر کر دیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا؛۔

(۲) "قدر" اس قول میں تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے ایسا

۱۔ (صحیح مسلم' التوبہ' ۲۵' (۲۷۵۶) ۶۸۴۸' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۴۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۴۵۵' سنن النسائی' ج ۲ رقم الحدیث: ۲۰۷۹)

عذاب دے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "فقدر علیہ رزقہ"۔(الفجر:١٦)

ترجمہ: سو اس پر اس کا رزق تنگ کر دیا۔

(آیت) "فظن ان لن نقدر علیہ"۔(الانبیاء:٨٧)

ترجمہ: یونس نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔

(٣) "قدر" قدرت ہی کے معنی میں ہے۔لیکن اس شخص نے سوچ سمجھ کر یہ لفظ نہیں کہا اور اس نے جو یہ کہا اگر اللہ عذاب دینے پر قادر ہوا تو اس کو ایسا عذاب دے گا اس کلام سے اس کا یہ قصد اور ارادہ نہیں تھا کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک ہے۔ بلکہ اس نے خوف' دہشت اور سخت گھبراہٹ کیفیت میں بغیر تدبر اور تفکر کے یہ الفاظ کہے۔ جیسے کوئی شخص غفلت اور نسیان سے کلمہ کفر کہہ دے تو اس کی تکفیر نہیں کی جاتی' جیسے ایک شخص کو اپنی گم شدہ اونٹنی مل گئی تو اس نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے شدت فرح اور خوشی کے جذبات سے بے قابو ہو کر کہا تھا تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں اسی طرح اس نے غلبہ خوف اور دہشت خوف اور دہشت کی وجہ سے سہوا یہ الفاظ کہے اور اس سے اس کی تکفیر نہیں ہوتی۔

(٤) عربوں کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ یقینی امر کو شک کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "قل من یرزقکم من السموت والارض قل اللہ وانا او ایاکم لعلی ھدی او فی ضلال مبین"۔(سبا: ٢٤)

ترجمہ: آپ کہئے تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ کہئے اللہ! اور بیشک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔

اسی طرح اس شخص کو اللہ کی قدرت پر یقین تھا لیکن اس امر کو شک کی صورت میں بیان کیا۔

(۵) وہ شخص اللہ تعالیٰ کی صفات سے جاہل تھا اور جو شخص اللہ کی کسی صفت سے جاہل ہو اس کی تکفیر متفق علیہ نہیں ہے۔ امام ابن جریر طبری ؒ اس کی تکفیر کرتے ہیں' دیگر ائمہ نے کہا کہ اللہ کی صفت سے جہل کفر نہیں ہے' اس کی صفت کا انکار کفر ہے۔ امام ابوالحسن اشعری ؒ نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے۔

(٦) وہ شخص زمانہ فترت میں تھا اور اس کے لیے صرف توحید کو ماننا کافی تھا' اور صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت نازل ہونے سے پہلے کوئی شخص کسی حکم کا مکلف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا"۔ (الاسراء:۱۵)

ترجمہ: ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔

(۷) اس شخص نے خود کو حقیر اور مستحق عذاب قرار دینے کے لیے اور اللہ کی رحمت پر امید رکھتے ہوئے یہ کہا تھا' اس کو اللہ کی قدرت پر شک نہیں تھا۔

حضرت حذیفہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کے ایک شخص کی روح سے فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ فرشتوں نے پوچھا تم نے کوئی نیکی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں! فرشتوں نے کہا یاد کرو۔ اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور میں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا تھا کہ جو تنگ دست ہو اس کو مہلت دینا اور خوش حال پر سختی نہ کرنا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے درگزر کرو۔ حضرت حذیفہ ؓ کی ایک اور روایت میں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس چیز کا میں تم سے زیادہ حقدار

ہوں میرے بندے سے درگزر کرو۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا۔ اس نے راستہ میں کانٹوں کی ایک ٹہنی دیکھی' اس نے اس کو راستہ سے ایک طرف کر دیا' اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔

امام مسلمؒ کی دوسری روایت میں ہے اس شخص نے کہا بخدا میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹاؤں گا' تا کہ ان کو ایذاء نہ پہنچے۔ تو وہ شخص جنت میں داخل کر دیا گیا۔ [2]

راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ایمان کی گھاٹیوں میں سے ہے' خواہ وہ کانٹوں کی ٹہنی ہو' شیشہ کا ٹکڑا ہو' کیلے یا آم کا چھلکا ہو' کوئی گندی چیز ہو یا مردار ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا اس کو بہت سخت پیاس لگی' اس نے ایک کنواں دیکھا' اس میں اتر کر پانی پیا۔ پھر وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا ایک کتا پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے کہا اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جتنی مجھے لگی تھی' وہ کنوئیں میں اترا اور اس نے اپنے موزہ میں پانی بھرا' پھر موزہ کے منہ کو بندہ کر کے کنوئیں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے سے بھی

۱۔ (صحیح مسلم' المساقاۃ' ۲۶' (۱۵۶۰) ۳۹۱۷' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۷۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۲۰)

۲۔ (صحیح مسلم' البر والصلۃ' ۱۲۸' ۱۲۷' (۱۹۱۴) ۶۵۴۷' ۶۵۴۶' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۴۷' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۶۵' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۸۴' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۵۳۶' مسند الحمیدی' رقم الحدیث: ۱۱۳۴' الموطاء' رقم الحدیث: ۲۹۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۵۲۱' طبع قدیم)

ہمیں اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہر زندہ جگر میں اجر ہے۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک زانیہ عورت نے ایک سخت گرم دن میں ایک کتے کو کنوئیں کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا جس نے پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالی ہوئی تھی' اس عورت نے اپنے موزہ میں اس کے لیے پانی بھرا' تو اس عورت کو بخش دیا گیا۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت دوزخ میں داخل ہوگئی' اس نے اس بلی کو باندھ کر رکھا' اس کو خود کھلایا نہ اس کو آزاد کیا' تاکہ وہ زمین سے کچھ اٹھا کر کھا لیتی۔ حتیٰ کہ وہ بھوک سے مرگئی۔ (۳)

آثار رحمت کی احادیث ذکر کرنے کے بعد ہم نے آخر میں آثار غضب کی بھی ایک حدیث درج کر دی ہے۔

تاکہ کوئی شخص صرف رحمت پر نظر کرتے ہوئے گناہوں پر بے باک نہ ہو جائے' کیونکہ اگر وہ ایک کتے کو پانی پلانے پر عمر بھر کے گناہ معاف کر کے جنت عطا فرماتا ہے تو ایک بلی کو بھوکا رکھ کر مار دینے پر غضب میں آ کر دوزخ میں بھی ڈال دیتا ہے۔ اس لیے اس کی دونوں صفتوں پر نظر رہے اور ایمان' عذاب کے خوف اور ثواب کی امید کی درمیانی کیفیت ہے۔

۱۔ (صحیح مسلم' سلام' ۱۵۳' (۲۲۴۴) ۵۷۵۱' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۶۳' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

۲۔ (صحیح مسلم' سلام' ۱۵۴' (۲۲۴۵) ۵۶۵۲)

۳۔ (صحیح مسلم' التوبہ' ۲۶' (۲۷۵۶)، ۶۸۵۰' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۶۵' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۵۶' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۱۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸' ص ۱۴' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۶۱' ۱۸۱' ۱۵۹' طبع قدیم)

﴿ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ ﴾

اور اسی کا ہے جو کچھ ساکن ہو جاتا ہے رات میں اور (متحرک ہو جاتا ہے) دن کے وقت۔ اور وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔

رات اور دن میں جو کچھ سکونت پذیر ہے

سب اللہ ہی کا ہے پھر فرمایا (وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ) (اور اللہ ہی کے لیے ہے جو ساکن ہے رات اور دن میں) سکن ٹھہرنے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی جو کچھ رات اور دن میں ٹھہرا ہوا ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق ہے ساکن غیر متحرک ہونے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی جو چیزیں رات اور دن میں غیر متحرک ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔

یہ چیزیں بھی (مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) میں داخل ہیں لیکن پھر بھی الگ سے ان کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ چیزیں ہر وقت مخاطبین کے سامنے ہیں اور خود مخاطبین بھی اس میں شامل ہیں جو کچھ نظر کے سامنے ہو اس کو دیکھ کر زیادہ بصیرت اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا (وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ) کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ سب اپنے اقوال اور اعمال کی طرف غور کریں کہ رضا کے خلاف تو نہیں چل رہے ہیں۔ آپ یہ اعلان کر دیں کہ میں غیر اللہ کو ولی نہیں بنا سکتا۔

﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ ﴾

”فرمادیں کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے کسی اور کو اپنا مددگار بناؤں؟ حالانکہ وہ کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا۔ کہہ بیشک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا شخص بنوں جو فرمان بردار بنا اور آپ کے شریک بنانے والوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔

مشرکین مکہ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بتوں کی پرستش کرنے کو کہا، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود بنالوں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو تمام مخلوقات کو روزی دینے والا ہے اور وہ ان کا محتاج نہیں ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں وہ پہلا شخص بنوں جو اللہ کے سامنے مخلصانہ طور پر اپنا سر جھکا دے، تاکہ دوسروں کے لیے خیر کا نمونہ بنوں اور مجھ سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم مشرکوں میں سے نہ بنوں اور آپ یہ بھی کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو قیامت کے دن کا عذاب مجھے خائف کر رہا ہے، اس سے جو آدمی اس دن بچا لیا جائے گا، گویا کہ اللہ نے اس پر رحم کر دیا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : ارشاد فرمایا : (قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ)[الزمر:٦٤] "کہہ دے پھر کیا تم مجھے غیر اللہ کے بارے میں حکم دیتے ہو کہ میں (ان کی) عبادت کروں اے جاہلو!

"وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ : یعنی وہ اپنی ساری مخلوق کو تو رزق عطا فرماتا ہے مگر وہ خود اپنے بندوں کا قطعاً محتاج نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ)[الذاریات:٥٦ تا ٥٨] "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ میں ان سے کوئی رزق چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بیشک اللہ ہی بے حد رزق دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل قبا میں سے ایک انصاری نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کھانے کی دعوت دی تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلے گئے۔ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کھانا تناول فرما لیا اور ہاتھ دھو لیے تو یہ دعا پڑھی: (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يُطْعِمُ وَلَا يَطْعَمُ ، وَمَنَّ عَلَيْنَا فَهَدَانَا، وَاَطْعَمَنَا وَسَقَانَا، وَكُلَّ بَلَاءٍ حَسَنٍ أَبْلَانَا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُكَافِئٍ وَلَا مَكْفُوْرٍ ، وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا مِنَ الطَّعَامِ ، وَسَقَانَا مِنَ الشَّرَابِ، وَكَسَانَا مِنَ الْعُرْيِ، وَهَدَانَا مِنَ الضَّلَالَةِ، وَبَصَّرَنَا مِنَ الْعَمٰى وَفَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ) "سب تعریف اسی اللہ کے لیے ہے، جو اپنے بندوں کو تو کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا، اس نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں ہدایت سے نوازا

اور کھلایا اور پلایا اور ہر اچھی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس کو کبھی خیر باد نہیں کہا جا سکتا، نہ اس کا بدلہ دیا جا سکتا ہے، نہ ناشکری کی جا سکتی ہے اور نہ بے نیازی اختیار کی جا سکتی ہے۔ سب تعریف اس اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور زیب تن کرنے کے لیے لباس عطا فرمایا اور ہمیں گمراہی سے نکال کر ہدایت سے نوازا اور ہمیں اندھے پن سے محفوظ فرما کر (ایمان کی) بینائی سے نوازا اور اپنی بہت سی مخلوق کے مقابلے میں ہمیں شرف و فضل سے سرفراز فرمایا۔ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کی ذات کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔"[1]

﴿ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ ﴾

آپ فرمایئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک عظیم (قیامت کے) دن کا عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (۱۶) جس شخص سے اس دن عذاب ہٹا دیا گیا تو یقیناً اس پر اللہ تعالیٰ نے بہت رحم فرمایا، اور یہ کھلی کامیابی ہے۔ (۱۷)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان سے یہ اعلان کروا کر دوسرے سب لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ اگر بفرض محال ہمارے معصوم اور سب سے زیادہ نیک بندے سے بھی کسی نافرمانی کا ارتکاب ہو جائے تو وہ بھی ہمارے عذاب سے نہیں بچ سکتا، پھر دوسروں کے لیے کیسے ممکن ہے کہ انبیاء کو جھٹلانے جیسے جرائم کرنے کے باوجود ہمارے عذاب سے بے فکر ہو کر بیٹھ رہیں؟ ارشاد فرمایا: (اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓىِٕكَ اَنَّهُمْ

۱۔ [السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۲/۶، ح: ۱۰۱۳۲۔ مستدرک حاکم: ۵۴۶/۱، ح: ۲۰۰۳]

مَّبْعُوْثُوْنَ ۔ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۔ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)[المطففین: ٤ تا ٦] "کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ بیشک وہ اٹھائے جانے والے ہیں۔ایک بڑے دن کے لیے۔جس دن لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے۔" اس یوم عظیم کی مقدار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:(سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۔ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۔ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ)[المعارج: ١ تا ٤] "ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کے متعلق سوال کیا جو واقع ہونے والا ہے۔کافروں پر، اسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔اللہ کی طرف سے، جو سیڑھیوں والا ہے۔فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں،(وہ عذاب) ایک ایسے دن میں (ہوگا) جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہر سونے اور چاندی کے مالک کے لیے، جو ان میں سے ان کا حق ادا نہیں کرتا، قیامت کے دن آگ سے تختیاں بنائی جائیں گی، پھر ان تختیوں کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر ان تختیوں سے اس کے پہلو پر، اس کی پیشانی پر اور اس کی پیٹھ پر داغ دیا جائے گا۔جب کبھی یہ تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی تو انھیں دوبارہ گرم کرلیا جائے گا، (یہ سزا اسے) اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے (برابر ملتی رہے گی) یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا، پھر اسے یا تو جنت کا راستہ بتا دیا جائے گا، یا دوزخ کا۔"[1]

یعنی بلند مراتب حاصل کرنا تو بہت اونچا مقام ہے، اگر کسی سے آخرت کا عذاب ہی ٹل جائے تو اپنی جگہ یہی بہت واضح کامیابی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

۱۔[مسلم، کتاب الزکوۃ، باب إثم مانع الزکوۃ: ۹۸۷]

جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡكَبِیۡرُ)[البروج:۱۱] "بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔" اور فرمایا: (فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ)[آل عمران:۱۸۵] "پھر جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہو گیا۔"

﴿ وَاِنۡ یَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنۡ یَّمۡسَسۡكَ بِخَیۡرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۸﴾ ﴾

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس تکلیف کا دور کرنے والا اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱۷) اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح حاوی ہے اور وہ حکیم و خبیر ہے۔(۱۸)

حقیقی حاجت روا کارساز اور مستعان صرف اللہ تعالیٰ ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز بنالوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاجت روا نہیں ہے اور اسی مطلوب پر یہ آیت دلیل ہے کہ اگر اللہ

تمہیں ضرر پہنچائے تو اس کے سوا اور کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی مضمون کی یہ آیت ہے:

(آیت) "ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا و ما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وھو العزیز الحکیم"۔ (فاطر: ۲)

ترجمہ: اللہ رحمت سے لوگوں کے لیے جو چیز کھولے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کے روکنے کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

یہ معنی حدیث صحیح میں بھی ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز کے بعد جو ذکر کرتے تھے' اس میں یہ جملہ ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز کے بعد ذکر کرتے تھے۔ اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو روک لے اس کو' کوئی دینے والا نہیں ہے اور کوئی طاقت سے تیرے مقابلہ میں نفع نہیں پہنچا سکتا۔ [1]

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سواری پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں۔ تم اللہ کو یاد رکھو' اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو' تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اور جان لو کہ اگر تمام امت تم

۱۔ (صحیح مسلم' المساجد' ۱۳۷' (۵۹۳) ۱۳۱۴' صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۶۱۵' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵۰۵' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۴۱)

کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (۱)

قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو فقر، مرض، غم اور ذلت کی وجہ سے جو مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان مصائب اور شدائد کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور رنج والم کو اس کے سوا کوئی زائل کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے، اسی کا غلبہ اور اسی کی کبریائی ہے، بڑے بڑے بادشاہوں اور جابر حکمرانوں کی گردنیں اسی کے سامنے جھکتی ہیں، تمام انبیاء رسل اور فرشتے اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں، سب اسی سے سوال اور دعا کرتے ہیں۔ وہی سب کا داتا ہے اور سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے، وہی کارساز مطلق ہے اور وہی حقیقی حاجت روا ہے۔ اس لیے اسی کے سامنے دست دراز کیا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم میں (ہر) ایک شخص کو چاہیے کہ اپنی تمام حاجات میں اپنے رب سے سوال کرے، حتیٰ کہ نمک کا بھی اس سے سوال کرے اور

۱۔ (سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۲۴، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۰۴، ۲۷۶۳، ۲۶۹، طبع قاہرہ، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۸۰۴، ۲۷۶۳، ۲۶۶۹، طبع جدید، دار الفکر، مسند احمد ج ۱، ص ۳۰۷، ۳۰۳، ۲۹۳، طبع قدیم، دار الفکر، مسند ابویعلیٰ، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۵۵۶، المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۵۶۰، ۱۱۴۱۶، ۱۱۲۴۳، کتاب الدعا للطبرانی، رقم الحدیث: ۴۱، مسند الشاب، ۷۴۵، المستدرک، ج ۳، ص ۵۴۱، مصابیح السنہ، ج ۳، ص ۴۴۷، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، رقم الحدیث: ۴۲۷، مطبوعہ کراچی، مشکوۃ المصابیح، ص ۴۵۳، طبع کراچی)

جب جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی اس سے سوال کرے۔ [1]

اگر کسی شخص کی دعا فوراً قبول نہ ہو تو اس کو مایوس ہو کر دعا ترک نہیں کرنی چاہیے بلکہ مسلسل دعا کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص بھی اس قدر ہاتھ بلند کر کے اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اس کی بغلیں ظاہر ہو جائیں اللہ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! جلدی کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہے کہ میں نے سوال کیا اور میں نے سوال کیا اور مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ وہ کہتا ہے میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ [2]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص بھی اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ یا تو اس کا مطلوب اسے فوراً دنیا میں دے دیا جاتا ہے یا اس کے لیے آخرت میں اس کا اجر ذخیرہ کیا جاتا ہے یا اس دعا کے بہ مقدار اس کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ گناہ کی یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور عجلت نہ کرے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ، عجلت کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ کہے میں نے اپنے رب سے دعا کی' اس نے میری دعا قبول نہیں

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۲۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

۲۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۱۹' کنز العمال' رقم الحدیث: ۳۲۴۱)

کی۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا ہے' اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ سوال یہ ہے کہ اس سے عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو مصائب نازل ہو چکے ہیں اور جو نازل نہیں ہوئے ان سب میں دعا سے نفع ہوتا ہے۔ اے اللہ کے بندو! دعا کیا کرو۔ امام ترمذیؒ نے کہا اس حدیث کی سند غریب ہے۔ [2]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ مصیبتوں کے وقت اس کی دعا قبول کی جائے' اس کو چاہیے کہ راحت کے وقت بہ کثرت دعا کرے۔ [3]

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ حیادار کریم ہے۔ وہ اس سے حیا فرماتا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ اٹھائے اور وہ ان ہاتھوں کو نامراد اور خالی لوٹا دے۔ [4]

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت اور ضرر کو دور نہیں کر سکتا' حالانکہ انسان کبھی خود اپنی

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۱۸' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۶۳۴۰' صحیح مسلم' (۲۷۳۵) سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۴۸۴' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۴۹۵' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۳۰۰۷' طبع جدید' دار الفکر' بیروت)

۲۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۵۹ مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

۳۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۳۹۳' المستدرک' رقم الحدیث: ۱۹۹۷)

۴۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث ج: ۳۵۶۷' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۸۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۶۵)

کوشش سے مصیبت کو دور کر لیتا ہے' کبھی اس کے دوست اور رشتہ دار اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں' انسان بیمار پڑ جاتا ہے تو ڈاکٹر دوا کے ذریعہ اس کی بیماری اور تکلیف کو دور کر دیتا ہے' قیامت کے دن انبیاء (علیہم السلام) عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خصوصا گناہ گاروں کی شفاعت فرما کر ان سے عذاب کی مصیبت کو دور کریں گے' بلکہ آپ نے دو گنہگاروں کی قبر پر شاخ کے دو ٹکڑے نصب کر کے ان سے برزخ کا عذاب دور کر دیا۔ [۱]

حضرت علیؓ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں' حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں اور حضرت زید بن معاذؓ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں لعاب دہن لگایا اور ان سے دنیا کی تکلیف کو دور کر دیا اور وہ شفایاب ہو گئے۔ [۲]

امام بخاریؒ نے بھی حضرت علیؓ کی آنکھوں کی شفا کی حدیث روایت کی ہے۔ [۳]

نیز امام بخاریؒ نے حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کی حدیث بھی روایت کی ہے۔ [۴]

اور امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عتیکؓ گئے اور اس مہم میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔ [۵]

۱۔ (صحیح بخاری' ۲۱۶)

۲۔ (شفاء' ج۱' ص۲۱۳)

۳۔ (صحیح البخاری' ج۴' رقم الحدیث: ۳۷۰۱)

۴۔ (ج۵' رقم الحدیث: ۴۲۰۶)

۵۔ (صحیح البخاری' ج۵' رقم الحدیث: ۴۰۳۹)

اگلی آیت میں فرمایا کہ سب لوگ، خواہ بڑے سے بڑا جابر ہو، اس کے سامنے بے بس ہیں۔ تمام گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی ہیں، وہ ہر ایک پر غالب ہے اور ساری کائنات اس کی مطیع ہے۔ صفات کمال دو ہیں، قدرت اور علم۔ پہلے جملہ (وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ) میں کمال قدرت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جملہ (الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ) سے کمال علم ثابت ہوتا ہے، یعنی وہ اپنے احکام میں کمال حکمت والا اور اپنے بندوں کے معاملات کی پوری خبر رکھنے والا ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور حکمت والا ہے باخبر ہے، وہ جسے جس حال میں رکھے اسے اختیار ہے وہ حکیم ہے سب کچھ اس کی حکمت کے موافق ہے اور وہ خبیر بھی ہے سب کے احوال و اعمال کا اسے علم ہے جس کے ساتھ جو بھی معاملہ ہے حکمت کے موافق ہے اور علم کے مطابق ہے۔

﴿ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۟ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ ﴾

”فرما دیجیے کون سی چیز گواہی میں سب سے بڑی ہے؟ فرما دیجیے اللہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ

میں تمہیں اس کے ساتھ ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے کیا واقعی تم گواہی دیتے ہو کہ بیشک اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں؟ فرما دیجیے میں یہ گواہی نہیں دیتا فرما دیجیے وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے اور بیشک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک ٹھہراتے ہو۔"

شان نزول: (آیت) "قل ای شیء اکبر"

ابن اسحاقؒ اور ابن جریرؒ نے سعیدؒ یا عکرمہؒ کے واسطہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نمام بن زید اور قروم بن کعب اور حجری بن عمرو آئے اور کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، مجھے اسی توحید حق پر مبعوث کیا گیا اور میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی یعنی آپ فرما دیجیے کہ سب سے بڑھ کر گواہی کے لیے کون سی چیز ہے۔

کفار مکہ کے بعد جب یہود و نصاریٰ کی اکثریت نے بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جھٹلا دیا تو کفار کہنے لگے کہ بتاؤ اب تمہاری رسالت کی گواہی کون دیتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کافروں سے کہیے کہ اللہ سے بڑھ کر کون گواہ ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی خبر میں جھوٹ کا احتمال نہیں ہوسکتا اور یہ قرآن بھی میری نبوت کی تصدیق کرتا ہے، جس کی مثل تم لوگ لانے سے عاجز ہو اور یہ قرآن اس لیے نازل کیا گیا ہے اے اہل مکہ! کہ میں تمہیں اور تمام بنی نوع انسان کو ڈراؤں۔ اس کے بعد اللہ

تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیا کہ آپ مشرکین کے شرک کا انکار کریں اور کہیں کہ تم لوگ تو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کے ہونے کی گواہی دیتے ہو، لیکن میں انکار کرتا ہوں اور صرف اللہ کی وحدانیت کا اعلان کرتا ہوں اور تمہارے جھوٹے معبودوں سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ: اللہ کی گواہی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، لہٰذا اب مزید کسی گواہی کی ضرورت نہیں، ارشاد فرمایا: (وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا) [النساء: ۷۹] "اور ہم نے تجھے لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی گواہ ہے۔" اور فرمایا: (هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا) [الفتح: ۲۸] "وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اور اللہ گواہ کے طور پر کافی ہے۔"

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ: یعنی میری طرف یہ قرآن اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ میں تمہیں اس سے ڈراؤں اور اس کو بھی جس تک یہ پہنچے۔ اس سے مراد قیامت تک آنے والے تمام عرب وعجم اور جن وانسان ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میری رسالت عالمگیر اور قیامت تک کے لیے ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا) [الفرقان: ۱] "بہت برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فیصلہ کرنے والی (کتاب) اتاری، تاکہ وہ جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔"

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھ کو پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو میرے علاوہ کسی کو نہیں دی گئیں: ۱ ایک مہینے کی مسافت سے (دشمن پر) رعب کے ساتھ

میری مدد کی گئی ہے۔ 2 ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاکی کے لائق بنادی گئی ہے، جہاں بھی نماز کا وقت ہوجائے میری امت کے ہر فرد کے لیے وہیں نماز جائز ہے۔ 3 میرے لیے غنیمتیں حلال کردی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں۔ 4 میں تمام مخلوق کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ 5 اور مجھے سفارش کا اختیار دیا گیا ہے جو میں قیامت کے دن اللہ کے حکم سے کروں گا۔" (۱)

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری طرف سے پہنچادو چاہے ایک آیت (یعنی ایک مسئلہ) ہی کیوں نہ ہو۔" (۲)

سیدنا ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری بات سننے والوں میں سے ہر ایک اسے جو یہاں موجود نہیں، میری بات پہنچادے۔" (۳)

سیدنا زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کے چہرے کو تروتازہ رکھے جو میری بات یاد کرکے آگے پہنچاتا ہے۔" (۴)

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے احکام تمام لوگوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہیں۔ ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ ہر زمانے کے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اسے اگلے زمانے کے لوگوں تک پہنچائیں، قرآن کے احکام کو صرف نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے تک محدود رکھنا اور حالات کی تبدیلی کے بہانے قرآن وحدیث کے احکام میں تبدیلی کرنا، قرآن کے احکام سے جان

۱۔ [بخاری، کتاب التیمّم، باب: ۳۳۵]

۲۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ماذکر عن بنی إسرائیل: ۳۴۶۱]

۳۔ [بخاری، کتاب الحج، باب خطبۃ أیام منیٰ: ۱۷۴۱]

۴۔ [ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع: ۲۶۵۶]

چھڑانے کی کوشش ہے اور صریح تحریف ہے کہ جس کی وجہ سے یہودی ملعون ٹھہرے۔

اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّآ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ: یعنی قرآن میں مذکور توحید کے واضح اور قطعی دلائل کے باوجود کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم جو چاہو کہو، میں تو یہ شہادت کبھی نہیں دے سکتا اور صاف کہتا ہوں کہ میں ان تمام ہستیوں سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، بری ہوں۔ ارشاد فرمایا: (وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ)[الزخرف: ٨٤] "اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اور وہی کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔" اور فرمایا: (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ)[الانبیاء: ٢٥] "اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بیشک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔" اور فرمایا: (وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ)[البقرۃ: ١٦٣] "اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔"

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٢٠ ﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ ایسا پہچانتے ہیں اس پیغمبر) کو، جیسا کہ وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو، مگر جن لوگوں نے خسارے میں ڈال رکھا ہے اپنے آپ کو، وہ پھر

بھی ایمان نہیں لاتے۔

اہل کتاب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچاننا

اس سے پہلی آیت کے شان نزول میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ کفار نے یہ کہا تھا کہ ہم نے آپ کی نبوت کے متعلق یہود و نصاریٰ سے سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کا ایک جواب اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں دیا کہ سب سے بڑی گواہی تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور آپ کی نبوت پر اللہ گواہ ہے اور دوسرا جواب اس آیت میں دیا کہ اہل کتاب کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ آپ کی نبوت کو نہیں پہچانتے' بلکہ وہ اپنے بیٹوں کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا آپ کو پہچانتے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد ابن جریر ؒ متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج ؒ نے بیان کیا کہ اہل کتاب میں سے جو مسلمان ہو چکے تھے' انھوں نے کہا بخدا ہم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتے تھے' کیونکہ ہماری کتاب میں آپ کی صفت اور شناخت مذکور ہے اور رہے ہمارے بیٹے تو ہم نے جانتے کہ ہماری بیویوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ [1]

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام ؓ کو یہ خبر پہنچی کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ تشریف لے آئے ہیں' تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے متعلق سوال کروں گا جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

(۱) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت پہلے کونسا طعام کھائیں گے؟ اور کس چیز کی وجہ سے

۱۔ (جامع البیان' جز ۷ ص ۲۱۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ ھ)

بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھے ابھی ان چیزوں کی جبرائیل نے خبر دی ہے۔ عبداللہ نے کہا فرشتوں میں وہ یہودیوں کا دشمن ہے۔ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا قیامت کی پہلی علامت ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی' اور اہل جنت جو طعام سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اور بچے کی مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد عورت سے عمل تزویج کرتا ہے تو اگر مرد کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ عبداللہ بن سلامؓ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہود کو اگر میرے اسلام قبول کرنے کا علم ہو گیا تو وہ مبہوت ہو جائیں گے۔ سو یہود آئے اور عبداللہ گھر میں چلے گئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا عبداللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ انھوں نے کہا وہ ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں اور ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے افضل کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ بتاؤ اگر عبداللہ اسلام لے آئیں تو! انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ اس کو اس سے پناہ میں رکھے۔ تب حضرت عبداللہ بن سلامؓ ان کے سامنے آئے اور کہا "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ" تو انھوں نے کہا یہ ہم میں سب سے بدتر شخص ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے۔ [1]

ابوحمزہؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ میں تشریف لائے تو

۱۔ (صحیح البخاری' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٣٢٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٢ھ)

حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) پر یہ آیت نازل کی ہے کہ اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں' بتاؤ یہ معرفت کیسی تھی؟ حضرت ابن سلامؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی صفت اور نعت بیان کی ہے' ہم آپ کو اس صفت اور نعت سے پہچانتے تھے۔ جب ہم نے آپ کو تمہارے درمیان دیکھا تو ہم نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کو دوسرے لڑکوں کے درمیان پہچان لیتا ہے اور اللہ کی قسم! مجھے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی' کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کی ماں کیا کرتی رہی تھی؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا کو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۲۰)

کفار کے اخروی نقصان کا معنی

یعنی جو لوگ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کو پہچانتے تھے' اس کے باوجود انھوں نے عناداً آپ کی نبوت کا انکار کیا۔ اس انکار سے انھوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا' کیونکہ ان کو اب دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ خسارہ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے ایک جنت بنائی ہے' تاکہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے' اور قیامت کے دن کافروں کی جنتیں مسلمانوں کو دے دی جائیں گی اور مسلمانوں کی دوزخیں کافروں کو دے دی جائیں گی اور یہ کافروں کا نقصان ہے کہ اپنی جنتیں ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گی اور اس کے بدلہ میں دوزخیں ملیں گی اور

۱۔ (روح المعانی' جز ۷' ص ۱۲۰' مطبوعہ بیروت)

مسلمانوں کو اپنی جنتیں بھی ملیں گی اور وہ کافروں کی جنتوں کے بھی وارث ہوں گے' اس لیے مومنوں کے متعلق فرمایا ہے:

(آیت) "اولئک ھم الوارثون، الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خلدون"۔ (المؤمنون: ۱۱-۱۰)

ترجمہ: وہی وارث ہیں' جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر کوئی جھوٹی تہمت لگائی یا اس کی آیات کو جھٹلایا۔ یقیناً ایسے ظالم (کبھی) فلاح نہیں پا سکتے۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے بہتانوں کی تفصیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے دو ظلم بیان فرمائے ہیں۔ ایک ظلم ہے اللہ پر جھوٹا بہتان لگانا اور دوسرا ظلم ہے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا۔

اللہ پر جھوٹا بہتان لگانے کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ بت اللہ کے شریک ہیں اور اللہ سبحانہ نے ان کی عبادت کرنے اور ان کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے' نیز کفار مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انھوں نے بحیرہ' سائبہ' حامی اور وصلہ سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا تھا' اور وہ اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان

لگاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی شریعتیں غیر منسوخ ہیں اور ان کے نبیوں کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور خصوصا یہود یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور دوزخ کی آگ ہمیں صرف چند دن جلائے گی اور ان میں سے بعض جہلاء یہ کہتے تھے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' اور خصوصا نصاری یہ کہتے تھے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں' اور یہود و نصاری ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا دعوی دار تھا کہ ان کے سوا اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

ان کا دوسرا ظلم اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا ہے۔ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کے ثبوت پر اللہ تعالیٰ نے جو معجزات ظاہر فرمائے یہود و نصاری اور مشرکین نے ان کو جھٹلا دیا اور قرآن مجید جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ ہے' باوجود اس کے کہ وہ اس کی نظیر لانے کے چیلنج کو پورا نہیں کر سکے' انھوں نے اس کو کھلا جادو کہا' کبھی شعر و شاعری کہا اور کبھی گزرے ہوئے لوگوں کی داستان کہا اور کبھی کہا یہ محض ان کے تخیلات ہیں۔ انھوں نے اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے۔

۱۱ شعبان ۱۴۴۴ھ

ڈاکٹر اسلامی ریسرچ اسکالر محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا